سلسلۂ مطبوعات کتابخانۂ ریاست رامپور نمبر ۴

دستور الفصاحت

(مقدمہ و خاتمہ)

مصنفہٴ

حکیم سید احمد علی خاں یکتا بن سید احمد علی خاں لکھنوی

تصحیح

امتیاز علی خاں عرشی

ناظم کتب خانہ رامپور

حسب الحکم فرمانروای رامپور، دام اقبالہم و ملکہم

ہندوستان پریس، رامپور

۱۹۴۳ع

مضامین

بار اول ۱۹۴۳ع

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

تمہید

اردو شعر گوئی کے ابتدائی دور میں گجرات، دکن، پنجاب اور دوآبے کے شاعر مقامی بولیوں اور مخصوص محاوروں میں شعر کہتے تھے جب بارھویں صدی ھجری کے لگ بھگ، دلی نے ادبی مرکز کی حیثیت اختیار کی، تو بیرون دھلی کے اھل سخن کو بھی شاہجہان آباد کا روزمرہ سیکھنا پڑا، تاکہ اس بین الاقوامی نئی زبان کے سہارے، ملک بھر سے داد سخن حاصل کریں

مرکز سے دور رھنے والے شاعروں اور ادیبوں کو دلی کے مخصوص محاوروں اور اصطلاحوں کے سمجھنے میں جو دشواریاں پیش آتی ھونگی، اون کو دور کرنے کے لیے زبان کے ماھروں نے اردو لغت نویسی کی بنا ڈالی، اور شہنشاہ عالمگیر کے وقت سے شاہ ظفر، آخری تاجدار دھلی، تک متعدد کتابیں اس فن پر لکھی گئیں، جن میں سے مولانا عبدالواسع ھانسوی کی کتاب « غرائب اللغات » اس مبارک کوشش کا پہلا پھل ھے۔

آگرے کے مشہور محقق ادیب، سراج الدین علی خان آرزو نے ۱۱۵۶ھ (۱۷۴۳ع) میں اس کتاب پر اصلاحی نظر ڈالی اور ھانسوی کی کوتاھیوں کو جا بجا ظاھر کر کے، اس مجموعے کا نام « نوادر الالفاظ »

رکھا (۱) آرزو کے بعد ۱۱۸۰ھ (۱۷۶۶ع) میں زبدۃ الاسماء، ۱۲۰۷ھ (۱۷۹۲ع) میں طپش کی شمس البیان، ۱۲۳۶ھ (۱۸۲۰ع) میں مفتاح اللغات عرف نام مالا، ۱۲۴۸ھ (۱۸۳۲ع) میں واصف کی دلیل ساطع، ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۷ع) میں بلگرامی کی نفائس اللغات، ۱۲۵۶ھ (۱۸۴۰ع) میں رشک کی نفس اللغہ، ۱۲۶۱ھ (۱۸۴۵ع) میں انفس النفائس اور ۱۲۶۲ھ (۱۸۴۶ع) میں اس کے اصلاح شدہ نسخۂ موسومہ بہ « منتخب النفائس » کی تالیف و ترتیب عمل میں آئی۔

مگر افسوس کہ ملک بھر میں اردو کے قواعد صرف و نحو کی طرف سے عرصے تک غفلت برتی گئی۔ جب یورپ کے اردو دانوں نے اس مضمون پر خامہ فرسائی کرلی، تب دیسی ادیبوں کو احساس ہوا، اور انھوں نے بھی رفتہ رفتہ اس راہ کی گامزنی شروع کی چنانچہ عام طور پر، ہندوستانیوں کی سب سے پہلی قواعد اردو کی کتاب، میر انشاء اللہ خان انشا کی « دریای لطافت » شمار کی جاتی ہے، جو مرزا قتیل کی مدد سے ۱۲۲۲ھ (۱۸۰۷ع) میں تمام ہوئی تھی

(۱) ملاحظہ ہو مجمع النفائس ۵۵۰ الف مگر عام طور پر یہ نوادرالالفاظ ہی کہلاتی ہے کتاب خانۂ عالیہ رامپور میں اس کتاب کے متعدد قلمی نسخے محفوظ ہیں۔ ان میں سے ایک کے اندر، دوسرے تمام نسخوں کے برخلاف، ہر ردیف کے لغات کے بعد اوسی ردیف سے تعلق رکھنے والے قلعۂ معلی کی بیگمات کے محاورے بعنوان « فصل » درج کیے گئے ہیں۔ اگر یہ فصلیں الحاقی نہیں ہیں (جیسا کہ بظاہر ان کو الحاقی کہنے کی کوئی وجہ موجود نہیں ہے)، تو ہم ان کے ذریعے سے ۱۱۵۶ھ سے قبل کی بیگماتی زبان سے بخوبی روشناس ہو جاتے ہیں۔

رنگین نے بھی « محاورات بیگمات » کے نام سے اسی مضمون کا ایک رسالہ لکھا تھا، جو عرصہ ہوا چھپ چکا ہے۔ آرزو کی فصلوں سے اس رسالے کے لغات کا مقابلہ کرنے پر پتا چلا کہ رنگین کا رسالہ آرزو کی فصلوں کا لفظی ترجمہ ہے، جسمیں کہیں کہیں صرف لفظوں کی ترتیب میں فرق آگیا ہے۔ مگر یہ فرق اسقدر قابل توجہ ہے کہ رنگین سرقے کے الزام سے کسی طرح بری نہیں ہوتا۔

مئی ۱۹۳۹ع میں سید احدعلی یکتا لکھنوی کی «دستور الفصاحت» نام کی ایک کتاب، کتاب خانۂ عالیۂ رامپور کے لیے خریدی گئی، تو اوس کے مطالعے سے معلوم ہوا کہ انشا کی « دریای لطافت » سے پہلے اوس کی تالیف کا کام شروع کردیا گیا تھا، اور غالبا اس سے قبل ھی انجام بھی پا گیا تھا۔ مگر انشا کی خوش بختی که اوس کی کتاب تمام ھوکر ملك بھر میں پھیل گئی، اور یکتا کی بدقسمتی که اولاً تو برسوں کے بعد مسوده صاف کرنے کی مہلت ملی، ثانیا مسوده صاف ھوکر بھی ۱۹۳۹ع تك گوشۂ گمنامی سے باھر نه آسکا۔

دستور الفصاحت انشا کی کتاب کی طرح دلچسپ تو نہیں کہی جاسکتی، مگر جہانتك فنی افادی حیثیت کا تعلق ھے، اوس سے کسی طرح کم بھی نہیں ھے۔ اس کے شروع میں مصنف نے اردو زبان کی پیدایش، ترقی، اور حقیقۂ اثر سے بحث کی ھے۔ اس کے بعد چند ابواب اور ذیلی فصلیں قائم کرکے، صرف، نحو، معانی، بیان، بدیع، عروض اور قافیے کے قواعد و ضوابط بیان کیے ھیں۔ خاتمے میں ۳۵ ایسے شاعروں کا ذکر کیا ھے، جن کے شعر کتاب کے اندر سند میں پیش کیے گئے ھیں

چونکه کتاب کا مقدمه اردو زبان کی تاریخ پر مفید روشنی ڈالتا تھا، نیز خاتمے کے مباحث شعرا کے بارے میں متعدد دلچسپ اور اھم بیانوں اور نکتوں پر مشتمل تھے، اس بنا پر حسب ایمائے بندگان ھمایون اعلی حضرت فرماں روائے رامپور، دام اقبالھم و ملکھم، یه دونوں حصے تصحیح و تحشیه کیساتھ یکجا شائع کیے جارھے ھیں۔

اصل نسخے میں کتابت کی بہت سی غلطیاں پائی جاتی ھیں، نیز

املا بھی قدیم انداز کا ہے۔ حقیر مصحح نے ان دونوں کی اصلاح
کر کے بعض جگہ اس طرف اشارہ بھی کر دیا ہے، اور متن میں جابجا
جو الفاظ رہ گئے تھے، انھیں اپنی طرف سے پورا کیا ہے۔ جہاں
کہیں کوئی لفظ بڑھانا پڑا ہے، وہاں اضافے کو بریکٹ میں لکھا ہے۔
کتاب کا دوسرا نسخہ دستیاب ہونے کی بنا پر فارسی متن کی
تصحیح خاطر خواہ نہیں ہوسکی ہے۔ البتہ اشعار کی صحت میں
دواوین یا دوسرے تذکروں سے کہیں کہیں مدد لی ہے۔

حواشی میں کوشش کی گئی ہے کہ ہر شاعر کے متعلق یہ
بتا دیا جائے کہ اور کون سی کتابوں میں اس کا تذکرہ ملتا ہے۔
اگرچہ اس بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ حالات شعرا سے
متعلق جملہ حوالے دیدیے گئے ہیں، تاہم یہ ضرور ہے کہ اہم برائے
تذکرے اور تاریخ کی کتابیں نظر انداز نہیں ہونے پائی ہیں۔ ان
کتابوں میں سے جو طبع ہوچکی تھیں، اون کے نسخوں کا حوالہ
دیدیا گیا ہے، اور جوچھپی نہیں اور نہ ہرجگہ دستیاب ہوتی ہیں، اون کی
پوری پوری عبارتیں نقل کردی گئی ہیں، تاکہ آیندہ تحقیق کا
کرنے والوں کو زحمت اٹھانا نہ پڑے۔ یہ امر بھی قابل اظہار ہے
کہ جن مطبوعہ تذکروں کے قلمی نسخے ہمارے ہاں موجود تھے
اون کا حوالہ دیتے وقت قلمی نسخوں کو سامنے رکھا ہے۔ اس
سے مقصود یہ ہے کہ فہرست کے شائع ہونے سے پہلے ہی ملک
کے ادیبوں کو ہمارے ان نسخوں کا علم ہوجائے۔ چونکہ تذکرے
بالعموم حروف تہجی پر مرتب ہوئے ہیں، امید ہے کہ مطبوعہ
نسخوں میں ان شاعروں کی تلاش موجب زحمت نہ ہوگی۔

اصل کتاب سے پہلے مصنف کا حال، نسخۂ رامپور

اصل کتاب سے پہلے مصنف کا حال، نسخۂ رامپور کی کیفیت اور زمانۂ تالیف وغیرہ چند مباحث درج کیے گئے ہیں، تاکہ اس کتاب کا ماله و ماعلیه واضح ہوجائے۔ مآخذ کے عنوان سے اون تمام کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے، جن کے حوالے حواشی میں جابجا دیے گئے ہیں۔ عام طور پر تذکروں کے بیانات تاریخی غلط فہمی پیدا کردیتے ہیں۔ ان غلط فہمیوں کا منشا یہ ہوتا ہے کہ بہت سے تذکروں میں سال تالیف یا تو سرے سے مذکور ہی نہیں ہوتا، اور مذکور ہوتا ہے، تو آغاز یا اختتام تالیف کو ظاہر کرتا ہے۔ اب اگر تذکرے کے اندر کسی شاعر کے بارے میں یہ لکھا ہوا ملتا ہے کہ اوس کے انتقال کو دوسال ہوے، تو ہم یہ قیاس کرتے ہیں کہ جس سنہ میں اس کا آغاز یا اختتام ہوا ہے، اوس سے دوسال پہلے موت واقع ہوئی ہوگی، حالانکہ بسا اوقات یہ دوسال آغاز و اختتام سے قبل کے نہیں ہوتے، بلکہ درمیان کے ہوتے ہیں اور مصنف تذکرہ کی مراد وقت کتابت سے دوسال پہلے ہوتی ہے۔ میں نے کوشش کی ہے کہ حتی الامکان اس مسئلے سے سیر حاصل بحث کروں۔ چونکہ خود مجھے بھی غلط فہمی ہونے کا امکان ہے، اس لیے چاہتا ہوں کہ ملک کے ارباب تحقیق اس حصے پر گہری نظر ڈال کر اپنی راے کا اظہار فرمائیں، اور آیندہ کام کرنے والوں کو مزید زحمت اٹھانا نہ پڑے۔

چونکہ حاشیوں میں ہر کتاب کا پورا نام دھرانا تضییع اوقات کا موجب تھا، اس لیے ناموں کی جگہ اون کے مخففات استعمال کیے گئے ہیں، جنھیں مآخذ کی بحث میں ہرکتاب کے نام کے بعد بریکٹ میں ظاہر بھی کردیا ہے۔ مخففات کے ذکر میں تاریخ

تصنیف کے لحاظ سے تقدیم و تاخیر برتی گئی ہے۔ جو باتیں ترتیب وطباعت کے بعد معلوم ہوئیں، اون غلطیوں کے ساتھ، جو مجھ سے یا کمپوزیٹر سے سرزد ہوئی تھیں، «استدراك و تصحیح» کے ماتحت آخر میں شامل کردی گئی ہیں۔

اس کتاب کی تصحیح و تحشیہ میں جناب ڈاکٹر عبدالستار صاحب صدیقی (صدر شعبۂ عربی و فارسی، الہ‌آباد یونیورسٹی) اور جناب قاضی عبدالودود صاحب بارایٹلا (بانکی‌پور، پٹنہ) نے بڑے قیمتی مشورے عطا فرمائے ہیں۔ میں ان بزرگوں کا بیحد شکر گزار ہوں۔ جزاهما الله خیر الجزاء۔

امتیاز علی عرشی
ناظم کتابخانہ

کتاب خانہ، قلعۂ معلی، رامپور
۱۰ اگست سنہ ۱۹۴۲ع

سوانح مصنف

مصنف کا نام سید احد علی، تخلص یکتا اور باپ کا نام سید احمد علی خان ھے (۱)۔ اوس کی پیدایش گاہ کا ھمیں کچھ علم نہیں، مگر یہ یقینی امر ھے کہ پرورش لکھنؤ ھی میں پائی، اور یہیں اوس کی انتہائی تعلیم ھوئی۔ اوس کے استادوں میں سے صرف حکیم آقا محمد باقر ابن حکیم معالج خان کشمیری کا نام معلوم ھے، جن سے اوس نے میر شیر علی افسوس کی ھمدرسی میں برسوں طب پڑھی تھی۔ (۲)۔

غالبا اوس کا پیسہ طبابت تھا (۳)، اور لکھنؤ کے فاضل رئیس، مرزا فخرالدین احمد خان بہادر، عرف مرزا جعفر، اور اون کے بڑے بیٹے، مرزا قمرالدین احمد خان بہادر، عرف مرزا حاجی، قمر تخلص، کے دامن دولت سے وابستگی تھی۔ مرزا حاجی کے تذکرے میں اس تعلق کی طرف باین الفاظ اشارہ کیا ھے (۴):

«عاصی از مدت عل پرورده و دست گرفتهٔ این خاندان ست۔»

مرزا حاجی، قتیل کے شاگرد اور ناسخ کے مربی تھے۔ دیگر شعرا اور ادیبوں نے بھی اون کے خوان کرم سے زلہ ربائی کی تھی۔ غازی الدین حیدر کے عہد میں، آغامیر کے ھاتھوں یہ خاندان مصائب کا شکار ھوا، تو یکتا بھی سالہاسال تک دنیوی پریشانی سے نہ

---

(۱) دستور ۲۔ آغاز کتاب میں حاشیے پر مردان علی خان رعنا نے اوسے لکھوی لکھا ھے۔

(۲) دستور ۱۱۔

(۳) کتاب کے آخری ورق پر حکیم سید احد علی خاں صاحب کے حوالے سے چٹھی کا ایک نسخہ تحریر ھے۔ طبابت پیشگی کا قیاس اسی تحریر سے قائم کیا گیا ھے۔

(۴) دستور ۲۲۰ الف۔

چھوٹا۔ اس زمانے میں اوس کے قوای فکری اس درجہ ناکارہ ہو گئے تھے، کہ دستور الفصاحت پر نظر ثانی تک نہ کرسکا (۱)۔

نصیر الدین حیدر، والیء اودہ، کے دربار سے توسل پیدا کرنے کی خاطر اوس نے ایک مدحیہ قصیدہ بھی لکھکر پیش کیا تھا (۲)

دیباچے کے مقفی فقرے، امام صاحب الزمان کی تعریف کے اشعار، نیز خاتمۂ کتاب میں ہر طبقے کے اندر بارہ بارہ شاعروں کا تذکرہ، یہ قرائن بتاتے ہیں کہ یکتا کا مذہب اثنا عشری تھا۔

یکتا اردو، فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتا تھا، لیکن اوس کا خود اعتراف ہے کہ اس فن میں اوسے کامل دستگاہ حاصل نہ تھی۔ اسی خیال سے اوس نے خاتمے میں شاعروں کیساتھہ اپنا حال اور اپنے کلام کا انتخاب تک پیش نہیں کیا ہے (۳) البتہ کتاب کے اندر اپنے بہت سے شعر مثالوں میں درج کیے ہیں۔ ان کے دیکھنے سے وہ اوسط درجے کا سخن‌گو ثابت ہوتا ہے۔

غالبا اوس کی شخصیت اپنے زمانے میں ممتاز نہ تھی، اس لیے تاریخ اور تذکرے کے صفحے اوس کے ذکر سے خالی ہیں۔

ہم یہاں اوس کے فارسی شعر لکھتے ہیں۔ ان میں سے پہلا نصیر الدین حیدر کی مدح میں ہے:-

ای نصیر الدین جہاں بخشی! کہ از اقبال هست
تیغ عالمگیر تو، زور ظفر، مالک رقاب

---

(۱) دستور ۲۲۱ ب
(۲) ایضا ۱۲۴ الف۔
(۳) ایضا ۲۲۱ ب۔

دوسرا شعر کسی غزل کا ہے (۱):-

چنیں مشو کہ در افواہ خاص و عام افتی

زخلق شرم کن اکنون، اگر مروت نیست

تیسرا شعر دیباچے کے آخر میں لکھا ہے، جو اسی موقع کے لیے فی البدیہہ کہا گیا ہوگا:

بدیل عفو بپوشند عیبہای مرا

گران کنند بخوبیء خود بہای مرا

اردو شعروں میں سے چند چنے ہوئے اشعار یہ ہیں:-

ہر ایک دم یہ جو ہوتا ہے تو خفا، پیارے!

بتا تو کھل کے، کہ ہے میری کیا خطا پیارے!

جو چاہتے ہو کہ دل میں کسی کے راہ کرو

تو مسکرا کے ادھر بھی کبھی نگاہ کرو

عکس لب ہے ساغر میں، یا یہ سرخیء مل ہے

زلف بکھری ہے رخ پر، یا گلوں پہ سنبل ہے

جب سے گیا پہلو سے وہ، دل کی جگہ

پہلو میں اک آگ کی چنگاری ہے

توڑا ہی تمھیں گر شیشۂ دل تھا میرا

شکل ساغر، مجھے یہ منہ نہ لگایا ہوتا

اب بھی تو وہ نگار ہی منظور ہے مدام

دل جس کے درد ہجر سے رنجور ہے مدام

جب سے چمکا ہے ترے عارض نورانی سے

(۱) ایضاً : ۲۵ ب - ان کے ماسوا ، ایک قطعۂ تاریخ تالیف خاتمے میں مذکور ہے -

حسن کو سگ ھوا یوسف کنعانی سے

نجانے، کیا یہ آفت ھے کہ حسن کو چاھتا ھوں میں
وھی دشمن مرا دنیا میں دونا صد سے ھوتا ھے؟

نام سے میرے اوسے ننگ ھے، مت پوچھو کوئی
حسن پر اپنے وہ ان روزوں ھے مغرور بہت

نبی کے باغ کا تارہ سحر، علی کا نہال
بہار حضرت زھرا، حسن کے دل کا ثمر
وصی حسین کا، زین العبا کے دل کا چین
علوم باقر و جعفر اوسی میں سب مضمر
رموز موسیء کاظم سے، جون علی، آگاہ
امام ثامن ضامن کا اختر انور
تفاوت اوس میں نقی کی، تقی کا حلم و وقار
جہاں میں شہرہ، حسن عسکری کا نور نظر
وھی ھے، کہتے ھیں جس کو خلیفہ الرحمن
امام بارھواں، یعنی سمی پیغمبر
سکہ ناساریء زمانہ سے
بوتۂ مفلسی میں، ھوں میں گداز
در بدر تسپہ صورت زر قلب
خوار کب تک پھروں، برای بیار؟
کیا ھو، گر لطف تیرا، اے ممدوح!
کرے، اکسیر سان، مجھے ممتاز؟

اوس نے تو پوچھا شب مجھے بیتاب جانکر
پر آنکھوں میں پھری نہ مری، خواب آن کر

چیر کر دل کو مرے، دور کیا پہلو سے
اوس سے جو ہوسکا، مجھ پر وہ بلا لائے گیا

رباعیات

جب بیٹھا اوٹھا یکدگر کا چھوٹا
جینے مرنے کا رشتہ سارا ٹوٹا
پھر بسا، اوجڑا، کس نے دیکھا ہے؟ کہ اب
گھر وصل کا ہجر نے ستم سے لوٹا

اپنے بیگانے سب ہیں حاضر تم پاس
ہوتا غیروں کا پر رکھے ہے وسواس
جب اپنے سبھی طرح ہوں باب صحبت
بیگانوں کو دو نکال، بیخوف وہراس

اے بیخبرو! نہ اتنا غافل سوؤ
اوٹھو، چونکو، ٹک اپنا منہ تو دھوؤ
دنیا میں گھسوگے اولٹے سیدھے، کب تک؟
ایسا نہ ہو، منہ پہ ہاتھ دھر کر روؤ

دیکھانہ، جہاں کا، تونے بس، لیل و نہار
رہنار، نہ مل کسی سے، غافل، زنہار!
ہیں اپنی ہی اپنی، یہ، غرض کے، سب لوگ
ہنسیار ہی رہنا، پیارے، ہردم ہنسیار

کیا جانیے، کیوں ہوا وہ مجھ سے بیزار؟
بیزار نہ ہوتا، تو نہ کرتا تکرار
تکرار سے اوس کی، دل جلے ہے اپنا

ایسا نہیں شیوہ، ورنہ، رنجش دنہار
میں دل سے ہوں باعث اوس کا، بے کاوش و کد
حق نے جسے بخشی ہے شفاعت کی سند
معلوم ہو صاف اوس کا اسم امجد
دیکھیں سر مصرع، گر بہ ترتیب و عدد

نسخے کی کیفیت

یہ نسخہ $9\frac{1}{4} \times 6\frac{1}{2}$، ۶ $\times 3\frac{1}{2}$ ناپ کے ۲۱۹ ورقوں پر مستمل ہے۔ شروع میں دو، اور آخر میں ایک بہ تین ورق فاصل لگے ہوے ہیں، جن کی رو سے کل تعداد اوراق ۲۲۲ ہوتی ہے۔ ورق ۳ ب سے کتاب کا آغاز ہوتا ہے۔ ہر صفحے میں ۱۵ سطریں ہیں۔ خط معمولی ستعلیق اور کہیں کہیں سعیعا آمیز ہے۔ طرز تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ دو کاتبوں نے ملکر لکھا ہے۔ متن سیاہ اور عنوانات سنگرفی ہیں۔ تقریبا ہر صفحے پر کرمخوردگی کے نشان ہیں۔ کتابخانے میں اس کی نئی جلد تیار کرتے وقت، چند ابتدائی اجزا کا حوصلہ اور کل کا پستہ بنا ڈالدیا گیا ہے۔

پہلے صفحے پر نواب مردان علی خان رعنا مرادآبادی (تلمیذ مرزا غالب) کی سیاہ مربع مہر ہے، جس کے چاروں گوشے کسیقدر ترشے ہونے کے باعث مثمن سکل پیدا ہوگئی ہے مہر کے اندر: «اللہ حافظ مہر کتبخانۂ محمد مردان علی خان رعنا ۱۲۸۲ھ» منقوش ہے۔

ورق ۱ ب اور ۲ الف پر کتاب کا تھوڑا سا دیباچہ نقل کیا گیا ہے۔ اس کے بعد ترچھی سطروں میں حسب ذیل اشعار بعنوان رباعی تحریر ہیں:-

گربه گرسنه بود، بصحرائی میدوید
زاغ نشسته بر هنگ، آن گربه را بدید
چون زاغ را گرفت، بطر موش بر فتاد
خواهد که موش گیرد، زاغ از دهان پرید
حالی که بود برلب، زان شهد بی چکید
هنگام بوسه دادن، آن حال را گزید
در آئینه بدید، آن حال را بدید
حیران جهان بماند که زاغ اردهان پرید

اشعار کے نیچے لکھا ہے: «کاتب الحروف بنده شیخ دلاور علی بہاری بمقام موتیہاری»۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ صوبۂ بہار کا بھی سفر کرچکا ہے ورق ۲ ب سادہ ہے۔۳ الف کے بالائی بائیں گوشے میں «موافق سنه ۱۲۴۹ ہجری از تالیف سید احمد علی یکتا لکھنوی» مندرج ہے۔ غالبا یه رعنا کے قلم کی تحریر ہے۔ اسی قلم سے ورق ۲۲۱ ب میں قطعۂ تاریخ کے مادے کے اوپر اعداد ۱۲۴۹ لکھے گئے ہیں

حاشیوں پر متعدد توضیحی نوٹ بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ سب عربی لغات کی تشریح کرتے ہیں اور منتخب وغیرہ عربی لغت کی کتابوں کے اقتباس ہیں۔ کہیں کہیں متن کے اندر یا حاشیوں پر کتابتی غلطیوں کی بھی اصلاح کی گئی ہے۔ تاہم متن میں بہت سی املائی غلطیاں باقی ہیں۔

آخر میں کاتب نے اپنا نام اسطرح لکھا ہے: «الکاتب الخاتمه هدایت علی الموهانی»۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کاتب موہان (صوبۂ متحده) کا باشنده اور غیر عربی داں تھا۔ مگر یه

صرف خاتمۂ کتاب کا کاتب معلوم ہوتا ہے۔ ابتدائی ابواب کے کاتب کا نام مذکور نہیں ہے۔ غالبا وہ شیخ دلاور علی بہاری ہوگا۔

ورق ۱۴۵ ب پر استفہام تقریری کی بحث میں، میرسوز کا یہ شعر متن کے اندر مذکور تھا:

تو جو کہتا ہے: «گلہ میرا کیا جس تس کنے»
کب کیا؟ کس جا کیا؟ کس وقت؟ کس دم؟ کس کنے؟

اس شعر کے محاذ میں حاشیے پر لکھا ہے: «معلوم باد کہ شعر میر سوز مشتمل بر استفہام انکاری بود۔ از سہو جود در تقریری نوشتہ شدہ ۱۲»۔ اس عبارت کے بعد، خط نسخ میں تحریر ہے: «النقل کالاصل»۔ بعد ازاں کچھ اور بھی بخط نستعلیق مندرج تھا، مگر وہ حاشیے کے ساتھ کٹ گیا ہے۔ ہمارے نسخے میں سوز کا شعر اور حاشیے کی دونوں عبارتیں خط زدہ ہیں

ورق ۱۷۲ الف پر «صنعت رد العجز من العروض مع التکرار و التجنیس» کی مثال میں مصنف نے اپنی یہ رباعی لکھی تھی:

میں فرض کیا کہ اب پھر آوے لیلی
وہ شخص کہاں، کہ جس کو بھاوے لیلی؟
ٹک بھی اوسے بید میں جو پاوے لیلی
تا حشر نہ قیس کو اوٹھاوے لیلی

اس رباعی پر خط کھینچ کر، حاشیے پر حسب ذیل رباعی تحریر کی گئی ہے:

بے مثل تھی، گو، بشکر قیسی لیلی
تو جیسا ہے، یار، کب تھی ایسی لیلی؟
بید اوڑ گئی جس سے میرے لیلی وش کی

اے سالہا بتا، یہ تونے کیسی لے لی؟

اس تغیر و تبدل کے پیش نظر، میرا خیال ہے کہ ہمارا نسخہ مصنف کے اوس نسخے کی نقل ہے، جو رمضان علی لکھنوی نے تیار کیا تھا۔ غالبا اس میں بعض مقامات مشتبہ رہ گئے تھے، جن کے مقابل حاشیے پر مصنف نے اپنا شک ظاہر کیا تھا۔ ہمارے نسخے کے کاتب نے حاشیے کی عبارتوں کو بھی نقل کرلیا۔ جب یہ نسخہ مصنف نے دیکھا، تو حاشیوں کو قلمزد کرکے متن میں اون مقامات کی تصحیح کردی۔ نیز اس نظر میں وہ غلطیاں بھی درست کردیں، جو پہلے نسخے کے مطالعے کے وقت خیال میں نہ آئی تھیں۔

مذکورہ خیال کی تقویت اس امر سے ہوتی ہے کہ ہمارے نسخے کے آخر میں ایک ورق منضم ہے، جس پر چٹنی کا ایک نسخہ «جناب حکیم سید احمد علی خان صاحب قبلہ» کا تحریر کیا ہوا درج ہے۔ میرے نزدیک ان حکیم صاحب سے، ہمارا یکتا مراد ہے، جو حکیم آقا محمد باقر لکھنوی سے اپنے علم طب کے حصول کا خود ذکر کرتا ہے۔ اگر میرا قیاس درست ہے، جس کے خلاف یقینا کوئی دلیل نہیں، تو دستورالفصاحت کا یہ نسخہ قابل قدر ہے۔

ترتیب مضامین

حمد و نعت کے بعد، مصنف نے غرض تالیف بیان کی ہے۔ بعد ازاں اصل مباحث کو ایک مقدمے، پانچ ابواب اور ایک خاتمے میں منقسم کیا ہے

مقدمہ (ورق ۴ ب - ۱۲ الف)

اس میں زبان اردو کا مصداق، اوس کی پیدایش کے

اسباب، خالص اور مستند زبان کے مرکز اور حروف تہجی سے بحث کی ہے۔ اس کتاب کی تصنیف تک لکھنوی ٹکسال کے سکوں کو رواج عام کی سند حاصل نہیں ہوئی تھی؛ اسلیے مصنف نے شاہجہاں آباد کے محاوروں اور وہاں کے فصحا کی بولچال کو مستند مانا ہے۔

باب اول (ورق ۱۲ الف – ۴۴ ب)

اس میں فارسی زبان کے اون قواعد صرف و نحو سے بحث ہے، جن کا علم زبان اردو کے طالب علم کے لیے ضروری ہے۔ یہ باب ۴ فصلوں پر مشتمل ہے:

فصل اول (ورق ۱۲ الف – ۳۳ الف) حروف مفردہ کے بیان میں ہے۔

فصل دوم (ورق ۳۳ الف – ۳۵ ب) مخصوص دوحرفی اور سہ حرفی کلمات کے بیان میں ہے

فصل سوم (ورق ۳۵ ب – ۳۷ الف) میں اون کلمات کا ذکر ہے، جو جداگانہ محاوں میں تنہا استعمال کیے جاتے ہیں۔

فصل چہارم (ورق ۳۷ الف – ۴۴ ب) میں متفرق فوائد کا تذکرہ ہے۔

باب دوم (ورق ۴۴ ب – ۸۲ ب)

اس میں اردو زبان کے قواعد صرف سے بحث ہے۔ یہ باب ایک تمہید اور ٦ فصلوں میں منقسم ہے:

تمہید (ورق ۴۴ ب – ۴۵ ب) میں لفظ کی تقسیم اور فصلوں کی تعریف بیان کی ہے۔

فصل اول (ورق ۴۵ ب – ۴۷ الف) میں صیغوں کا بیان ہے۔

فصل دوم (ورق ۴۷ الف - ۴۹ ب) میں معروف و مجہول اور گردانوں کا بیان ھے۔

فصل سوم (ورق ۴۹ ب - ۵۱ الف) میں بعض اون الفاظ سے بحث کی ھے، جن کے ماضی و حال کے صیغوں میں لفظی اختلاف پایا جاتا ھے۔

فصل چہارم (ورق ۵۱ الف - ۵۲ ب) میں لازم اور متعدی کا بیان ھے۔

فصل پنجم (ورق ۵۲ ب - ۵۳ ب) میں ضمائر کا ذکر ھے۔

فصل ششم (ورق ۵۳ ب) میں یہ بتایا ھے کہ اردو زبان میں، ھندی الفاظ کے ساتھ عربی و فارسی لفظ بھی ملے جلے استعمال کیے جاتے ھیں۔

اس باب کی فصلوں کے ساتھ، اول و دوم وغیرہ الفاظ استعمال نہیں کیے ھیں۔ اس کے پیش نظر، تیسری اور چھٹی فصل کے متعلق، میں سمجھتا ھوں کہ یہ فائدے ھیں، جن کے آغاز میں از راہ سہو کاتب نے لفظ فصل لکھدیا ھے۔

باب سوم (ورق ۵۳ ب - ۹۲ الف)

اس باب میں اردو زبان کے قواعد نحو سے بحث ھے۔

یہ باب ایک تمہید اور ۱۶ فصلوں میں منقسم ھے:

تمہید (ورق ۵۳ ب - ۵۷ ب) میں علم نحو کی تعریف، ترتیب فاعل و مفعول اور علامات فاعل و مفعول سے بحث ھے۔

فصل ۱ (ورق ۵۷ ب - ۵۸ الف) حال و ذوالحال کے بیان میں،

فصل ۲ (ورق ۵۸ الف) شرط و جزا کے بیان میں،

فصل ۳ (ورق ۵۸ الف - ۵۹ ب) مرکب غیرتام اور اوس کے

اقسام کے بیان میں،

فصل ۴ (ورق ۵۹ ب - ۶۱ الف) مرکب اضافی کے بیان میں،
فصل ۵ (ورق ۶۱ الف - ۶۵ الف) مرکب اعدادی کے بیان میں،
فصل ۶ (ورق ۶۵) حروف ندا کے بیان میں،
فصل ۷ (ورق ۶۵ ب) تمیز کے بیان میں،
فصل ۸ (ورق ۶۵ ب - ۶۷ ب) عطف کے بیان میں،
فصل ۹ (ورق ۶۷ ب) تاکید و موکد کے بیان میں،
فصل ۱۰ (ورق ۶۷ ب - ۶۸ الف) صله و موصول کے بیان میں،
فصل ۱۱ (ورق ۶۸ الف - ۶۹ ب) اسم فاعل، صفت مشبهه، مستثنی اور قسم کے بیان میں،
فصل ۱۲ (ورق ۶۹ ب) الفاظ کنایه کے بیان میں،
فصل ۱۳ (ورق ۶۹ ب - ۷۰ ب) معروه کے بیان میں،
فصل ۱۴ (ورق ۷۰ ب - ۷۱ ب) اسم و فعل و حرف کے بیان میں،
فصل ۱۵ (ورق ۷۱ ب - ۷۲ ب) ضمائر کے بیان میں، اور
فصل ۱۶ (ورق ۷۲ ب - ۹۲ الف) حرف کے بیان میں ہے۔

ان فصلوں کے ساتھ بھی تماری الفاظ مذکور نہیں ہیں، اس لیے چھوٹی چھوٹی فصلوں کے متعلق احتمال ہے کہ یہ دراصل فائدے ہوں، اور کاتب نے غلطی سے ان کے عنوانوں میں فصل لکھدیا ہو۔

باب چہارم (ورق ۹۲ الف - ۱۲۹ الف)

اس باب میں عروض و قافیه سے بحث کی گئی ہے۔ یه دو فصلوں میں منقسم ہے:

فصل اول (ورق ۹۲ الف – ۱۲۱ الف) میں عروض سے تفصیلی بحث ھے۔ جو بحریں اردو اور فارسی دونوں زبانوں کے شاعروں نے ترک کردی ھیں، اونھیں چھوڑ دیا ھے۔ بعض فارسی میں مستعمل بحریں، ھندی ذوق پر پوری نہیں اوترتیں، اس لیے اساتذۂ اردو نے اون میں شعر نہیں کہے ھیں۔ ایسے مواقع پر مثال کے لیے خود مصنف نے اشعار کہکر پیش کیے ھیں۔ بعض بحروں کے ذکر میں یہ بھی بتایا ھے کہ میر تقی میر نے اس میں بہت عمدہ غزلیں لکھی ھیں۔

فصل دوم (ورق ۱۲۱ الف – ۱۲۹ الف) میں علم قافیہ سے بحث ھے۔

باب پنجم (ورق ۱۲۹ الف – ۱۸۷ الف)۔

اس باب میں معانی، بیان اور بدیع سے بحث ھے۔ یہ چار فصلوں پر مشتمل ھے:

فصل ۱ (ورق ۱۲۹ – ۱۳۰ ب) میں فصاحت و بلاغت کی تعریف ھے۔

فصل ۲ (ورق ۱۳۰ ب – ۱۵۱ الف) میں علم معانی سے بحث ھے۔ اسے مصنف نے چند فوائد میں تقسیم کردیا ھے۔

فصل ۳ (ورق ۱۵۱ الف – ۱۵۹ الف) میں علم بیان سے بحث ھے۔

فصل ۴ (ورق ۱۵۹ الف – ۱۸۷ الف)، جس میں علم بدیع کا ذکر ھے، دو قسموں پر مشتمل ھے۔ قسم اول (ورق ۱۵۹ الف – ۱۶۹ ب) میں معنوی صنعتیں اور قسم دوم (ورق ۱۵۹ ب – ۱۸۷ الف) میں لفظی صنعتیں بیان کی گئی ھیں۔

خاتمه (ورق ۱۸۷ الف - ۲۱۹ ب)۔

اس میں اون شاعروں کے حالات اور منتخب اشعار پیش کیے گئے ہیں، جن کا کلام کتاب میں بطور مثال جابجا مذکور ہے۔ یہ شاعر، جن کی مجموعی تعداد ہمارے نسخے کے مطابق ۳۵ ہے، تین طبقوں میں منقسم ہیں۔ ان میں سے پہلے طبقے میں گیارہ اور باقی دونوں میں بارہ بارہ شاعروں کا ذکر ہے۔ چونکہ مصنف اثنا عشری مذهب تھا، اس لیے غالبا دوازده امام کے شمار کے مطابق ہر طبقے میں بارہ شاعروں کا ذکر ہوگا۔ ہمارے نسخے میں طبقۂ اولی کا ایک نام سہوا چھوٹ گیا ہے۔

ان ۳۵ شاعروں کی تین طبقوں میں تقسیم، بالفاظ مصنف «باعتبار معلومات فن و قوت طبع و چستیٔ تالیف و سیرینیٔ کلام و شہرت خلق» کی گئی ہے۔

جیسا کہ تفصیل بالا سے ظاہر ہے، کتاب کی ترتیب عربی اور فارسی قواعد کی کتابوں سے ماخوذ ہے۔ لیکن خاتمۂ کتاب میں شعرا کا تذکرہ، عبدالباسط کی «مدار الصوابط» کی نقل ہے، جو دستور الفصاحت کا ایک ماخذ ہے۔ اس کتاب کے خاتمے میں بھی اون فارسی شاعروں کا مختصر حال لکھا گیا ہے، جن کے شعر مثال میں پیش کیے گئے ہیں۔

مصنف نے خاتمے میں جن شاعروں کا ذکر کیا ہے، اون کے علاوہ بعض اور شاعروں کے کلام سے بھی استناد کیا ہے۔ چنانچہ ورق ۸۷ ب پر مرزا محسن کا شعر ذیل لکھا ہے:

وہ تیر غمزہ ستم، سب کے سب، نہ ایک نہ دو
چلں ہیں جتنے، سب اوس کے کڈھب، نہ ایک نہ دو

ورق ۷۶ الف پر مرزا احسان طپش کے یہ اشعار ذکر کیے ہیں۔

جب طپش کو نہ ملی بوسے کی اوس لب سے خبر
تب فقیروں کی طرح، شعر یہ پڑھتا وہ چلا
بے نوا ہیں، کسی پر زور نہیں، یا محبوب!
دیوے اوس کا بھی بھلا، جو نہ دے اوس کا بھی بھلا

۸۴ ب پر آشفتہ کا یہ شعر لکھا ہے:

مرنے میں ملے وہ، دل، تو مر چک
ارمان رہے نہ یہ بھی، کر چک

ورق ۹۰ الف پر میر نواب کا حسب ذیل شعر ملتا ہے:

ایسا کس کام کا آنا؟ ارے چل، دور، چچے
جب کہ کہنا ہی نہ مانا، ارے چل، دور، چچے

ورق ۱۱۷ الف اور ۱۶۴ ب پر محشر کے یہ دو شعر علی الترتیب نقل کیے ہیں:

یار نے، محشر، تجھے زہر کا بھیجا ہے جام
جی نہ چھپا، میری جان، اب یہ پیا چاہیے

دور میں اوس چشم کے، گردوں کی آسایش نہیں
کس گھڑی، کس دم، نئے فتنے کی فرمایش نہیں؟

ورق ۱۵۹ ب پر حجام کا یہ شعر لکھا ہے:

رقیبوں پر، میاں، پڑتا ہے تب سو سو گھڑے پانی
بلا حجام کو، جس روز تم حمام کرتے ہو

ورق ۱۶۲ الف پر برق کا یہ شعر مندرج ہے:

رقیب، ضد سے، عبث کیا بیداغ جلتا ہے؟
کہیں بھی کالے کے آگے چراغ جلتا ہے؟

ورق ۱۶۴ ب پر اشرف کا یہ شعر لکھا ہے:

لوٹے چمن میں گل کی، حیران یوں، بہار، حیف!
اور عندلیب، تو رہے جیتی، ہزار حیف!

ورق ۱۳۳ الف پر مرزا محسن صاحب کا یہ شعر درج کیا ہے:

کون کہتا ہے کہ مجھ پاس تم آوو، بیٹھو؟
جی لگے آپ کا جن میں، وہیں جاوو بیٹھو

ورق ۱۵۸ ب پر سرقے کی بحث میں مجنون کا یہ شعر پیش کرکے:

بیٹھا تھا، مجھکو دیکھ، بہانے سے اوٹھ گیا
حسن سلوک، آہ! زمانے سے اوٹھ گیا

لکھا ہے کہ شگفتہ کا یہ شعر سرقہ ہے:

آنکھیں چرا کے، سب وہ بہانے سے اوٹھ گیا
حرف مروت، آہ! زمانے سے اوٹھ گیا

اس کے بعد مجنون کا یہ شعر لکھ کر:

پیتا نہیں قدح سے کو میں کبھو بغیر
رہتا مدام میرے جام میں لہو بغیر

کہتا ہے کہ میر سید علی افسوس کا یہ شعر بھی سرقے میں داخل ہے:

ہنس کر کسی سے میں نے یہ کی بات تجھ بغیر
روتے ہی، آہ! کٹ گئی یہ رات تجھ بغیر

اسی بحث میں (ورق ۱۸۶ الف) حقیقت کا یہ شعر لکھا ہے:

کس کے ہیں انتظار میں آنکھیں؟
جو کھلی ہیں مزار میں آنکھیں

اور تجلی کے اس سعر کو سرقہ قرار دیا ھے:

یہ سوق دیکھو، پس مرگ بھی تجلی نے
کفن میں کھول دیں آنکھیں، سما جو یار آیا

سیخ عیسی تنہا کے اس شعر کو:

دل کو ہاتھ اوس کے جو بیچوں، تو یہ کہتے ھیں رقیب:
«لیجیو تم اسے، بارار درا دکھلا کر»

مصحفی کے اس شعر سے ماحود بتایا ھے:

دل بھی کیا جنس زبوں ھے؟ کہ خریدار اس کے
لیتے ھیں، پر اسے سوچا یہ دکھا لیتے ھیں

چونکہ مصنف نے خاتمے میں صراحت کردی ھے کہ کتاب میں «احوال بعضی از سعرا» پر اقتصار کیا گیا ھے، اسلیے ھم ان ساعروں کا ذکر نہ کرنے کے سلسلے میں اوس پر حرف گیری نہیں کرسکتے۔ ھاں، یہ سکایت ضرور ھے کہ صرف اس بنا پر کہ وہ اس فن میں پایۂ نام و سہرت نہ تھا، اپنا حال نہیں لکھا۔

زمانۂ تالیف

خاتمۂ کتاب کے آخر میں، مصنف نے حسب ذیل قطعۂ تاریخ لکھا ھے:

صد شکر کہ اتمام پذیرفت رسالہ
واضح شد ازان، جملہ قوانین بلاغت

تاریخ تمامیش طلب کرد چو یکتا
فی الفور خرد گفت کہ « دستور فصاحت »

اس قطعے میں مادۂ تاریخ « دستور فصاحت » ہے، جس سے سنہ ۱۲۴۹ھ (۱۸۳۴ع) برآمد ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سنہ مسودہ صاف کرنے کے وقت کا تعین کرتا ہے، سال تالیف کو ظاہر نہیں کرتا، اس لیے کہ خود مصنف نے اس قطعے سے پہلے لکھا ہے:

« مخفی مباد کہ عرصۂ بعد و مدت مدید سپری گردیدہ کہ چہرہٴ تسطیر این مقالہ، و گردۂ تصویر این رسالہ، بر صفحۂ وجود نقش گرفتہ، بسبب تردد خاطر و تشتت بال، کہ بوجوہ شتی لاحق حال من عبرت مآل ماندہ، در محل تعطل افتادہ بود۔ و درین تعطیل کہ سالہا سال سر آمد، ہرگز طبعت متوجہ نشد کہ نظر ثانی پردازد، یا آن را بنحوی کہ مسطور بود، درست سازد، کہ دوستی از دوستان فقیر، مسمی بہ شیخ رمضان علی صاحب سلمہ ربہ، از باشندگان لکھنؤ، کمر ہمت بسعی تلاش پرداختند۔ سعی تمام در ساختہ دیجیحہ این سال آن را عدم ساختند »
(ص ۱۲۵)

اب اس بیان کو سامنے رکھ کر کتاب کا جائزہ لیا جائے تو اس مدعا کے اثبات میں حسب ذیل شہادتیں دستیاب ہوتی ہیں:

(۱) یکتا نے مرزا محمد حسن قتیل کو « سلمہ اللہ تعالی » کے ساتھ یاد کیا ہے (ورق ۱۲۸ ب)۔ قتیل نے سنیچر کے دن سحر کے وقت ۲۴ ربیع الاول سنہ ۱۲۳۳ھ (۱۸۱۸ع) کو مرض استسقا سے لکھنؤ میں انتقال کیا ہے (۱)۔ اس سے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ « دستور الفصاحت » ۱۲۳۳ھ سے پہلے لکھی گئی ہے

(۲) دیباچے میں مرزا حاجی کے والد مرزا فخر الدین احمد خان

---

(۱) نشتر عشق، ۵۵۰ ب۔

بہادر عرف مرزا جعفر کے نام کے بعد «مغفور، لازال دولته، و اقباله» لکھا ہے۔ خاتمے میں ایک موقع پر «دام اقباله، مغفور و مرحوم» اور دوسری جگہ صرف «دام اقباله» ہے۔ مرزا جعفر نے ۱۲۳۰ھ (۱۸۱۴ع) میں وفات پائی ہے۔ لہذا دعای دوام اقبال کو اس سنه سے پہلے ہونا چاہیے۔ چونکہ یہ دعا خاتمۂ کتاب میں بھی پائی جاتی ہے لہذا ضروری ہے کہ کتاب اس سنه سے قبل ہی ختم ہو چکی ہو، اور دعاے مغفرت کا اضافہ تبییض کتاب کے وقت کیا گیا ہو

(۳) شاہ نصیر کے حال میں تحریر کیا ہے:

«گویند که درسال گذشته برای تلاش پسر خودش، که گریخته بود، به لکھنؤ آمده، در مشاعره ہای مرزا معزالدین احمد خان بہادر، دام اقباله، حاضر می شد و شعر خوانی می کرد» (ص ۱۱۴)

مولوی عبدالقادر چیف رامپوری اپنے سفر لکھنؤ واقع سنه ۱۲۲۹ھ (۱۸۱۴ع) کی روداد میں فرماتے ہیں:

«این زمان آخر عہد نواب سعادت علی خان بود. روزی در محفل مشاعره که دران ایام بخانه مرزا جعفر می بود، رفتم. مرزا محمد حسن محسن قتیل و مصحفی و میر نصیر دہلوی دران زمرہ سرکرده شمار می آمدند و شیخ امام بخش ناسخ را دران ایام زور آوری درین کار بود» (ورق ۴ الف)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ نصیر سنه ۱۲۲۹ھ میں لکھنؤ میں تھے لہذا ان کا حال بھی سنه ۱۲۳۰ھ کے لگ بھگ درج کیا گیا ہوگا(۱)۔

---

(۱) آبحیات کی روایت کے مطابق نصیر نے لکھنؤ کے دو سفر کیے تھے۔ آخری سفر کے وقت لکھنؤ میں ناسخ کا دور دورہ تھا۔ چونکہ مولوی عبدالقادر بھی سنه ۱۲۲۹ھ میں نصیر کا لکھنؤ میں قیام اور ناسخ کی شہرت کا تذکرہ کرتے ہیں، اس لیے میری نظر میں ان کا یہ دوسرا سفر قرار پاتا ہے

(۴) میر تقی میر کے ذکر میں لکھا ہے کہ «سہ چہار سال شدہ کہ در لکھنؤ وفات یافت» میر صاحب نے سنہ ۱۲۲۵ھ میں انتقال کیا ہے، جس کی رو سے ان کا حال ۱۲۲۹ھ میں لکھا جانا چاہیے۔

(۵) مرزا جعفر کو اون کے صاحبزادے مرزا حاجی کے ذکر میں «دام اقبالہ» لکھا ہے اور اس موقع پر مرزا حاجی کے نام کے ساتھہ اون کا خطاب بھی مذکور ہے، اس لیے یقینا یہ حصہ سنہ ۱۲۲۹ھ اور سنۂ وفات مرزا جعفر کے درمیان لکھا گیا ہے۔

غرض کہ ان پانچ شہادتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کتاب ۱۲۲۹ھ اور ۱۲۳۰ھ کے درمیان تمام ہوچکی تھی۔

(۶) خاتمے میں خواجہ احسن اللہ بیان کے بارے میں لکھا ہے

> «می گویند کہ تاحال زندہ است باقی دکھن در سرکار نظام علی خان عز و اعتباری دارد»۔ (ص ۳۰)

بیان نے سنہ ۱۲۱۳ھ (۱۷۹۸ع) میں انتقال کیا ہے۔

قیام الدین محمد قایم رامپوری کے تذکرے میں (جو عام طور پر اپنے مولد کے لحاظ سے چاندپوری کہلاتے ہیں) لکھا ہے:

> «چند سال شدہ کہ بر بیوفائی دنیا بار عدہ، ترك این جہان فانی کرد، و در رامپور فیض اللہ خان والہ، کہ از مدت مسکن او ہمان بلدہ بود، مدفون گشت» (ص ۴۵)

قایم کے سال وفات میں اختلاف ہے بعضے ۱۲۰۸ اور دوسرے ۱۲۱۰ھ بتاتے ہیں۔ یکتا نے اون کا ذکر وفات کے «چند» سال بعد کیا ہے۔ لفظ چند عربی کے لفظ «بضع» کی طرح تین سے نو تك کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ لہذا قایم کا حال ۱۲۱۱ یا ۱۲۱۳ھ میں لکھا جانا چاہیے۔

ان دونوں شہادتوں سے یہ نتیجہ مستنبط ہوتا ہے کہ کتاب ۱۲۱۳ھ سے پہلے تالیف ہوچکی تھی۔

اگر یہ نتیجہ درست ہے، تو ہمیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اس کی تالیف کا کام انشا کی دریائے لطافت سے پہلے انجام پاچکا تھا، جس کا سال اختتام ۱۲۲۲ھ (۱۸۰۷ع) ہے۔ چونکہ مصنف نے دیباچے میں لکھا ہے کہ

«ہیچ کتابی از کتب این فن و رسائل این هنر، که مفید مطالب و معین مقصد درین باب می شد، در نظر نداشتم که موافق آن می نوشتم و از جدا مصؤن می ماندم»

اس لیے ہم پچھلے دلائل کی کمک پر کہہ سکتے ہیں کہ مصنف کی نظر میں دریای لطافت کا نہ ہونا اس بنا پر تھا کہ یہ ابھی معرض وجود ہی میں نہیں آئی تھی۔

بہر حال نتیجۂ بحث یہ ہے کہ دستورالفصاحت ۱۲۱۳ھ (۱۷۹۸ع) سے پہلے لکھی گئی تھی۔ اوس وقت یہ کسی کے نام معنون نہ تھی۔ ۱۲۲۹ھ یا ۱۲۳۰ھ (۱۸۱۵ع) میں مصنف نے اوس پر نظرثانی کرکے مرزا حاجی کے نام معنون کی۔ اس نظرثانی کے دوران میں اوس نے جو اضافے کیے، اون کا پتا خاتمے کے بعض مباحث میں صاف طور پر چل جاتا ہے۔ لیکن ابھی کتاب کا مسودہ صاف ہوکر شایع نہیں ہوا تھا کہ مرزا حاجی کی بساط ریاست الٹ جانے سے مصنف بھی پریشان حال ہوگیا اور مسودہ تعطل میں پڑا رہا۔ آخر سنہ ۱۲۴۹ھ میں شیخ رمضان علی لکھنوی نے اس کو صاف کرنے کا اقرار کیا۔ مصنف نے اس پر پھر نظر ڈالی، اور چند جگہ اضافے کیے، چنانچہ کتاب کے ورق ۱۸۲ الف پر مصنف نے اپنا یہ شعر لکھا ہے:

(۴) میر تقی میر کے ذکر میں لکھا ھے کہ «سہ چھار سال شدہ کہ در لکھنؤ وفات یافت» میر صاحب نے سنہ ۱۲۲۵ھ میں انتقال کیا ھے، جس کی رو سے ان کا حال ۱۲۲۹ھ میں لکھا جانا چاھیے۔

(۵) مرزا جعفر کو اون کے صاحبزادے مرزا حاجی کے ذکر میں «دام اقبالہ» لکھا ھے اور اس موقع پر مرزا حاجی کے نام کے ساتھہ اون کا خطاب بھی مذکور ھے، اس لیے یقیناً یہ حصہ سنہ ۱۲۲۹ھ اور سنۂ وفات مرزا جعفر کے درمیان لکھا گیا ھے۔

غرض کہ ان پانچ شہادتوں سے یہ معلوم ھوتا ھے کہ کتاب ۱۲۲۹ھ اور ۱۲۳۰ھ کے درمیان تمام ھوچکی تھی۔

(۶) خاتمے میں خواجہ احسن اللہ بیان کے بارے میں لکھا ھے:

> «می گویند کہ تاحال زندہ است بطرف دکھن در سرکار نظام علی خان عز و اعتباری دارد»۔ (ص ۸۳)

بیان نے سنہ ۱۲۱۳ھ (۱۷۹۸ع) میں انتقال کیا ھے۔

قیام الدین محمد قایم رامپوری کے تذکرے میں (جو عام طور پر اپنے مولد کے لحاظ سے چاندپوری کہلاتے ھیں) لکھا ھے:

> «چند سال شدہ کہ بر بیوفائیء دنیا بطار بودہ، ترک این جہان فانی کرد، و در رامپور فیض اللہ خان والہ، کہ از مدت مسکن او ہمان بلدہ بود، مدفون گشت» (ص ۴۵)

قایم کے سال وفات میں اختلاف ھے بعضے ۱۲۰۸ اور دوسرے ۱۲۱۰ھ بتاتے ھیں۔ یکتا نے اون کا ذکر وفات کے «چند» سال بعد کیا ھے۔ لفظ چند عربی کے لفظ «بضع» کی طرح، تین سے نو تک کے لیے استعمال کیا جاتا ھے۔ لہذا قایم کا حال ۱۲۱۱ یا ۱۲۱۳ھ میں لکھا جانا چاھیے۔

ان دونوں شہادتوں سے یہ نتیجہ مستنبط ہوتا ہے کہ کتاب ۱۲۱۳ھ سے پہلے تالیف ہوچکی تھی۔

اگر یہ نتیجہ درست ہے، تو ہمیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اس کی تالیف کا کام انشا کی دریائے لطافت سے پہلے انجام پاچکا تھا، جس کا سال اختتام ۱۲۲۲ھ (۱۸۰۷ع) ہے۔ چونکہ مصنف نے دیباچے میں لکھا ہے کہ

> « ہیچ کتابی از کتب این فن و رسائل این ہنر، کہ مفید مطلب و معین مقصد درین باب می شد، در نظر نداشتم کہ موافق آن می نوشتم و از خطا مصؤن می ماندم »

اس لیے ہم پچھلے دلائل کی کمک پر کہہ سکتے ہیں کہ مصنف کی نظر میں دریای لطافت کا نہ ہونا اس بنا پر تھا کہ یہ ابھی معرض وجود ہی میں نہیں آئی تھی۔

بہر حال نتیجۂ بحث یہ ہے کہ دستور الفصاحت ۱۲۱۳ھ (۱۷۹۸ع) سے پہلے لکھی گئی تھی۔ اوس وقت نہ کسی کے نام معنون نہ تھی۔ ۱۲۲۹ھ یا ۱۲۳۰ھ (۱۸۱۵ع) میں مصنف نے اوس پر نظرثانی کرکے مرزا حاجی کے نام معنون کی۔ اس نظرثانی کے دوران میں اوس نے جو اضافے کیے، اون کا پتا خاتمے کے بعض مباحث میں صاف طور پر چل جاتا ہے۔ لیکن ابھی کتاب کا مسودہ صاف ہوکر شایع نہیں ہوا تھا کہ مرزا حاجی کی بساط ریاست الٹ جانے سے مصنف بھی پریشان حال ہوگیا اور مسودہ تعطل میں پڑا رہا۔ آخر سنہ ۱۲۴۹ھ میں شیخ رمضان علی لکھنوی نے اس کو صاف کرنے کا اقرار کیا۔ مصنف نے اس پر پھر نظر ڈالی، اور چند جگہ اضافے کیے، چنانچہ کتاب کے ورق ۱۸۲ الف پر مصنف نے اپنا یہ شعر لکھا ہے:

یکتا چو جست سال وفاتش، چو اشک ریخت
پی تعمیه، ریختامۂ او «تابات رجب»

اس مادۂ تاریخ سے سنہ ۱۲۳۶ھ نکلتا ہے۔

اسی طرح ورق ۱۷۴ الف پر حسب ذیل شعر نظر آتا ہے:

اے نصیر الدین جہاں بخشی، کہ از اقبال هست
تیغ عالمگیر تو، زور ظفر، مالک رقاب

یہاں نصیر الدین حیدر بادشاہ اودھ مراد ہیں، جو ۱۲۴۴ھ سے ۱۲۵۳ھ تک حکمران رہے تھے، اس لیے یقینی ہے کہ ان شعروں کا بعد میں اضافہ کیا گیا ہے۔

کتاب کے ماخذ

کتاب کے دیباچے یا خاتمے میں ماخذ کے ذکر کا دستور بہت پرانا ہے، لیکن ہمارے مصنف نے اس کی پابندی نہیں کی۔ تاہم حسب ذیل ماخذوں کا پتا چلتا ہے:

(۱) فرہنگ رشیدی

یہ فارسی لغت کی مشہور کتاب اور عبدالرشید مدنی، ساکن ٹھٹھہ (سندھ، متوفی سنہ ۱۰۷۷ھ = ۱۶۶۶ع) کی تصنیف ہے یکتا نے ورق ۲۲ ب و ۲۳ ب پر اس کا حوالہ دیا ہے۔

(۲) موہبۂ عظمی

ورق ۲۶ ب اور ۳۰ ب پر مصنف نے خان آرزو (متوفی سنہ ۱۱۶۹ھ = ۱۷۵۵ع) کے جو اقوال نقل کیے ہیں، ان میں کا پہلا قول موہبۂ عظمی (ورق ۲۵ الف) میں موجود ہے۔ دوسرا اقتباس اس کتاب میں نہیں ملا۔ ممکن ہے کسی دوسری تصنیف کا ٹکڑا ہو۔

(۳) مدار الصوابط

ورق ۲۸ ب اور ۳۳ الف پر عبدالباسط کا حوالہ ہے۔ یہ اقتباسات اوس کی کتاب مذکورۂ بالا (ورق ۹ الف و ۱۱ الف) میں پائے جاتے ہیں۔ البتہ ناقل کے تساہل کی بنا پر الفاظ میں قدرے اختلاف نظر آتا ہے۔

(۴) میر شمس الدین فقیر

ورق ۱۰۴ ب پر ان کا حوالہ ملتا ہے۔ لیکن حدائق البلاغہ میں اس کا پتا نہیں چلا۔

(۵) معیار الاشعار

یہ کتاب خواجہ نصیر الدین طوسی (متوفی سنہ ۶۷۲ھ = ۱۲۷۴ع) کی تصنیف ہے۔ یکتا نے ورق ۱۲۲ الف و ۱۲۸ الف پر ان کا حوالہ دیا ہے موخرالذکر مقام پر کتاب کا نام بھی مذکور ہے۔

(۶) مجمع الصنائع

یہ کتاب نظام الدین احمد بن محمد صالح الصدیقی الحسینی کی تالیف ہے، جو عہد عالمگیر کا ایک صوفی منش فاضل تھا۔ یکتا نے ورق ۱۵۹ ب پر اس کا حوالہ دیا ہے، جو نسخۂ مطبوعہ (مطبع حسنی لکھنئو) کے صفحۂ ۹۰ پر موجود ہے۔

(۷) رسالۂ بلاغت

ورق ۱۶۲ ب پر عبدالواسع کے نام سے جو اقتباس دیا ہے، وہ عبدالواسع کے رسالۂ بلاغت (مطبع مصطفائی، لکھنئو، سنہ ۱۲۶۱ھ) میں صفحۂ ۵۲ پر پایا جاتا ہے۔

(۸) تذکرۂ ہندی

خاتمۂ کتاب میں شعرا کا ذکر کرتے ہوئے، متعدد مقامات پر یکتا نے اس تذکرے کے ٹکڑے نقل کیے ہیں۔ ان میں سے دو جگہ (صفحہ ٦٩ و ٧٠) لفظ تذکرہ کے ساتھ اور بقیہ مقامات (صفحہ ٧٧ و ٨٥) پر مصحفی کے نام کے ساتھ ان اقتباسات کو پیش کیا گیا ہے۔

مذکورۂ بالا تمام حوالے، صرف و نحو ہندی کے ماسوا دوسرے مباحث کے اندر پائے جاتے ہیں۔ صرف و نحو ہندی پر کوئی کتاب یکتا کے سامنے نہ تھی۔ اس لیے یہاں کوئی حوالہ نظر نہیں آتا۔

چند نکات

کتاب میں جابجا ادبی و تاریخی نکتے بھی مذکور ہیں۔ ان میں سے دو چار کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ مثلاً:

(۱) یکتا اسے ناپسند کرتا ہے کہ فصحا کے محاورے کے برخلاف، الفاظ کے تلفظ میں صحت اعراب یا ادای مخرج کا لحاظ کیا جائے۔ چنانچہ اس کے خیال میں «غدار» کو، جو عام طور پر غین کے زبر کے ساتھ بولا جاتا ہے، بکسر غین، بر وزن ادرار، پڑھنا اور زبردستی حلق سے عین اور حای حطی کا نکالنا سامعین کو اپنے آپ پر ہنسانا ہے۔ ہاں، اگر کوئی لفظ عوام کی بولچال میں تلفظ اصلی سے ہٹ جائے، تو اوسے ضرور صحیح طور پر استعمال کرنا چاہیے۔

(۲) یکتا نے اپنے عہد کے شرفا اور مستند شاعروں کے کلام میں عربی اور فارسی الفاظ کے ساتھ ٹھیٹ ہندی

کے لفظوں کے استعمال کا حسابی تناسب بھی مقرر کیا ہے۔ کہتا ہے کہ یہ لوگ اپنی بولچال میں تین چوتھائی عربی و فارسی اور ایک چوتھائی ہندی کے لفظ استعمال کرتے ہیں (ورق ۵۳ ب)۔

(۳) میر اور سودا کے کلام کے فرق کو ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے:

«اگرچہ کلام فصاحت نظامش، مثل سعدی، بظاہر آسان بنظر می آید، ولی ممتنع است بیشتر شعرا مقلد او هستند، و مطلق طرزش نمی یابند۔ بخلاف مرزا محمد رفیع، کہ باوجود کمال پختگی کہ دارد، تقلیدش ہر صاحب فہمی را ممکن» (ص ۲۵)۔

اکثر ادیبوں اور نقادوں نے ان دونوں حکمت استادوں کے رنگ کا فرق بتایا ہے۔ لیکن یکتا نے جو حد مقرر کی ہے وہ اچھوتی اور واقعی ہے

(۴) میر کے حال میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

«نواب آصف الدولہ مغفور و مرحوم ہم بعد رحلت مرزا، میر را از شاہ جہان آباد بحریہ طلب داشتہ، منصب عالی ملازم ساخت»۔ (ایضا)۔

حالانکہ تمام تذکرہ نویس یہ لکھتے ہیں کہ میر صاحب از خود لکھنؤ گئے اور جب آصف الدولہ کے دربار میں رسائی ہوئی، تو تنخواہ مقرر کی گئی۔

(۵) لطف اور آزاد دونوں نے میر صاحب کی نازک مزاجی کا ذکر کیا ہے۔ صاحب «گل رعنا» کو اس قسم کے واقعات سچے نہیں معلوم ہوئے لیکن یکتا بھی لطف و آزاد کا ہم خیال ہے، اور اون کی نازک مزاجی سے متعلق ایک واقعہ لکھتا

ہے۔ اگر یہ واقعہ صحیح ہے، تو پھر آزاد کے بیان کردہ قصوں کو نہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں۔ (ایضاً)

(۶) قیام الدین قائم رامپوری کے متعلق لکھا ہے کہ ان کے کلام میں مرزا کی تالیف کلمات اور بندش الفاظ اور میر کی برشتگی و شکستگی یکجا نظر آتی ہے۔ یہ فخر صرف اسی ایک شاعر کو نصیب ہوا ہے کہ اس کا قصیدہ قصیدہ اور غزل غزل کہلانے کی مستحق ہے۔ ورنہ اکثر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ یا تو قصیدہ غزل ہوکر رہجاتا ہے، اور یا غزل قصیدہ بنجاتی ہے۔ اسی طرح قائم کی مثنویاں اور رباعیات اپنے اپنے خصائص کی حامل ہیں۔

(۷) مصحفی کو ابتدائی میں ثانیء میر سودا لکھا ہے، اور یہ بھی لکھا ہے کہ جب یہ لکھنؤ پہنچے، وہاں جرأت کا طوطی بول رہا تھا۔ کسی نے ان کی طرف مطلق توجہ نہ کی۔ ناچار یہ جرأت کے مقابلے میں آڈٹے اور بیس سال تک جرأت اور اوس کے شاگردوں کے پورے لشکر سے تن تنہا جنگ کرکے، اہل ادب کو اپنی طرف مائل کیا اور آخر کار جرأت کے برابر، بلکہ اوس سے زیادہ شہرت حاصل کرلی۔ (ص ۹۴) تعجب ہے کہ اس سلسلے میں یکتا نے انشا کا نام نہیں لیا۔ حالانکہ آبحیات میں «مصحفی و مصحفن» والا معرکہ اونہیں سے پیش آیا تھا۔

(۹) انشا کی عمر کا ذکر عام تذکروں میں نہیں ملتا۔ مگر یکتا نے لکھا ہے کہ اونھوں نے ۶۰ سال سے کچھ زیادہ عمر پائی۔

اسی طرح نکتا نے یہ بھی لکھا ھے کہ آخر میں انشا دیوانے ہوگئے تھے، اور اسی حالت میں فوت ھوئے۔ (ص۱۰۷)

اس معاصرانہ بیان کے بیس سطر، مرزا اوج کے دیوانگی سے اختلاف کی کمزوری ظاھر ھوتی ھے۔ اور آزاد نے رنگین کی زبانی اون کا آخری حال جو کچھ لکھا ھے، اوس پر یقین آتا ھے (۱)

(۱۰) افسوس کے متعلق پتہ چلتا ھے کہ اونھوں نے نکتا کی ھمدانی میں حکیم محمد باقر صاحب لکھنوی سے کچھ طب پڑھی تھی، اور مرزا فخرالدین احمد خان بہادر، عرف مرزا جعفر، کے توسط سے کلکتے میں تصنیف اردو دانی ملازم ھوئے تھے۔ نکتا نے افسوس کا قطعۂ تاریخ وفات بھی لکھا ھے، جس سے ۱۲۲۴ھ برآمد ھوتے ھیں، ورنہ اب تک تذکروں میں صرف سال عیسوی ۱۸۰۹ ملتا تھا۔

(۱۱) اس کتاب سے ھمیں تین مشاعروں: (۱) مشاعرۂ مرزا حاجی، (۲) مشاعرۂ مولوی محب اللہ (۳) اور مشاعرۂ سید مہر اللہ خاں عمور کا پتا چلتا ھے، جن میں سے غالبا دوسرے مشاعرے کا ذکر اس سے پہلے کسی نے نہیں کیا۔

مآخذ حواشی

اس کتاب کے حاشیوں کی ترتیب میں جن کتابوں سے مدد لی گئی ھے، اون کی تفصیل حسب ذیل ھے:-

---

(۱) صاحب گل رعنا نے بھی (ص ۲۸۸) مرزا اوج کی روایت کو قبول کرتے ھوئے انشا کے جنون سے انکار کیا ھے۔

۱- مجمع النفائس، فارسی۔

یہ فارسی کے شاعروں کا تذکرہ ہے، جسے ہندوستان کے مایۂ ناز نقاد، سراج الدین علی خان، آرزو، اکبرآبادی متوفی سنہ ۱۱۶۹ھ (۱۷۵۶ع) نے تصنیف کیا ہے۔

دیباچے میں مصنف نے لکھا ہے کہ میرے شاگرد، مکند لال مخلص، نے اس کے ختم ہونے کی حسب ذیل تاریخ لکھی ہے:

این تذکرہ سخوراں گستان

یعنی چو نوشت سراج الدین خان

مخلص، ز آرزو چنین کرد رقم

«گلزار خیال اہل معنیء جہان»

چونکہ چوتھے مصرع کے ۱۱۶۴ عدد ہوتے ہیں، اس لیے ۱۱۶۴ھ (۱۷۵۰–۵۱ع) میں اس کا ختم ہونا چاہیے دوسرے شواہد بھی اسی تاریخ کے مؤید ہیں مثلاً میر میر کے نکات الشعرا میں جو غالباً ۱۱۶۵ھ (۱۷۵۱ع) کی تصنیف ہے، اس کا کئی جگہ حوالہ دیا ہے۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی نے، سرو آزاد (ص ۲۲۸) میں جو کئی سال کی کوشش کے بعد ۱۱۶۶ھ (۱۷۵۲ع) میں ختم ہوا تھا، اس کا زیر تالیف ہونا بیان کیا ہے، اور خزانۂ عامرہ (ص ۱۱۷) میں، جو ۱۱۷۶ھ (۱۷۶۲ع) کی تصنیف ہے، لکھا ہے کہ یہ تذکرہ مذکورۂ بالا سنہ ۱۱۶۴ھ میں مرتب ہوا ہے۔

لیکن مصنف نے اس تذکرے کی ابتدا اس تاریخ سے برسوں پہلے کردی تھی۔ شروع میں یہ منتخب اشعار کی ایک بیاض تھی۔ رفتہ رفتہ اس نے تذکرے کی حیثیت اختیار کرلی۔

مصنف نے دیباچے میں یہ بھی بتایا ہے کہ اونھیں اس کی ترتیب کا خیال کس طرح اور کب پیدا ہوا، اور اس طویل اور وقت طلب کام میں کس کس نے اون کا ہاتھ بٹایا۔

اس کے واقعی آغاز کا تعین دشوار ہے۔ تاہم کتاب کے بعض مقامات سے پتہ چل جاتا ہے کہ ۱۱۶۴ھ سے کتنا پہلے مصنف اس کی ترتیب میں مشغول تھا۔

(۱) لطف اللہ خان نثار کے ذکر میں آرزو نے لکھا ہے:

«دریں سنہ، کہ ہزار و یکصد و پنجاہ، نہ ہجریست، دو ماہ پیش از یں برحمت ایزدی پیوست» (۴۶۴ ب)۔

تاریخ محمدی (۵۹۶ ب) میں غرۂ ربیع الاول سنہ ۱۱۵۹ھ (۱۷۴۶ع) تاریخ وفات مندرج ہے۔ لہذا نثار کا حال جمادی الاولی سنۂ مذکورہ میں لکھا جانا چاہیے

(۲) کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں، اس تذکرے کی پہلی جلد کا ایک نسخہ محفوظ ہے جس کے ایک ورق پر چند سطریں، خود آرزو کے قلم کی لکھی ہوئی ہیں۔ چونکہ اس جلد کی ترتیب حروف تہجی کے مطابق نہیں ہے۔ اس لیے بجا طور پر اسے مسودہ کہا جاسکتا ہے۔ اس مسودے میں قزلباش خان امید کو «سلمہ ربہ» کے الفاظ سے یاد کیا ہے (۳۶۷ الف)۔ تاریخ محمدی (۵۹۶ ب) میں ان کی تاریخ وفات، ۹ جمادی الاولی سنہ ۱۱۵۹ھ لکھی ہے۔ لہذا آرزو نے ان کا حال جمادی الاولی سنۂ مذکورہ سے پہلے لکھا ہوگا۔

(۳) اسی مسودے میں شیخ علی حزیں کے متعلق لکھا ہے:

«نہ سال یا زیادہ باشد، کہ وارد ہندوستان گشتہ۔ از تسلط نادر شاہ برقلمرو ایران، دریں ملک آمدہ، و در ہنگامیکہ شاہنشاہ بر ہندوستان نیز مسلط گردید، و شاہجہان آباد دہلی تصرف او

در آمده، طرف آگره رفته، در گوشۂ خزیده بود. بعد از رفتن افواج شاهی باز بدهلی آمده. چون کسی، چنانکه باید، قدر او نشناخت، عزم ولایت عازم لاهور گشته، بشهر نتوانست رفت. در ... که عمدة الملك امیر خان بهادر از اله آباد حضور رسید، به توقع قدر شناسی باز بشاهجهان آباد آمد. چند گاه دیگر نیز کما و فقا سواری درین شهر بوده، که بخشش مدد کرد و اصالتش باور ... بوده. باعمدة الملك دوازده لك دام جد از بادشاه برای او گرفته حالا عمت و ... مکرر ... رساله مشتمله [illegible] خود نوشته، دعه مهمل بلند داده » (۱۰۳ الف).

آرزو نے جس وقت یہ الفاظ لکھے ہیں، اُس وقت (الف) حزیں اپنی سوانح عمری لکھ چکے تھے۔ (ب) وہیں عمدہ ہندوستان آئے نو برس یا اس سے کچھ زیادہ عرصہ ہو گیا تھا۔ (ج) اور وہیں عمدۃ الملک امیر خان بہادر کی سفارش پر بادشاہ نے ۱۲ لاکھ کھرے دام کی عطا ورد کیے تھے، جس کے سبب سے اُن کی زندگی آرام سے گزرنے لگی تھی۔

(الف) حزیں نے اپنی سوانح عمری ۱۱۵۴ھ (۱۷۴۱ع) کے آخر میں ختم کی تھی۔ چنانچہ اس کے خاتمے میں لکھتے ہیں:

« الحال حزین ورود شاهجهان آباد بحال تحریر، که آخر سال اربع و خمسین و مائة بعد الالف است، سه سال و کسری گذشته که درین بلده اوقات بسر رفته، و پیوسته در خیال حرکت و نجات ازین کشور، که بعنایت ... افتاده، بوده ام. و از کثرت موانع عایقه میسر نامده » (ص ۱۴).

اس سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں: پہلی یہ کہ اس کا اختتام ۱۱۵۴ھ کے آخر میں ہوا، اور دوسری یہ کہ اُس وقت تک اُنھیں کوئی انعام نہیں ملا تھا، جس کے باعث سے اطمینانِ خاطر کے ساتھ یہاں زندگی نہیں گزار سکتے تھے۔ لہذا یقینی ہے کہ آرزو نے حزیں کا حال ۱۱۵۴ھ کے گزر جانے کے بعد لکھا ہے

چونکہ انعام ملنے کا واقعہ عمدہ الملک کے الہ آباد سے واپس ہونے کے بعد کا ہے، لہذا یہ دیکھنا چاہیے کہ عمدہ الملک الہ آباد کب جا کر کس وقت واپس ہوئے۔ میر ولی اللہ نے تاریخ فرخ آباد میں لکھا ہے کہ عمدة الملک ۱۱۵۲ھ (۱۷۳۹ع) میں الہ آباد جاتے ہوئے فرخ آباد سے ہو کر گزرے تھے (۸۰ الف) خزانۂ عامرہ (ص ۷۶) میں بھی ان کے الہ آباد کی صوبیداری پر مقرر ہونے کا یہی سال تحریر ہے۔ قائم نے مخزن نکات (ص ۳۲) میں انجام تخلص کے تحت ان کا ذکر کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ

«آخر الامر نوشتۂ اعتمادالدولہ بہادر بحضور آمد۔ سہ سال تمام بر آں کشید کہ قضا برگ پان بصورت خنجر فولاد ساختہ برای رخصت روح او فرستاد»۔

عمدہ الملک نے ۲۳ ذی الحجہ ۱۱۵۹ھ (۱۷۴۶ع) کو دہلی میں شہادت پائی ہے (تاریخ محمدی، تحت ۱۱۵۹ھ)۔ قائم لکھتا ہے کہ وہ الہ آباد سے واپس آنے ہوئے پورے ۳ برس ہو چکے تھے۔ اس حساب سے وہ ۱۱۵۷ھ (۱۷۴۴ع) کے آغاز میں دہلی واپس آنا چاہیے لیکن آزاد نے خزانۂ عامرہ میں لکھا ہے کہ وہ ۱۱۵۶ھ (۱۷۴۳ع) میں بادشاہ کی طلب پر دہلی واپس آئے۔ حاتم کے دیوان زادہ میں (۱۳۰ب) ایک عرضی عمدہ الملک کے نام مندرج ہے، جس کا سنۂ تالیف ۱۱۵۶ھ بتایا گیا ہے۔ اس سے آزاد کے بیان کی تائید ہوتی ہے؛ کیوں کہ اگر عمدہ الملک اس سنہ میں دہلی کے بجائے الہ آباد میں ہوتے، تو اس عرضی کا وہاں بھجایا جانا کچھ زیادہ قرین قیاس نہیں تھا۔ لہذا اس سال کے بعد حزیں کو انعام دلانا چاہیے۔ چونکہ آرزو نے حزیں کے متعلق یہ لکھا ہے کہ وہ یہیں

ہندوستان آئے ہوئے سو برس یا اس سے زیادہ گزر چکے ہیں،
اور یہ آزاد کے بیان کے مطابق (سرو آزاد: ۲۲۵، خزانۂ عامرہ:
۱۹۴) سنہ ۱۱۴۷ھ (۱۷۳۴ع) میں سمندر کے راستے سے بندرگاہ ٹھٹھہ
میں اترے تھے، لہذا اس تاریخ کو سامنے رکھ کر آرزو کے
سو برس یا اس سے زیادہ کا حساب لگایا جائے، تو تخمیناً ۱۱۵۷ھ ہی
نتیجہ نکلتا ہے یہی ان کے انعام پانے اور پھر آرزو کے
تذکرے میں ان کا حال لکھے جانے کا یہی سال قرار پاتا ہے۔
چونکہ آرزو نے لفظ «حالا» بھی استعمال کیا ہے۔ اس لیے یہ قیاس
درست ہوگا، کہ ان کا ذکر کرتے وقت، بادشاہ کے حضور سے
انعام پائے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔ اور انعام تخمیناً ۱۱۵۷ھ
میں ملا ہے۔ پس ان کا حال بھی اسی سال کے اندر لکھا
جانا چاہیے۔

مجمع میں آرزو نے حزیں کے سفر بنگالہ اور قدم بوسی کا
ذکر «دریں ولا» لکھ کر کیا ہے، جو سرو آزاد (ص ۲۲۵) کے
مطابق، ۱۱۶۱ھ (۱۷۴۸ع) کے بعد کا واقعہ ہے۔ اس لیے یہ قیاس بیجا
نہ ہوگا کہ اس سال کے بعد، کتاب کو مرتب کرتے وقت، تازہ
واقعات کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ جس کی مثالیں خود اس کتاب
کے اندر بھی کچھ کم نہیں ہیں۔

اب یہ دیکھنا چاہیے کہ ۱۱۶۴ھ کے بعد مصنف نے کہاں کہاں
اور کس کس سال میں نئے معلومات کا اضافہ کیا ہے۔ کتاب
کے بغور مطالعے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آرزو نے آئندہ تین سال
میں جابجا ترمیم کی ہے، اور یہ سلسلہ محرم سنہ ۱۱۶۸ھ (۱۷۵۴ع) میں

لکھنؤ روانہ ہونے سے قبل تک جاری رہا ہے۔ چنانچہ محمد علی رائج سیالکوٹی کے متعلق لکھا ہے کہ «پانزدہ، شانزدہ سال است کہ برحمت ایزدی پیوستہ» (۳۶۱ب)۔ آزاد بلگرامی نے سرو آزاد (ص ۲۰۴) اور خزانۂ عامرہ (ص ۲۴۴) میں رائج کا سال وفات ۱۱۵۰ھ (۱۷۳۷ع) بتایا ہے۔ میں نے ایک کتاب میں «باد حشرش بعلی حیدر» مادۂ تاریخ پڑھا ہے۔ اس کا پہلا مصرع یاد نہیں رہا۔ اگر اس جگہ تعمیہ نہیں ہے، تو اس کے اعداد ۱۱۴۹ ہوتے ہیں۔ بہرحال رائج کا تذکرہ ۱۱۶۴ھ، یا ۱۱۶۵ھ، یا ۱۱۶۶ھ میں لکھا گیا ہے۔

شیخ سعد اللہ گلشن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ «بیست و پنج سال پیش ازین بعالم علوی خرامیدند» (۳۸۵ الف)۔ شیخ نے سرو آزاد (ص ۱۹۹) کی روایت کے مطابق ۲۱ جمادی الاولی سنہ ۱۱۴۱ھ (۱۷۲۸ع) کو رحلت کی ہے۔ اس حساب سے ان کا حال ۱۱۶۶ھ (۱۷۵۲ع) میں لکھا جانا چاہیے۔

فغانی کے ذکر میں فرماتے ہیں:

> «دریں ایام تتبع دیوان مذکور اختیار کردہ ام۔ چنانچہ در عرصۂ سہ چہار ماہ شصت غزل گفتہ شدہ۔ اگر عمر وفا میکند، دیگر هم گفتہ می آید، انشاء اللہ تعالی، و الاحسن۔
> تا بیست و چہارم شہر ربیع الاول سنہ ۱۱۶۶ھ با ردیف واو رسیدہ ام۔ اگر ارادۂ ازلی متعلق شدہ، تمام کردہ خواهد شد۔ اما بسبب شورش دہلی و فساد هندوستان که درین چند ماهه واقع شدہ، الا یعیش ازین با تمام نرسید۔ منه عفی عنه۔
> دیگر، مخفی نماند که این عزیزان که تتبع بابا کردہ اند، غیر غزلہای معدود نگفته اند۔ هیچ کس تتبع تمام دیوان نکردہ، الا ملا شانی تکلو، و این عاصی هرچند با تمام نرسانیدہ۔ اما امید قوی از جناب کریم مطلق است که تو فیق آن بابد، هرچند در مرحلۂ شصت و هشتم است از عمر یاد دادہ اللهم (وفقنی) بما تحب و

(مرضی سنه ۶۶ی سنه »

اس عبارت کا دوسرا پیراگراف ۲۴ ربیع الاول ۱۱۶۶ھ کو بڑھایا گیا ہے، اور تیسرا ۶۸ ویں سال کی عمر میں۔ آرزو کی پیدائش کا سال « نزل غیب » سے ظاہر ہوتا ہے، جس کے اعداد ۱۰۹۹ ہیں اگر ان دونوں عددوں کو جمع کیا جائے، تو ۱۱۶۷ حاصل جمع ہوگا چونکہ اس تیسرے پیراگراف کو « دیگر » کے لفظ سے شروع کیا ہے، اسلیے ہمیں اسے دوسرے کے بعد لکھا جانا چاہیے، اور کچھ بعید نہیں کہ ۱۱۶۷ھ (۱۷۵۳ع) ہی میں بڑھایا گیا ہو۔

سرو آزاد (ص ۲۲) میں آرزو کا سنہ پیدائش سنہ ہای صدی یازدهم، اور خزانۂ عامرہ (ص ۱۱۷) میں ۱۱۰۱ھ بھی ملتا ہے۔ ان دونوں صورتوں میں تذکرہ ۱۱۶۸ھ (۱۷۵۴ع) یا ۱۱۶۹ھ (۱۷۵۵ع) میں تحریر ہوگا۔ مگر میری رائے میں اس قسم کے ترمیم کام آرزو نے دہلی میں انجام دیے ہوں گے، جو ان کا وطن ہوچکا تھا۔ آخر محرم سنہ ۱۱۶۸ھ میں دہلی چھوڑ کر لکھنؤ پہنچے، ابتداء تلاش معاش اور بعد ازاں موت نے انہیں مہلت کب دی ہوگی کہ تذکرے میں ترمیم و تبدیل کرتے؟

میر بھی میر کے ذکر میں لکھا ہے:

«از چند سال بجناب معلی القاب عمدة الملک مہاراجہ بہادر ..
میگزراند مہاراجہ کہ در عہد فرخندہ مہد حضرت فردوس
آرامگاه، و بعد ازان در زمان خلافت و آوان سلطنت احمد شاه بادشاه،
مربع نشین چار بالش دیوانی خالصۂ شریفہ و دیوانی تن و
ازان بار . برتبۂ عالی مرتبۂ نائب الوزارة کامروای نامداران
عالم و صاحب السیف و القلم شدند» (۴۰۴ الف).

میر نے اپنی سوانح عمری (ص ۷۵ و ۷۶) میں جو کچھ لکھا

ہے، اوس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیر ثانی کی تخت نشینی کے بعد اور معین الملک کے انتقال سے قبل راجہ ناگرمل نائب وزیر مقرر کیے گئے، اور «مہاراجہ عمدہ الملک» خطاب ملا۔ لیکن یہاں واقعات کی ترتیب درست نہیں ہے۔ کیونکہ عالمگیر ثانی ۱۰ شعبان ۱۱۶۷ھ (۳ جون ۱۷۵۴ع) کو تخت نشین ہوا تھا، اور معین الملک، خزانۂ عامرہ (ص ۹۸) کے بیان کے مطابق، محرم سنہ ۱۱۶۷ھ (نومبر ۱۷۵۳ع) میں گھوڑے سے گرکر فوت ہوا ہے۔ بہرحال یہ یقینی امر ہے کہ ناگرمل عالمگیر ثانی کے عہد میں نائب وزیر بنایا گیا تھا چنانچہ مولوی قدرت اللہ شوق رامپوری نے جام جہان نما (۵۴ الف) میں، عالمگیر ثانی کے سال اول جلوس میں لکھا ہے کہ

> «ناگرمل در عہد محمد شاہ خدمت دیوانیء خالصہ داشت، و در عہد احمد شاہ دیوانیء تن ہم بران مزید شد، و درین وقت نیابت وزارت باو مفوض گشت»۔

ان امور کے پیش نظر یہ یقینی ہے کہ آرزو نے میر تقی کا حال شعبان ۱۱۶۷ھ (جون ۱۷۵۴ع) کے بعد لکھا ہے۔

لیکن یہاں یہ امر واضح کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۶۶ھ اور ۱۱۶۷ھ کے سابق الذکر دونوں واقعات اور میر تقی کا حال میری رائے میں اصل نسخے کے حاشیوں پر بڑھائے گئے ہوں گے۔ بعد میں اس نسخے کے کاتب نے اون کو متن میں شامل کرلیا ہے۔ اسکا ثبوت یہ ہے کہ پہلے دونوں اضافوں کے ساتھ الفاظ «منہ عفی عنہ» کاتب نے متن میں نقل کردیے ہیں۔ جو ہمیشہ منہیات کے ساتھ حاشیوں پر لکھے جاتے ہیں۔ میر کا حال اگرچہ متن میں اس لفظ کے ساتھ نقل نہیں کیا گیا ہے، مگر یہ ۳، ۴ ورق متن کے خط سے مختلف عمدہ نستعلیق میں کسی دوسرے نے لکھے

ہیں۔ اس خط کے لکھے ہوئے اشعار اور الفاظ کتاب کے دوسرے حاشیوں پر بھی جابجا نظر آتے ہیں، جس سے میں یہ قیاس کرتا ہوں کہ یہ کتاب کے مصحح کا خط ہے۔ میرؔ کا حال وغیرہ پہلے کاتب نے نہیں لکھا تھا۔ مصحح نے نئے ورق داخل کرکے، وہ مصرع جو سابق الذکر شاعر کا آئندہ صفحے پر تھا، اور اوسکی ترك چھیل کر میرؔ کے حال کے شروع میں لکھدی ہے، اور اسطرح آخری صفحے پر جگہ نہ رہنے کے باعث کچھ میرؔ کے شعر حاشیے پر بھی لکھے ہیں۔

اس کتاب کے دو نسخے کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں محفوظ ہیں۔ جس نسخے کا حواشی میں حوالہ دیا گیا ہے، وہ خاتمے کے بیان کے مطابق ۱۱۷۸ھ (۱۷۶۴ع) میں میر تقی کے مربی، مہاراجہ عمدہ الملك بہادر، کے لیے جسپت رائے کھتری نے کومھیر میں نقل کیا تھا۔ یہ $\frac{۲۲ \times ۱۸}{۴}$ سائز کے ۵۲۱ اوراق پر مستمل ہے۔ اور ابھی تك طبع نہیں ہوا ہے۔

۲۔ گلشن گفتار، مطبوعہ۔

یہ خواجہ خان حمیدؔ اورنگ آبادی کی تصنیف اور فارسی زبان میں اردو کے ۳۰ شاعروں کے حالات پر چھوٹی سی کتاب ہے، جسے بجا طور پر اردو کا سب سے پہلا تذکرہ کہا جاسکتا ہے، کیونکہ دیباچے میں مصنف نے «گلشن بزم گفتار ہے» اسکا مادۂ تاریخ لکھا ہے، جس سے ۱۱۶۵ھ (۱۷۵۲ع) برآمد ہوتے ہیں۔

یہ تذکرہ سید محمد صاحب، ایم۔اے، بی، حیدرآباد سے ۳۰ بہمن ۱۳۳۹ ف کو ایك مفید دیباچے اور حواشی کے ساتھ چھوٹے سائز کے ۶۸ صفحوں پر چھاپ کر شایع کردیا ہے۔

۳ ـ نکات الشعرا (نکات)، قلمی ـ

یہ استاد شعرای ھند، میر محمد تقی میر، متوفی سنہ ۱۲۲۵ھ (۱۸۱۰ع) کی تصنیف ھے، جس میں ۱۰۳ اردو گو شاعروں کے مختصر حالات اور منتخب کلام مندرج ھے ـ

میر صاحب نے کسی جگہ تصنیف کا سال صراحۃ نہیں بتایا ھے ـ البتہ اندرام مخلص، متوفی ۱۱۶۴ھ (۱۷۵۱ع) کے حال میں کہتے ھیں کہ « قریب یکسالست کہ درگزشت » (ص ۸) ـ اس سے ڈاکٹر اشپرنگر (۱) یہ قیاس کرتا ھے کہ اس کا سنۂ تالیف ۱۱۶۵ھ (۱۷۵۲ع) ھے ـ مولوی عبدالحق صاحب نے بھی اسے تسلیم فرمالیا ھے، اور یہ لکھا ھے کہ چونکہ گردیزی نے اپنا تذکرہ میر صاحب ھی کے جواب میں لکھا ھے،.. . اس لیے اس سنہ ـ کی صحت کی پوری تصدیق ھوجاتی ھے (۲) ـ

کتاب کے مطالعے سے اس کے آغاز و انجام پر حسب ذیل روشنی پڑتی ھے :ـ

۱ ـ جعفر علی خان زکی کے ذکر میں میر نے لکھا ھے :

> « بادشاہ محمدشاہ، بر او فرمایش مثنوی‌ء حقہ کردہ بود ـ دو سہ شعر موزون کرد ـ دیگر سرانجام ازو نیافت ـ اکنون شیخ محمد حاتم، کہ نوشتہ آمد، باتمام رسانید ـ و آن مثنوی خالی از مزہ نیست » (ص ۱۳۶)

حاتم نے « دیوان زادہ » میں اس مثنوی کے عنوان پر لکھا ھے کہ « حسب الحکم محمد شاہ بادشاہ، معروف جعفر علی خان صادق »

---

(۱) فہرست کتابخانہای شاہ اودھ ۱۷۵ ـ

(۲) مقدمۂ نکات، طبع ثانی، صفحہ ح ـ

یہ مثنوی نظم کی گئی ہے (۸۹، الف)۔ اگر لفظ «اکنون» جو میر صاحب ہی کا لکھا ہوا ہے، اور کاتبوں نے اپنی طرف سے اس کا اضافہ یا کسی دوسرے لفظ کی جگہ اس کی نسبت کا ارتکاب نہیں کیا ہے، تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ نکات الشعرا کی یہ عبارت محمد شاہ، متوفی ۱۱۶۱ھ (۱۷۴۸ع)، کی زندگی میں یا اوس کے انتقال سے کچھ بعد لکھی گئی تھی۔ چونکہ حاتم کے مسلسل نام میں میر صاحب نے صرف ایک شعر (۱) اوس غزل کا چھاپا ہے جو ۱۱۶۱ھ کے کسی مشاعرے کی طرح میں لکھی گئی تھی اس بنا پر قرین قیاس یہ ہے کہ زکی اور حاتم کا حال اسی سنہ میں تحریر کیا ہے۔ اگر میر صاحب نے حاتم کا حال زیادہ بعید زمانے میں لکھا ہوتا، تو اون کی بعد کہی ہوئی غزلوں کے شعر بھی چنتے، جو دلی کے مشاعروں میں برابر پڑھی جاتی رہی تھیں۔

۲ - دلاورخان بیرنگ کو میر صاحب نے زندہ بتایا ہے (ص ۱۰۱)۔ گردیزی لکھتا ہے کہ «سالی چند ازیں پیش، مراحل راہ مرگ پیمود»۔

اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ گردیزی نے بیرنگ کا حال آخر ۱۱۶۵ھ میں لکھا ہے، اور «چند» سے صرف ۳ سال مراد ہیں،

(۱) وہ شعر یہ ہے،

داوں کی راہ خطرناک ہوگئی آیا؟
کہ چند روز سے موقوف ہے پیام و سلام

یہ شعر دیوان زادے کے قلمی نسخہ کتابخانۂ رامپور میں ورق ۱۷ پر موجود ہے۔

تو اوس کا سال انتقال ۱۱۶۲ھ قرار پائے گا، اور اس صورت میں میر صاحب نے اوس کا حال ۱۱۶۲ھ سے قبل یا اسی سال، انتقال سے پہلے، لکھا ہوگا۔

تین مقامات پر میر صاحب نے خان آرزو کے تذکرے کا حوالہ دیا ہے۔ آرزو کا یہ تذکرہ ۶۴۰۵--۱۱۵۷ھ (۱ --۱۷۴۴ع) میں تمام ہوا تھا۔ اسی طرح دکنی شاعروں کے حال میں سید عبدالولی عزلت سورتی کے حوالے نظر آتے ہیں۔ خود ان کے ذکر میں میر صاحب نے لکھا ہے کہ یہ تازہ وارد ہندوستان ہیں۔ آزاد بلگرامی نے سرو آزاد (ص ۲۳۶) میں اور عاشقی نے نشتر عشق (۴۵۶ الف) میں تحریر کیا ہے کہ ان کا دهلی میں ورود ۲۰ جمادی الاولی سنہ ۱۱۶۴ھ (۷ اپریل ۱۷۵۱ع) کو ہوا تھا۔

ان دونوں باتوں کو پیش نظر رکھکر یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ میر صاحب نے اس سنہ و ماہ کے بعد تذکرہ مکمل کیا۔

مخلص، متوفی ۱۱۶۴ھ، کے بارے میں کہتے ہیں کہ ان کو مرے ایک سال کے قریب ہوا۔ مخلص کی وفات کا مہینہ ہمیں معلوم نہیں ہے البتہ یہ ہمارے علم میں ہے کہ احمد شاہ، بادشاہ دهلی، کے جلوس کا چوتھا سال تھا۔ احمد شاہ ربیع الثانی سنہ ۱۱۶۱ھ میں تخت نشین ہوا تھا۔ لہذا اس کا چوتھا سنۂ جلوس، ربیع الثانی ۱۱۶۴ھ سے شروع ہوکر ربیع الثانی ۱۱۶۵ھ پر ختم ہونا چاہیے۔ اس لیے ہم یقین کے ساتھ کہ سکتے ہیں کہ ربیع الثانی ۱۱۶۵ھ کے لگ بھگ نکات الشعرا لکھا جارہا تھا اور

چونکہ حسب بیان ذکر میر (ص ۷۲ و ۷۳) میر صاحب نے، شعبان ۱۱٦۵ھ (جون ۱۷۵۲ع) میں، نواب بہادر کے مقتول ہوجانے کے بعد، اپنے سوتیلے ماموں، خان آرزو، کی ہمسایگی چھوڑی ھے، اس لیے بعید ہیں کہ اس تاریخ سے قبل ھی تذکرہ ختم کرچکے ہوں، ورنہ تذکرے میں، اونھیں « استاد و پیر و مرشد بندہ » کے لفظوں سے یاد نہ کرتے۔

بحث کا خلاصہ یہ ھے کہ میر صاحب نے تقریباً ۱۱٦۱ھ میں یا اس کے کچھ بعد اپنا تذکرہ لکھنا شروع کیا تھا۔ اوس وقت تک اس موضوع پر کسی کتاب کا لکھا جانا میر صاحب کے علم میں نہ تھا۔ سنہ ۱۱٦۴ھ میں وہ اس کام میں مشغول تھے۔ مخلص کی وفات کے ایک برس بعد تک بھی یہ کام ختم ہیں ہوا تھا۔ اور آرزو کے متعلق اونھوں نے جو عمدہ تعریفی کلمات استعمال کیے ہیں، وہ شعبان ۱۱٦۵ھ کے قبل کے لکھے ہوئے ہیں، جب کہ وہ آرزو کے یہاں یا اون کے پڑوس میں رہا کرتے تھے

۴۔ تذکرۂ ریختہ گویان (گردیزی)، قلمی۔

یہ سید فتح علی خان گردیزی دھلوی، متوفی ۵ شعبان ۱۲۲۴ھ (۱٦ ستمبر ۱۸۰۹ع)، کا مرتب کیا ہوا، ۹۷ اردوگو شاعروں کا تذکرہ ھے (۱)، جو خاتمے کی تصریح کے مطابق ۵ محرم ۱۱٦٦ھ

(۱) مولوی عبدالحق صاحب نے نسخۂ مطبوعہ کے دیباچے میں ۹۸ شاعر بتائے ہیں۔ لیکن در اصل پاکبار کے ذکر میں مصنف نے لکھا تھا، کہ « این شعر خوش گاہ قزلباش خان مرحوم است » اور اس کے بعد پاکبار کا وہ شعر لکھا تھا اس کو مولوی صاحب نے قزلباش خان کا ذکر خیال کر کے عنوان قرار دے لیا، اور اس طرح ۹۸ شاعر شمار کر لیے۔ اولا تو اس عبارت کا مطلب یہ ھے کہ پاکبار کا یہ شعر قزلباش خان کو پسند تھا۔ ثانیاً گردیزی کا تذکرہ حروف تہجی پر مرتب ھے۔ (باقی)

(۱۳ نومبر ۱۷۵۲ع) کو ختم ہوا تھا۔

اس تذکرے کی بعض عبارتوں سے اس کے آغاز، اور ختم تالیف کے بعد کے اضافوں پر حسب ذیل روشنی پڑتی ہے۔

میر ناصر ساماں، ولی اللہ اشتیاق سرھندی، اور اسد یار خان انسان کو لکھا ہے کہ ان کے انتقال کو چند سال ہوئے۔ سفر عشق (۱۷۳ الف) میں ساماں کا سال وفات ۱۱۴۷ھ (۱۷۳۴ع) اور اشتیاق کا (۸۷ ب) ۱۱۵۰ھ (۱۷۳۷ع) اور تاریخ محمدی (۵۹۶ الف) میں انسان کا سنۂ وفات ربیع الاول ۱۱۵۸ھ (۱۷۴۵ع) مندرج ہے۔ «چند» کا لفظ ۳ سے ۹ تک کے اعداد پر بولا جاسکتا ہے اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ گردیزی نے ہر جگہ «چند» سے تین سال مراد لیے ہیں، تو ان مرحومین کے سالہای وفات کے پیش نظر، ان کا حال ۱۱۵۰ھ، ۱۱۵۳ھ اور ۱۱۶۱ھ میں لکھا جانا چاہیے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ گردیزی کی مراد ہرجگہ نو ہے، تو پھر ان کا حال علی الترتیب ۱۱۵۶ھ، ۱۱۵۹ھ اور ۱۱۶۷ھ میں لکھا گیا ہوگا۔ اور اگر سنہ ۱۱۶۵ھ سے حساب کیا جائے، تو پھر علی الترتیب «چند» کا اطلاق ۱۸، ۱۲ اور ۷ برس پر ہوگا۔ ان میں سے آخری استعمال تو صحیح رہتا ہے، مگر دو پہلے قطعاً درست نہیں، نہ حساب کی رو سے اور نہ ہمارے روز مرہ کے اعتبار سے۔ اس بنا پر میرا خیال یہ ہے کہ گردیزی نے « چند » سے نو سال مراد لیے ہیں،

(بقیہ) قزلباش خاں کا تخلص امید تھا۔ اگر تخلص کے لحاظ سے اس کا ذکر کیا جاتا، تو حرف الف میں جانا چاہیے تھا، اور اگر نام کے اعتبار سے ذکر ہوتا، تو حرف ق میں جاتا۔ حرف یا میں کسی طرح مذکور نہ ہوتا۔ چنانچہ رامپور کے قلمی نسخے میں اور وصل الکلمات میں یہ سب شعر یاکار ہی کے نام سے لکھے ہیں۔

اور اس کا آغاز ۱۱۵۶ھ کے قریب کیا ہے۔

۵ محرم ۱۱۶۶ھ کو تذکرہ ختم کرکے، بعد میں بھی گردیزی نے کچھ باتیں بڑھائی ہیں۔ چنانچہ دلاور خان بیرنگ کو لکھا ہے کہ چند سال ہوئے کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ یہ شخص نکات الشعرا کی ترتیب کے وقت زندہ تھا۔ اگر یہ تسلیم کیا جائے، کہ ختم نکات تک زندہ تھا، تو پھر اس کا یہ مطلب ہوگا کہ گردیزی نے اس کا حال کم از کم ۱۱۶۸ھ میں لکھا ہے۔

عمدہ الملک امیر خان انجام کو لکھا ہے کہ آج سے چھ سال قبل زحمت امردی سے حاملے انھوں نے ۲۳ ذیقعدہ سنہ ۱۱۵۹ھ (۲۷ دسمبر ۱۷۴۶ع) کو شہادت پائی ہے۔ ظاہر ہے کہ ۵ محرم ۱۱۶۶ھ کو انھیں شہادت پائے، ۵ برس ۱۱ دن ہوئے تھے۔ اس صورت میں کسی طرح انھیں «شش سال پیش از ین» متوفی نہیں کہا جا سکتا۔ لہذا یہ عبارت ۱۱۶۶ھ کے آخر یا ۱۱۶۷ھ کے آغاز میں لکھی جانی چاہیے۔

مرزا جانجاناں مظہر کے حال میں لکھا ہے:

> «از بدو حیات الی یومنا ہذا، کہ عمر شریفش بہ پیمائش خطوہ ستین است، از مبلد مشی توکل و انزوا بسر بردہ»۔

اس عبارت میں «خطوۂ ستین» قابل غور ہے۔ اس فقرے کے لغوی معنی ہیں، «ساٹھواں قدم» چونکہ گردیزی عام طور پر عمر نہیں لکھتا، اس لیے قیاساً اوس نے سوچ سمجھ کر مرزا مظہر صاحب کی عمر کا اندازہ لکھا ہوگا۔ مرزا صاحب دھلی میں مقیم تھے، اور خود گردیزی بھی وھیں رھتا تھا، اور اون کا ہم مشرب اور مداح تھا۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ اس نے خود

اون کی ربائی سال پیدائش کا ذکر نہ سنا ہو، یا بصورت دیگر، اون کی عمر کا صحیح اندازہ نکیا ہو۔ مرزا صاحب کا سال ولادت ۱۱۱۰ھ (۱۶۹۸ع) سے ۱۱۱۳ھ (۱۷۰۱ع) تك بتایا جاتا ہے۔ اگر علی الاقل ۱۱۱۰ھ ہی کو اختیار کرلیا جائے، تو اون کا حال ۱۱۷۰ھ (۱۷۵۶ع) میں لکھا جانا چاہیے۔

آخر میں یہ سوال باقی رھتا ہے کہ کیا ۱۱۵۶ھ میں گردیزی کی اسی عمر تھی کہ وہ کوئی تذکرہ مرتب کرنے کا اھل ہوتا۔ اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ ستر عسق (۱۷۹ الف) میں لکھا ہے کہ اوس نے ۹۵ برس کی عمر پاکر ہ شعبان ۱۲۲۴ھ (۱۶ ستمبر ۱۸۰۹ع) کو رحلت کی ہے، اور «انتخاب سلام» مادۂ تاریخ وفات ہے۔ اگر یہ بیان صحیح ہے، تو ۱۱۵۶ھ میں اوس کی عمر ۲۷ برس کی ہوگی۔ یہ عمر اس قسم کا کام انجام دینے کے لیے بالکل موزوں ہے۔ خود میر صاحب کی عمر تذکرہ ختم کرنے وقت ۳۰ برس کی تھی (۱)۔

اس تذکرے کا ایك قلمی نسخہ، جس میں دیباچہ اور ایك دو تراجم ساقط ہیں، غالباً سید محسن علی، مصنف سراپا سخن، کا لکھا ہوا، کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں موجود ہے۔ انجمن ترقی اردو نے اسے بھی چھاپ کر شائع کردیا ہے۔

۵ — وصل الکلمات (وصل) قلمی۔

یہ شاہ محمد حمزہ مارھروی، متوفی ۱۱۹۸ھ (۱۷۸۴ع)، کا کشکول ہے، جس میں مذھبی، تصوفی، تاریخی اور ادبی معلومات کا عظیم الشان ذخیرہ جمع کیا گیا ہے۔ کتاب ۲ جلدوں میں منقسم ہے، اور ہر مبحث «کلمة الله» یا صرف «کلمة» سے شروع

(۱) ملاحظہ ہو مقدمۂ کلیات میر، مرتبۂ آسی لکھنوی و مطبوعۂ نولکشور پریس لکھنؤ۔

ہوتا ہے۔ اس کی ایک جلد کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں اور دوسری جلد خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ، میں موجود ہے۔

رامپور کے نسخے کے آخر میں « تم وصل الکلام » لکھا ہے، جس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ وصل الکلام اس کا نام ہے۔ مگر موجودہ سجادہ نشین خانقاہ مذکورہ نے اپنی ایک گرامی تحریر میں بتایا ہے کہ اس کتاب کا نام « وصل الکلمات » ہے۔ یہی نام اون کے تذکرے میں برمرۂ تصنیفات میں نے بھی دیکھا ہے۔

شاہ صاحب نے اس کشکول میں شعرای فارسی و اردو کے حالات بھی لکھے ہیں۔ کتاب کے ورق ۲۱۶ ب سے ۲۲۷ ب تک گیارہ ورق، اردو کے شاعروں کے حالات پر مشتمل ہیں۔ شاہ صاحب نے صرف دو چار جگہ میر کے نکات الشعرا سے اور دو چار جگہ اپنی معلومات سے کچھ لکھا ہے، بقیہ حالات گردیزی کے تذکرے سے خود اوسی کے لفظوں میں نقل کردیے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ورق ۳۲۸ ب پر شعبان ۱۱۹۷ھ (جولائی ۱۷۸۳ع) کا ذکر، سال حال کے لفظوں میں پڑھنے کے باوجود، میں نے اس کو «تذکرۂ گردیزی» کے بعد جگہ دی ہے

۶ — مخزن نکات (مخزن) مطبوعہ۔

یہ قیام الدین محمد قائم، قائم تخلص، چاندپوری المولد، رامپوری المدفن، متوفی ۱۲۰۸ھ (۱۷۹۳ع) کا مرتب کردہ شعرای اردو کا تذکرہ ہے، جس میں ۱۱۸ شاعروں کے حالات ۳ طبقوں میں تقسیم کرکے لکھے گئے ہیں۔

خواجہ اکرم نے اس کی تاریخ «مخزن نکات» سے نکالی ہے، جس سے ۱۱۶۸ھ (۱۷۵۴ع) برآمد ہوتے ہیں (ص ۶۶)۔ لیکن کتاب کے دیباچے میں مصنف لکھتا ہے:

« مخفی و محتجب نماند کہ الی الآن در ذکر و بیان اشعار و احوال

شعرای ریختہ کتابی تصنیف نگردیدہ، و تا این زمان ہیچ انسانی از
ماجرای شوق اورای سخنوران این فن سطری تالیف نرسانیدہ ۔ بنابر
این فقیر مولف محمد قیام الدین، قائم، بعد کوشش تمام و سعی تمام
دواوین این اعزہ فراہم آوردہ، پارہ ابیات از ہرکدام بر سبیل
یادگار در ذیل این بیاض، کہ بمخزن نکات موسوم است، بقید قلم
در آوردہ »۔

بظاہر حال مصنف کے اس بیان کو کسی طرح تسلیم نہیں کیا جاسکتا
ہے کہ اتنک ریختہ گو شاعروں کے متعلق ایک سطر بھی کسی نے نہیں لکھی
ہے، کیوں کہ ۱۱۶۵ھ کے آخر تک خاکسار کا « معشوق چہل سالۂ خود »، میر
کا « نکات الشعرا » اور گردیزی کا « تذکرۂ ریختہ گویان » مرتب ہوچکے
تھے۔ اور نہ یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ اوسے ان تذکروں کا علم نہیں ہوا،
کیوں کہ وہ اوس زمانے میں دہلی کے اندر موجود تھا۔ مگر تذکرے کے
مختلف بیانوں پر غور کرنے سے عیاں ہوجاتا ہے کہ قائم کا یہ دعوی صحیح ہے۔
یقیناً جب وہ اپنا تذکرہ لکھنے بیٹھا، تو اوس وقت تک مذکورۂ بالا تذکرے
شائع نہیں ہوئے پائے تھے۔ اس دعوی کے وجوہ حسب ذیل ہیں :

(۱) قائم نے شاہ ولی اللہ اشتیاق کے متعلق لکھا ہے کہ « مدت ہفت
سال شد کہ بدار البقا انتقال نمود »۔ (ص ۱۸)

اشتیاق نے بشیر عشق (۸۷ ب) اور صبح گلشن (ص ۲۵) کی روایت
کے مطابق ۱۱۵۰ھ (۱۷۳۷ع) میں رحلت کی ہے۔ لہذا قائم نے ان کا حال
یقیناً ۱۱۵۷ھ (۱۷۴۴ع) میں لکھا ہے۔

(۲) اس سنہ کی تائید اس واقعے سے بھی ہوتی ہے کہ میر نے بظاہر
۱۱۶۲ھ میں اور گردیزی نے ۵ محرم ۱۱۶۶ھ سے قبل، دلاور خان کا ذکر
بیرنگ تخلص کے ماتحت کیا ہے۔ گردیزی نے اور کچھ نہیں لکھا، مگر میر
نے یہ صراحت کردی ہے کہ یہ پہلے ہمرنگ تخلص کرتے تھے، فی الحال

اس کو ترک کر کے ہمرنگ اختیار کیا ھے۔ چوں کہ اس بیان کے اندر میر نے لفظ « حالا » استعمال کیا ھے، اس لیے ھم اسے دوران تالیف کا واقعہ ماننے پر مجبور ھیں۔

قائم نے اس شخص کا تذکرہ ایسے الفاظ میں کیا ھے، جس سے معلوم ھوتا ھے کہ وہ ھنوز «ھمرنگ» تخلص کرتا ھے۔ اس سے میں قیاس کرتا ھوں کہ انھوں نے دلاور خان کا حال تبدیل تخلص سے قبل لکھا تھا۔ اگر یہ قیاس درست ھے، تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ھم اسے میر کے تذکرے سے قبل کا نہ مانیں، اور کچھ بعید نہیں کہ یہ ۱۱۶۷ھ کے قریب ھی شروع کیا گیا ھو۔

(۳) رسوا تخلص نو مسلم کا ذکر میر (ص ۱۲۱) اور گردیزی (ص ۶۴) نے باصطلاح اموات کیا ھے۔ گلزار ابراھیم (ص ۱۳۶) میں لکھا ھے کہ محمد شاہ کے عہد میں فوت ھوا۔ خمخانہ (ج ۳ ص ۳۰۴) کے مصنف فرماتے ھیں کہ اکبر شاہ ثانی (۱۸۰۶-۳۷ع) کے عہد میں تھا یہ رائے تو یکسر غلط ھے، کیونکہ میر اور گردیزی برسوں قبل اس کو مردہ لکھ چکے ھیں۔ البتہ گلزار کی روایت قابل غور ھے۔

قائم نے اس شخص کے متعلق لکھا ھے کہ « مدت چند ما ھست کہ بہمین احوال از جہان رفت» (ص ۶۳)۔ اگر گلزار کی روایت صحیح ھے، تو پھر اس کا یہ مطلب ھوگا کہ رسوا نے ۱۱۶۱ھ (۱۷۴۸ع) کے قبل انتقال کیا تھا۔ قائم نے اس کا تذکرہ مرنے کے چند ماہ بعد کیا ھے۔ اس سے ھم یہ قیاس کر سکتے ھیں کہ کم از کم ۲۹ ربیع الآخر ۱۱۶۱ھ (مارچ ۱۷۴۸ع) میں محمد شاہ کے انتقال سے قبل قائم نے یہ حال لکھا ھے۔

(۴) قائم نے محمد علی حسمت کے متعلق لکھا ھے کہ

« سابق برس دو سال، برفاقت قطب الدین علی خان .. .. سمت چکائہ

مرادآباد رفته بود۔ چون درآنجا با فوج علی محمد روهیله برای جنگ عیان آمد، همانجا مع خان مذکور بمرات تمام کشته شد » (ص ۲۶)۔

واقعہ یہ ہے کہ نواب سید علی محمد خان بہادر کے ۳ شوال ۱۱۶۲ھ (ستمبر ۱۷۴۹ع) کو فوت ہوجانے کے بعد، صفدر جنگ نے روہیلوں کی قوت توڑنے کے لیے، قطب الدین خان کو روہیل کھنڈ کی ریاست کا پروانہ بادشاہ سے دلا کر مرادآباد روانہ کیا تھا۔ اون کے ساتھہ صرف چند سو آدمی تھے۔ روہیلوں نے مقابلہ کر کے اونھیں فوج کے ساتھہ قتل کر دیا۔ اس واقعے کی صحیح تاریخ نہیں ملی، لیکن مختلف کتابوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ذیحجہ ۱۱۶۲ھ (نومبر ۱۷۴۹ع) میں والیء فرخ آباد کی روہیل کھنڈ پر فوج کشی سے قبل یہ معرکہ پیش آیا تھا۔

میر نے «نکات الشعرا» میں اور گردیزی نے اپنے «تذکرۂ ریختہ گویان» میں بھی حشمت کے متعلق یہی لکھا ہے کہ وہ قطب الدین خان کے ہمراہ روہیلوں کی جنگ میں مارا گیا۔ مگر اونھوں نے زمانے کا تعین نہیں کیا قائم اس کے برخلاف یہ کہتا ہے کہ دو سال ہوئے جو حشمت، قطب الدین خان کے ہمراہ مرادآباد جا کر، جنگ میں کھیت رہا۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ آخر ۱۱۶۴ھ (۱۷۵۱ع) یا آغاز ۱۱۶۵ھ (۱۷۵۱ع) میں اپنی ذاتی معلومات کی بنا پر اوس نے یہ حال لکھا ہے۔

بعض بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ قائم نے ۱۱۶۸ھ کے بعد بھی حاشیا اضافے کیے ہیں، جو ۱۱۶۹ھ (۱۷۵۵ع) سے ۱۱۷۶ھ (۱۷۶۲ع) تک کے زمانے کو ظاہر کرتے ہیں۔

(۱) آبرو کے ذکر میں خان آرزو کو دعا دی ہے کہ «خدا سلامتش دارد» (ص ۱۴)، اور بعد ازاں میر کے حال میں اون کا ذکر بصیغۂ ماضی کیا ہے، اور لکھا ہے کہ « در خدمت خان آرزو، کہ خالوی او بود، تلمذی داشت

اندوحته » (ص ۴۱)۔

حان آررو کا انتقال ۲۳ ربیع الثانی سنه ۱۱۶۹ھ (۲۶جنوری ۱۷۵۶ ع) کو هوا ھے۔ لہذا یقینی امر ھے که میر کا حال یا اوس کا یه حصه اس ماه و سال کے بعد لکھا گیا ھے۔

(۲) محتشم علی حان حشمت مخلص کو کہتا ھے که « قبل ازیں هفت سال بمرگ فعه ار جہان رفت » (ص ۲۷)۔ حان آررو فرماتے هیں که ان کا انتقال، نجم الدوله کے مرنے سے دو تین مہینے پہلے ۱۱۶۳ھ (۵۰-۱۷۴۹ع) میں هوگیا تھا۔ (مجمع النفائس: ۱۳۵ الف) دوسرے تذکره نگاروں نے بھی یہی سال وفات لکھا ھے۔ اس صورت میں قائم کا یه ٹکڑا ۱۱۷۰ھ (۱۷۵۶-۵۷ع) کے لگ بھگ لکھا جانا چاهیے۔

(۳) حواجه میر درد کے حال میں اوں کی تصنیفات کے منجمله «صحیفۂ واردات » کا نام بھی لکھا ھے۔ یه کتاب حود حواجه صاحب کے بیان کے مطابق ۱۱۷۲ھ (۱۷۵۹ع) میں لکھی گئی ھے۔ حواجه صاحب کے الفاظ یه هیں:

> « و بیشتر ازیں رساله، یعنی اکثر وارد، در حضور اقدس حناب امیرالمحمدیین حضرت ولله گاهی دامت برکاته در سنه یکهزار و یك صد و هفتاد و دو هجری تحریر یافته بود . و در همیں سال تاریخ دوم ماه مبارك شعبان المعظم روز شنبه بین العصر و المغرب رحلت آنحناب شده است» (علم الکتاب ص ۹۱)۔

شمع محفل (ص ۳۲۰) کے آخر میں فرماتے هیں:

> « چنانچه ار اتفاقات ورود صحیفۂ واردات بحضور پرنور در سال وصال آن زبدة الواصلین . ...حواجه محمد ناصر... اعنی یکهزار و یکصد و هفتاد و دو شده بود »۔

ان اقتباسوں سے معلوم هوتا ھے که واردات کا زیاده حصه ۲ شعبان

۱۱۷۲ھ (۳۱ مارچ ۱۷۵۹ع) سے قبل انجام کو پہنچ چکا تھا۔ قائم نے ان کے والد کے متعلق لکھا ھے کہ

«والد شریفش خواجه محمد ناصر، که یکی از اولیای روزگار و مشائخ کبار است، به نسبت مریدی و فرزندیء وی افتخارها دارد»۔

اس سے یہ اندازہ ھوتا ھے کہ ابھی تک میر درد کے والد بقید حیات تھے، لہذا قائم نے میر درد کا حال رجب ۱۱۷۲ھ میں لکھا ھوگا۔ اور چونکہ نالۂ درد (ص۲) میں درد نے لکھا ھے کہ صحیفۂ واردات کے تمام کرتے وقت میری عمر ۳۹ سال کی تھی، اس لیے ھم یہ کہ سکتے ھیں کہ قائم نے ان کا حال ۳۹ سال کی عمر میں ۱۱۷۲ھ میں لکھا ھے۔

(۴) نول رائے وفا کے ذکر میں لکھا ھے کہ

«مہین برادرش زاده، گلارای ۰ دیوان مدارالمہام امیرالامرا نواب نجیب‌الدوله بہادر است» (ص ۲۷)۔

نجیب‌الدولہ کو منصب امیرالامرائی، خزانۂ عامرہ (ص ۵۳) کے مطابق ۱۱۷۰ھ (۱۷۵۶-۵۷ع) میں احمدشاہ ابدالی نے عطا کیا تھا۔ اوس کی مراجعت کے بعد عمادالملک نے انھیں برطرف کرکے خود یہ منصب سنبھالا۔ بعد ازاں پانی پت کی مشہور جنگ (جمادی الآخرہ ۱۱۷۴ھ مطابق جنوری ۱۷۶۱ع) کے بعد، احمدشاہ ابدالی نے پھر انھیں کو یہ عہدہ عطا کیا۔ صاحب حدیقۃ الاقالیم نے ۱۱۷۰ھ میں نجیب خان کو نجیب الدولہ خطاب ملنے اور ۱۱۷۴ھ (۱۷۶۰-۶۱ع) میں «مدارالمہام امیرالامرا» کا خطاب و منصب عطا ھونے کی تصریح کی ھے (ص ۱۳۷)۔

ان کی امیرالامرائی کا ابتدائی زمانہ کم ھے۔ بعید معلوم ھوتا ھے کہ اس مختصر سے عرصے میں انھوں نے دیوان وغیرہ بھی مقرر کر لیے ھوں، اور قائم انھیں وفا کے ذکر میں امیرالامرا لکھ بھی دے۔ اغلب یہ ھے کہ

۱۱۷۴ھ کے بعد اوس نے وفا کا حال لکھا ہے، جب کہ نجیب الدولہ اطمینان کیساتھ اس عہدے پر کام کر رہے تھے، اور «مدار المہام امیر الامرا» دونوں لفظوں کے مستحق ہو چکے تھے۔

(۵) مہربان خاں رند کے حال میں (ص ۵۵) لکھا ہے کہ

> «دریں اثنا میرزا محمد رفیع سودا، سلمہ اللہ تعالی، برفاقت وزیر الممالک نواب غازی الدین خاں بہادر در بلدہ فرخ آباد رسیدند. خان موصوف از نواب وزیر درخواستہ میرزای موصوف را برفاقت خود گرفت»۔

ظاہر ہے کہ یہ ٹکڑا سودا کے فرخ آباد جانے کے بعد لکھا گیا ہے۔ چونکہ اس میں قائم نے سودا کا فرخ آباد جانا، نواب غازی الدین خاں کے ہمراہ بتایا ہے، اس لیے یہ دیکھنا چاہیے کہ نواب کس زمانے میں فرخ آباد گئے۔ مولوی ولی اللہ، تاریخ فرخ آباد (۶۷ الف) میں لکھتے ہیں کہ غازی الدین خاں (۱) ۱۱۷۰ھ (۵۷-۱۷۵۶ع) میں میرزا ہدایت بخش اور میرزا بابر کے ساتھ فرخ آباد آئے۔ نواب احمد خاں نے بڑی شان و شکوہ کے ساتھ استقبال کیا، اور بہت کچھ نذر گزرانا۔ آزاد بلگرامی نے بھی خزانۂ عامرہ (ص ۵۳) میں یہی واقعہ لکھا ہے مگر اس کے بعد یہ بھی فرماتے ہیں کہ فرخ آباد سے اودھ پر چڑھائی کی، اور نواب سعد اللہ خاں کے بیچ میں پڑ کر صلح کرا دینے کے بعد، ۲ شوال ۱۱۷۰ھ کو فرخ آباد واپس ہوئے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ۲ شوال سنہ مذکورہ سے قبل ان کا فرخ آباد میں ورود ہوا تھا۔ بعد ازاں اسی تاریخ کو صوبۂ اودھ سے لوٹ کر آئے۔

---

(۱) شیخ چاند مرحوم نے «سودا» (ص ۵) میں لکھا ہے کہ عماد الملک شاہ درانی کے مشورے سے ۱۱۶۷ھ میں شاہزادوں کے ہمراہ دوآبے میں روپیہ وصول کرنے آئے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ تمام تاریخیں متفق ہیں کہ یہ واقعہ درانی کے ۱۱۷۰ھ کے حملے کے بعد کا ہے۔

اس کے بعد عمادالملک نے ربیع الآخر ۱۱۷۳ھ (نومبر ۱۷۵۹ع) میں عالمگیر ثانی کو قتل کرنے کے بعد احمدشاہ ابدالی کی آمدآمد سن کر. سورجمل جاٹ کے پاس پناہ لی (۱)، اور ۱۱۷۶ھ (۱۷۶۲ع) تک. جو خزانۂ عامرہ کا سال تالیف ہے، وہیں مقیم رہے (۲)- تاریخ فرخ آباد سے معلوم ہوتا ہے که تقریباً اسی سال فرخ آباد میں پھر تشریف فرما ہوئے- نواب احمدخان نے بڑی خاطر مدارات کی اور گزر اوقات کیلیے معقول جاگیر مقرر کردی(۳)- مولوی ولی‌الله لکھتے ہیں که شاه عالم بادشاه کے الٰه‌آباد سے دهلی واپس جانے تک فرخ آباد ہی میں قیام رہا- جب یه خبر ملی که بادشاه اس نواح سے گزریں گے. تو اس خوف سے که کہیں بادشاہ اپنے باپ کے قتل کا انتقام نه لے لیں. وهاں سے ہمیشه کے لیے رخصت ہوگئے. اور پنجاب وسندھ وغیرہ ہوتے ہوئے مکۂ معظمه چلے گئے- حج سے واپسی کے بعد کالپی میں ٹھہرے، اور وهیں ۱۲۱۵ھ (۱۸۰۰ع) میں انتقال کیا (۴)- انہیں مولوی ولی‌الله نے بادشاه کی الٰه‌آباد سے روانگی کا سنه ۱۱۸۴ھ (۱۷۷۰ع) بتایا ہے (۵)، جس کا یه مطلب ہے که عمادالملک کا فرخ آباد میں قیام ۱۱۷۶ھ سے ۱۱۸۴ھ تک رہا تھا

بظاہر یه ناممکن ہے که سودا عمادالملک کے ساتھ ۱۱۷۰ھ میں فرخ آباد گئے ہوں، کیونکه انہیں تذکرہ نویسوں نے شاه عالم بادشاه کا استاد بتایا ہے، جو ۱۱۷۳ھ (۶۰-۱۷۵۹ع) میں تخت‌نشین ہوئے تھے- اگر یه ۱۱۷۰ھ (۵۷-۱۷۵۶ع) میں فرخ آباد چلے گئے ہوتے. تو یه استادی شاگردی کا رشته بعیدالوقوع تھا- دستر عشق سے معلوم ہوتا ہے که ان کی دهلی سے

(۱) مقالات الشعرا (۱۰ ب) میں، جو ۱۱۷۳ھ کی تالیف ہے، ان کا ابدالی کے ڈر سے بھاگ کر سورجمل کے پاس بھرتپور میں قیام بتایا ہے- چونکه اس زمانے میں مصنف مقالات وهاں موجود ہے، اس لیے اوس کی شہادت پر اعتماد کیا جا سکتا ہے-
(۲) خزانۂ عامرہ: ۵۴ (۳) تاریخ فرخ آباد اردو ۹۲، ۲(۴) تاریخ فرخ آباد: ۱۲۷ ب
(۵) ایضاً ۱۲۱ ب-

روانگی، احمدشاہ ابدالی کے ھاتھوں دارالسلطنت کی دوسری لوٹ کے بعد واقع ھوئی تھی۔ احمدشاہ کا دھلی میں دوسری بار داخلہ شعبان ۱۱۷۴ھ (مارچ ۱۷۶۱ع) میں ھوا تھا مقالات الشعرا کے مصنف نے بھی اس سال کے حملے کو دوسرا حملہ قرار دیا ھے۔ وہ لکھتا ھے:

«دریں ھنگام، کہ سنہ یکہزار و یکصد وھفتاد و سہ ھجری و شعلہ انگیزیء آتش ھنگامہ مسطور کرت ثانی است» (ورق ۲ ب)۔

لہذا سودا کو ۱۱۷۴ھ کے بعد دھلی کو خیرباد کہنا چاھیے۔ سودا کے دیوان میں نواب مہربان خاں کی شادی کا قطعۂ تہنیت پایا جاتا ھے، جس کے مادۂ تاریخ ‹‹ھوا ھے وصل ماہ و مشتری کا›› سے ۱۱۷۶ھ برآمد ھوتے ھیں۔ چونکہ عمادالملک ۱۱۷۶ھ میں بھرتپور سے فرخ آباد گئے ھیں، اس لیے اغلب یہ ھے کہ سودا احمدشاہ کے دوسرے حملے کے بعد عمادالملک کے پاس بھرتپور پہنچے، اور وھاں سے اون کے ساتھہ ھی ۱۱۷۶ھ میں فرخ آباد چلے گئے۔ اس صورت میں قائم نے ان کے متعلق جو کچھہ لکھا ھے، وہ ۱۱۷۶ھ کے بعد کا اضافہ ھوگا۔

سنہ ۱۱۷۶ھ کا یہ اضافہ تنہا نہیں ھے۔ دردمند کے بارے میں لکھا ھے:

«چنانچہ مثنوی ساقی نامہ مع دیگر ابیات بر صفحۂ روزگار از و یادگار است» (صفحہ ۴۹)۔

یہ الفاظ اون اشخاص کے لیے استعمال کیے جاتے ھیں، جو اس دنیا سے رحلت کر چکے ھوں۔ دردمند نے، گلزار ابراھیم اور گلشن ھند (ص ۱۳۰) کے مطابق ۱۱۷۶ھ میں انتقال کیا ھے لہذا یہ حصہ بھی سنہ ۱۱۷۶ھ کے بعد لکھا جانا چاھیے۔

ان مقامات کے ماسوا عاصمی اور درد وغیرہ کے حالات دوسری تاریخوں تک رہنمائی کر سکتے ہیں۔ اگر ہمارے پاس دوسرے ذرائع سے معلومات مہیا ہو جائیں۔

بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ قائم نے پہلے اپنا تذکرہ بیاض کی صورت میں مرتب کیا تھا۔ اس بیاض کے آغاز کے بارے میں سب سے پہلی تاریخ ۱۱۵۷ھ (۱۷۴۴ع) ملتی ہے۔ اوس وقت تک اردو گو شاعروں کا کوئی تذکرہ مرتب ہوا تھا ۱۱۶۷ھ (۱۷۵۳-۵۴ع) میں احمدشاہ کے معزول ہو جانے اور عالمگیر ثانی کے تخت نشین ہونے کے بعد اس بیاض نے تذکرے کی شکل اختیار کرلی، اور مصنف نے اسکا تاریخی نام ''مخزن نکات'' رکھا، جس سے ۱۱۶۸ھ برآمد ہوتے ہیں اس تاریخ کے بعد بھی اوس نے جابجا اضافے کیے، جس کا سلسلہ ۱۱۷۶ھ (۱۷۶۲ع) تک جاری رہا۔ کتاب کا دیباچہ، بحر نام کے۔ آغاز تصنیف بیاض کے وقت کا ہے۔ اور خاتمہ۔ جس میں مصنف نے انقلاب سلطنت کا ذکر کیا ہے، ۱۱۶۸ھ کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے

یہ تذکرہ انجمن ترقی اردو کی طرف سے عرصہ ہوا چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔ کتابخانے میں اسکے پہلے دو طبقوں کا اردو ترجمہ قلمی شکل میں موجود ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ محسن علی محسن، مصنف سراپا سخن، اس کے مترجم ہیں۔ اس ترجمے میں مترجم نے بھی ممتاز طور پر کچھ اضافے کیے ہیں۔

۷- مقالات الشعرا، قلمی۔

یہ ۱۵۹ فارسی گو شاعروں کا تذکرہ ہے، جسے قیام الدین حیرت ولد شیخ امان اللہ اکبرآبادی نے، ریاض الشعرای والہ،

مجمع النفائس آرزو، اور سفینۂ شوق رای بسنت کھرای کی مدد سے مرتب کیا ھے

موخرالذکر کتاب کا مصنف، احمدشاہ ابدالی کے سنہ ۱۱۷۰ھ میں دلی پر حملہ آور ہونے کے بعد نقل وطن کر کے مع اھل و عیال اکبرآباد چلا آتا تھا۔ اور اس نقل و حمل کے زمانے میں بھی وہ تذکرے کو مرتب کرتا رہا تھا۔ حیرت ایک برس اور چند مہینے اوس کی خدمت میں رہا۔ (۴۵ ب)۔ غالباً اسی زمانے میں "سفینة الشوق" دیکھ کر حیرت کو تذکرہ مرتب کرنے کا خیال پیدا ہوا ہوگا۔ مگر وہ دیباچے میں یہ لکھتا ھے کہ جب ہندوستان میں احمدشاہ ابدالی کی پہلی بار پھیلائی ہوئی قتل و غارت کی آگ بجھی، خوش بختانہ مجھے مذکورۂ بالا تذکروں کے دیکھنے کا موقع ملا۔ دل میں آیا کہ عہد اورنگ زیب عالمگیر سے زمانۂ عالمگیر ثانی تک جو شاعر گذرے ھیں، اون کے حالات پر مشتمل ایک کتاب ترتیب دوں۔ کچھ دنوں تک یہ تمنا دل میں کھٹکتی رہی

«دریں ھنگام که سنۂ یکہزار و یکصد و ھفتاد و سه ھجری و شعله انگیزی و آتش ھنگامۂ مسطور کرت ثانی است، نسیم قبول بر غنچۂ امید از مہب الطاف مولی وزیده، و نکہت انتظام این گلدستۂ بہار بمشام آرزو را معطر گردانید .. ترتیب این رساله بحروف تہجی نہاده، و به مقالات الشعراء که مضمن تاریخ تالیف است بنقصان پنج ششماه، موسوم ساخت» (۲ ب و ۳ الف)۔

محمد نعیم بیزار کے ذکر میں لکھا ھے:۔

«دریںولا که خبر وفاتش شنیده ام، از تلخیٔ غم، شربت عیش بر مذاق طبیعت ناگوار است .. احقر تاریخ وفاتش که از روز و ماه مطلع نشده، چنیں یافته

چوں وزدیا بر رفت سوی جناں یا رجب یا کہ ماہ شعباں بود
حیرت از سال رحلتش ہاتف دادحیرم «ندیم رضواں بود»

اس مادے سے ۱۱۷۳ھ (۶۰-۱۷۵۹ع) برآمد ہوتے ہیں، اور شعر اول سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رجب یا شعبان سنۂ مذکورہ میں ان کی وفات ہوئی تھی۔ لہذا ان مہینوں تک کار ترتیب کا جاری رہنا ظاہر ہوتا ہے۔

مقالات الشعرا سے ۱۱۷۴ھ (۶۱-۱۷۶۰ع) نکلتے ہیں۔ اشپرنگر نے اسی کو سال تالیف قرار دیا ہے۔ مگر مصنف اسے ''نقصان پنج شش مادہ'' سال تالیف کو ظاہر کرنیوالا بتاتا ہے۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ کتاب ۱۱۷۳ھ ہی میں ختم ہو چکی تھی، اور جب اوس نے ''مقالات الشعرا'' نام رکھا ہے، تو اوس وقت ۱۱۷۴ھ کے شروع ہونے میں ۵ یا ۶ مہینے باقی تھے۔

خواجہ محمد ناصر عندلیب نے ۱۱۷۲ھ (۵۹-۱۷۵۸ع) میں وفات پائی ہے۔ حیرت نے انکا ذکر ایسے لفظوں میں کیا ہے، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بقید حیات تھے۔ اس سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ترتیب کا آغاز ۱۱۷۲ھ سے قبل ہوا ہے۔

اپنے متعلق حیرت نے لکھا ہے کہ میرے والد کا نام شیخ امان اللہ اور اکبرآباد وطن ہے، ۳۰ سال کی اس وقت عمر ہے، اور دیوان کشن جی، طیب ٹھاکر سورجمل، والیء بھرتپور، کے بچوں کی اتالیقی کی خدمت پر متعین ہوں، اور بھرتپور میں قیام ہے (۳۹ الف)۔ میاں محمد جان گوپاموی سے، جنھوں نے عرصے سے اکبرآباد ہی میں سکونت اختیار کرلی تھی، فارسی پڑھی ہے (۲۹ الف) اور محمد نعیم بیدار سے، جو بے بدل منشی اور شاعر تھے،

نظم‌ونثر پر اصلاح لی ہے۔

کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں اس تذکرے کا ایک مخطوطہ محفوظ ہے، جو چھوٹے سائز کے ۸۲ ورقوں پر ۱۲۲۸ھ(۱۸۱۳ع) میں معمولی اور پر اغلاط نستعلیق خط میں لکھا گیا ہے۔ اس نسخے میں ۱۵۹ شاعروں کا ذکر ہے۔ اشپرنگر کے نسخے میں ۱۶۰ درج ہیں (۱)۔ وہ شاعر، جس کا ذکر ہمارے نسخے میں نہیں ہے، چنی لال احسان تخلص ہے۔

۸- چمنستان شعرا (چمنستان)، مطبوعہ۔

یہ اچھمی نرائن شفیق اورنگ آبادی کا مرتبہ تذکرہ ہے، جس میں ۲۱۴ ریختہ گویوں کے حالات اور منتخب کلام مندرج ہے

دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۷۵ھ (۱۷۶۱ع) میں اس کا اختتام ہوا ہے۔ یہی سال اس کے نام سے بھی برآمد ہوتا ہے۔ میر علی اکبر رمال کے ذکر میں مصنف نے ایک رائحہ نقل کیا ہے (ص ۱۵۴)، اور وہاں ۶ رمضان ۱۱۷۵ھ (۳۱ مارچ ۱۷۶۲ع) تاریخ لکھی ہے۔ تحسان کی تاریخ وفات غرۂ شوال ۱۱۷۵ھ (۲۶ اپریل ۱۷۶۲ع) تحریر کی ہے (ص ۳۲۴)۔ ان دونوں مقامات سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ۱۱۷۵ھ کے آخر تک کام جاری رہا ہے۔

شفیق نے اپنے سوانح لکھتے ہوئے (ص ۴۹۴) بتایا ہے کہ صفر ۱۱۵۸ھ (فروری ۱۷۴۵ع) میں میری ولادت ہوئی ہے۔ اور اب اٹھارہ سال کی عمر ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مصنف نے اپنا حال ختم کتاب کے ایک سال بعد لکھا ہے۔ اسی طرح رنگین کی تاریخ وفات

(۱) مگر سہو طباعت سے بجائے ۱۶ کے ۱۵۰ چھپ گئے ہیں۔ ملاحظہ ہو فہرست کتابخانہاے شاہ اودھ ۱۵۲

اور قطعۂ تاریخ بھی بعد کو اضافہ کیے گئے ہیں (ص ٥١٩)۔

اس تذکرے کو بھی انجمن ترقیء اردو نے کتابخانۂ آصفیہ (حیدرآباد) کے واحد نسخے سے مرتب کر کے شائع کر دیا ہے۔

٩۔ تذکرة الشعراء، قلمی۔

یہ میر علاءالدولہ اشرف علی خان کا تالیف کردہ تذکرۂ شعرای فارسی ہے (١)، جو خود مصنف کے بیان کے مطابق ١١٧٨ھ (١٧٦٤ع) میں زیر تالیف تھا۔ ولایت کے حال میں لکھتا ہے:

«در حین تالیف تذکره، در سنۂ یکهزار و یکصد و هفتاد و هشت در سن هفتاد و هشت سالگی عرض اسهال موصل بحق گردید (٥٣٣ الف)

میرزا عبدالرضا متین، متوفی ١١٧٤ھ (٦١-١٧٦٠ع)، کو لکھا ہے:

چهار سال پیش از تحریر تذکره بروضۂ رضوان خرامید (٣٥٧ الف)۔

اس سے بھی مذکورۂ بالا سنہ کی تائید ہوتی ہے۔ میر حسن کو میر شمس الدین فقیر کے ذکر میں «دام بقاءہ» کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ شیخ ١٨ جمادی الاولی ١١٨٠ھ (اکتوبر ١٧٦٦ع) کو فوت ہوئے ہیں۔ لہذا اس تذکرے کو اون کی حیات میں تالیف ہونا چاہیے۔ ١١٧٨ھ میں وہ یقیناً زندہ تھے اس لیے مذکورہ سنہ کی مزید تائید ہوجاتی ہے۔

کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں اس تذکرے کا ایک نسخہ محفوظ ہے، جو علی سرہندی کے حال سے نواب یحیی خان کے ذکر تک ہے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شروع سے تقریباً نصف اور آخر سے چند اوراق کم ہوگئے۔ نیز یہ مسودہ معلوم ہوتا ہے، کیونکہ عبارت مختلف معمولی خطوط میں متن اور حواشی دونوں جگہ لکھی ہوئی ہے۔ عنوانات جگہ جگہ سادہ چھوڑے گئے ہیں۔ ورق ١٣٢ الف اور ١٩٥ ب پر دو تحریریں ہیں، جن کے آخر میں «مکین» درج ہے۔ یہ میرزا فاخر مکین کی تنقیدیں

---

(١) میر علاؤالدولہ کے بیٹے، میر فخرالدین حسن، فخر تخلص، کے ذکر میں میر حسن نے بھی اس تذکرے کا ذکر کیا ہے۔

معلوم ہوتی ہیں۔ سودا کا کلیات دیکھنے والوں کو علم ہے کہ اس تذکرے پر مکین نے جو اصلاحیں دی تھیں، اون کی تردید میں سودا نے «عبرۃالغافلین» نامی رسالہ لکھا ہے چونکہ مولف تذکرہ اون اصلاحوں کے خلاف تھے، اس لیے ممکن نہ تھا کہ وہ صاف شدہ نسخے میں بھی اونھیں باقی رکھتے۔ اس بنا پر اغلب یہی ہے کہ زیر نظر نسخہ مسودہ ہو۔

۱۰۔ تذکرۂ شعرا (حسن)، قلمی۔

یہ تذکرہ ۳۰۴ اردو گو شاعروں کے حالات اور منتخب کلام پر مشتمل ہے، جسے میر حسن دہلوی، متوفی عشرۂ محرم سنہ ۱۲۰۱ھ (۱۹ اکتوبر ۱۷۸۶ع)، نے فارسی زبان میں لکھا ہے۔ مخدومی نواب صدر یار جنگ بہادر مطبوعہ نسخے کے مقدمے میں سال تصنیف کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

> «تذکرۂ ہذا میں میر صاحب نے جو دو مثنویاں اپنی تصنیف کی لکھی ہے، اس میں مثنوی رموزالعارفین ہے، گلزار ارم نہیں ہے۔ رموزالعارفین کا سال تصنیف سنہ ۱۱۸۸ھ ہے اور گلزار ارم کا سنہ ۱۱۹۲ھ۔ رموزالعارفین کی نسبت لکھا ہے کہ وہ مشہور ہو چکی ہے۔ اس سے واضح ہے کہ تذکرہ سنہ ۱۱۸۸ھ اور سنہ ۱۱۹۲ھ کے مابین لکھا گیا۔» (ص ۲، طبع ثانی)

خود میر حسن نے خاتمۂ کتاب میں یہ لکھا ہے کہ «در تاریخ یکہزار و یکصد و نود و یک ہجری باتمام رسید» (صفحہ ۲۰۸، طبع مذکور)۔ اس سے یہ قیاس کرنا بجا ہے کہ کتاب کی تالیف و ترتیب کا کام ۱۱۹۱ھ (۱۷۷۷ع) میں ختم ہو گیا تھا۔ البتہ بعد میں بھی مصنف نے اضافے کیے ہیں، جن میں سے ایک شاہ فصیح کی تاریخ وفات ہے، جو ۱۱۹۲ھ (۱۷۷۸ع) میں واقع ہوئی تھی۔

اب اس کے سال آغاز کا مسئلہ باقی رہتا ہے۔ کتاب کے مختلف مقامات سے اس پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ سب سے پہلے «رموز العارفین» مصنفۂ ١١٨٨ھ (١٧٧٤ع) کا ذکر ہے، جیسا کہ نواب صدر یار جنگ بہادر نے ارشاد فرمایا ہے۔ اسکے ماسوا، احسن اور سودا کے حال میں لکھا ہے کہ یہ دونوں نواب شجاع الدولہ بہادر کی سرکار میں ملازم ہیں، جسکے یہ معنی ہیں کہ یہ حالات شجاع الدولہ کی زندگی میں لکھے گئے۔ شجاع الدولہ ٢٤ ذیقعدہ ١١٨٨ھ (آخر جنوری ١٧٧٥ع) کو فوت ہوئے ہیں۔ لہذا یہ حالات اس تاریخ سے پہلے لکھے گئے ہونگے۔ اسی طرح نواب محمد یار خان بہادر، متوفی ذیقعدہ ١١٨٨ھ، کو «خدا وائم دارد» لکھا ہے۔ گویا انکا ذکر بھی اس ماہ و سال سے پہلے لکھا ہے۔

اب یہ طے کرنا چاہیے کہ نواب شجاع الدولہ اور نواب محمد یار خان بہادر کے انتقال سے کتنا پہلے کام شروع کیا۔ میرزا مظہر کے بارے میں میر حسن لکھتے ہیں:

«الحال بطرف سنبھل مراد آباد استقامت دارد و ہمان جا وعظ می فرماید۔»

میرزا مظہر، علیہ الرحمہ، کے ایک خط میں اون کے سفر روھیلکھنڈ کیطرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس خط کو شاہ نعیم اللہ بہڑائچی نے معمولات مظہریہ (١) میں نقل کیا ہے۔ میرزا صاحب اپنے مرید پیر علی کو لکھتے ہیں:

«آنچہ از عالم تدبیر معاش نوشتہ اند، محاسنت۔ اما فقیر را طاقت حرکت و دماغ سیر و سیاحت ہرگز نماندہ برای رداحت یاران طریقہ کہ از اطراف ہجوم کردہ اند، آمدہ ام۔ بعد دو ماہ بدہلی میروم کہ متعلقان آنجا ہستند، و از ہر طرف فتنہ قصد دہلی می کند۔ تا این ہمہ دنیاداران این حدود با فقیر معرفتی ندارند۔ عقیدت معلوم۔

(١) معمولات مظہریہ ١١٣، نظامی کانپور، سنہ ١٢٧٥ھ

یاد ندارند که روز ملاقات این قصه را مفصل باشما گفته ام که خانساماں و بخشی، یعنی فتح خان و سردار خان، را در تمام عمر خود گاهی ندیده ام، و دوندے خان را، که ارادۂ ملاقات فقیر داشت، منع کردم که نیاید، و حافظ رحمت خان، که پیش فقیر حاضر شده بود، صحبت او با فقیر نادرست افتاد، و پسران علی‌محمد خان را هرگز نمی شناسم۔ ربط کجا و سفارش معلوم۔»

اس خط سے مقام کتابت پوری طرح متعین نہیں ہوتا۔ لیکن ایک اور خط، بنام میر محمد معین صاحب، میں فرمایا ہے :

«امروز، که دهم شوالست، بتقریب تعزیت حضرت خانصاحب یعنی والد بزرگوار شما، که جامع هزاران مناقب بودند، و از انتقال ازین عالم داعی یادگار گذاشتند که بس، در آنوله حاضرم، و بعد توقف سه شبانه روز فردا مراجعت به سنبهل خواهم نمود۔» (ایضاً ۱۱۵)

ان دونوں خطوں کے پڑھنے سے ہم اس نتیجے تک پہنچ جاتے ہیں کہ (الف) میرزا مظہر، رحمہ‌اللہ علیہ. کا یہ سفر نواب دوندے خان کی حیات میں واقع ہوا تھا، (ب) اوس زمانے میں چاروں طرف سے فتنہ و فساد دهلی کا رخ کر چکا تھا. اس لیے میرزا صاحب دو ماہ کے بعد اپنے متعلقین کی خبر گیری اور حفاظت کے خیال سے دهلی واپس جانا چاہتے تھے. (ج) اور ۸ سے ۱۰ شوال تک آنولے میں قیام کر کے گیارھویں تاریخ کو سنبھل کی طرف سفر کرنے کا قصد تھا۔

اخبار الصنادید میں نواب دوندیخاں بہادر کی تاریخ وفات. ۳ محرم ۱۱۸۵ھ (۱۸ اپریل ۱۷۷۱ع) بتائی گئی ہے۔ لہذا میرزا صاحب کا سفر روھیل کھنڈ اس سنہ کے شروع ہونے سے قبل کا واقعہ قرار پاتا ہے جس فتنے کا میرزا صاحب نے اپنے مکتوب میں حوالہ دیا ہے. اوس سے مرہٹوں کی دلی پر چڑھائی مراد ہے۔ انھوں نے ۱۱۸۳ھ (۱۷۶۹ع) میں بہت بڑے لشکر کی صورت میں دریای چنبل عبور کر کے

دلی کا رخ کیا تھا، مگر نواب نجیب‌الدولہ بہادر نے فرخ‌آباد کی تسخیر کی طرف متوجہ کر دیا۔ آغاز ١١٨٤ھ (١٧٧٠ع) میں یہ مہم مرہٹوں نے شروع کر کے قلعۂ شکوہ‌آباد روہیلوں سے لینے کے بعد صلح کر لی۔ اسی سال غالباً رجب میں نواب نجیب‌الدولہ بہادر کا انتقال ہو گیا، اور مرہٹے دھلی کی طرف بڑھے۔ چنانچہ سنہ ١١٨٥ھ میں ضابطہ خاں دھلی چھوڑ کر چلے گئے، اور اس پر مرہٹوں کا قبضہ ہو گیا۔ دھلی پر قبضہ کر کے مرھٹوں نے شاہ عالم کو الہ‌آباد سے بلا کر تخت نشین کیا، اور اب ضابطہ خاں پر یورش کر کے سکرتال میں اونھیں شکست دی۔

اس سے یہ قیاس کرنا بیجا نہیں کہ ١١٨٤ھ میں میرزا صاحب آنولے یا سنبھل میں تھے۔ چونکہ اونھوں نے ٨ سے ١٠ شوال تک آنولے میں قیام ظاہر کیا ھے، اور تقریباً اسی زمانے میں مرھٹوں نے فرخ‌آباد کی مہم سر کی ھے۔ اس لیے یہ سفر شوال ١١٨٤ھ (جنوری ١٧٧١ع) میں واقع ہونا چاھیے۔ اور اس زمانے میں اونکا یہ لکھنا درست ھے کہ فتنہ دھلی کا قصد کر رہا ھے، لہذا میں دو مہینے کے سفر کے بعد دھلی واپس جانا چاھتا ہوں۔

اب اگر میر حسن نے ان کے حالیہ سفر کا ذکر کیا ھے، تو اس حصے کی تالیف شوال ١١٨٤ھ یا اس کے قریب قریب ہونی چاھیے۔ اس کی تائید نعیم کے ذکر سے ہوتی ھے۔ میر حسن نے اوس کا حال اس انداز سے لکھا ھے، کہ ھم میں اوس کی زندگی کا یقین ہوتا ھے۔ مصحفی نے اپنے «تذکرۂ ھندی گویاں» (٨٥ ب) میں لکھا ھے کہ سکرتال کی لڑائی کے بعد نعیم کا انتقال ہوا۔ مولوی قدرت‌اللہ شوق نے «تکملۃالشعرا» میں بتایا ھے کہ ١١٨٥ھ (١٧٧١ع) میں

رحلت کی ھے۔ چونکہ سکرتال کی جنگ بھی اسی سال کا واقعہ ھے، اس بنا پر ان دونوں بیانوں میں کوئی تناقض نہیں پایا جاتا، اور ھم یہ کہ سکتے ھیں کہ میرحسن نے اوس کا حال ۱۱۸۵ھ سے قبل لکھا ھے، جو بعید نہیں کہ ۱۱۸۴ھ ھی کا واقعہ ھو، جب کہ اوس نے میرزا مظہر کا حال لکھا تھا۔

مزید تائید میں میرحسن کے اوس جملے کو پیش کیا جا سکتا ھے، جو مصحفی کے بارے میں لکھا ھے، کہ «الحال در شاھجہاں آباد بہ پیشۂ تجارت بسرمی‌برد» میری رائے یہ ھے کہ میر حسن نے جس زمانے میں یہ فقرہ لکھا ھے، مصحفی دلی سے نکل کر ٹانڈے، اور وہاں سے لکھنئو نہیں گئے تھے۔ اگر لکھنئو کا سفر اختیار کر چکے ھوتے، تو ناممکن تھا کہ مصنف اس کا ذکر نہ کرتا۔ مصحفی نے لکھنئو کا یہ سفر ۱۱۸۵ھ میں سکرتال کی جنگ کے بعد اختیار کیا تھا۔ اس بنا پر یقین ھے کہ ان کا حال بھی ۱۱۸۴ھ کے لگ بھگ لکھا گیا ھے۔ اسی سلسلے میں میر شمس‌الدین فقیر کے متعلق یہ فقرہ قابل توجہ ھے:

«در بنولا بطرف کربلائے معلی تشریف بردہ بود ھماں جا بجوار رحمت ایزدی پیوست۔»

فقیر کا انتقال اس سفر سے واپسی پر ۱۱۸۳ھ (۱۷۶۹ع) میں ھوا ھے۔ «در بنولا» ایسے واقعے کے متعلق استعمال کیا جا سکتا ھے، جو حال ھی میں ظہور پذیر ھوا ھو۔ اگر یہ صحیح ھے، تو پھر ان کا حال بھی ۱۱۸۴ھ کے قریب لکھا ھوگا۔

ان دلائل کے پیش نظر میں یہ قیاس کرتا ھوں کہ میر حسن نے ۱۱۸۴ھ (۱۷۷۰ع) میں یا اس سے کچھ پیشتر تذکرہ شروع کر کے ۱۱۹۱ھ (۱۷۷۷ع) میں ختم کر دیا تھا۔ بعد کے اضافوں میں صرف شاہ

مصحفی کی تاریخ وفات ہے، جو سنہ ۱۱۹۲ھ میں واقع ہوئی تھی۔

اس تذکرے کا ایک قلمی نسخہ کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں موجود ہے۔ اس میں جابجا سادہ صفحات یا دس دس پانچ پانچ سطروں کی بیاضیں پائی جاتی ہیں۔ مر آخری حال دوسرے خط کا لکھا ہوا ہے، جس سے یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ خود مصنف کا نسخہ ہے۔ کہیں کہیں مطبوعہ نسخے سے متن میں اختلاف بھی ہے۔ یہاں صرف مصحفی کے متعلق ایک جملے کے اختلاف کا ذکر مناسب ہوگا۔ مطبوعہ نسخے میں عبارت یوں ہے:

«از نجبای امروهه. مولدش اکبر پور که قصبه ایست متصل دهلی، وطن بزرگانش از قدیم. الحال در شاهجهان آباد به پیشهٔ تجارت سر می برد.»

ہمارے قلمی نسخے میں یہ عبارت اس طرح ہے:

«از نجبای امروهه. مولدش اکبر پور که قصبه ایست متصل. الحال در شاهجهان آباد به پیشه تجارت سر می برد»

مطبوعہ نسخے کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصحفی جس اکبر پور نامی قصبے میں پیدا ہوا تھا، وہ دہلی کے متصل ہے اور قلمی نسخہ اس کے برخلاف یہ بتاتا ہے کہ قصبۂ مذکور امروہے کے پاس واقع ہے یو پی کے ڈسٹرکٹ گزیٹر (ج ۱٦ ص ۱) میں قصبۂ اکبرپور کا ذکر امروہے کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اور ہندوستان گزیٹیر میں دہلی کے قریب کسی اکبرپور نامی قصبے کا ذکر نہیں ملتا۔ اس سے یہ یقین ہوتا ہے کہ رامپور کے اس نسخے کی عبارت صحیح ہے اور مطبوعہ نسخے میں کاتبوں نے کتربیونت کر دی ہے

اس نسخے کے ۱۵۸ اوراق، خط عمدہ نستعلیق مگر کہیں کہیں غلط اور تمام صفحات مجدول ہیں۔

۱۱- جام جہان نما، قلمی-

یہ مولوی قدرت‌اللہ شوق رامپوری، متوفی ۱۲۲۴ھ (۱۸۰۹ع)، کی تصنیف ہے، اور فارسی زبان میں عالم کی تاریخ ہے

خاتمۂ کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۹۱ھ (۱۷۷۷ع) میں اس کی تالیف ہوئی تھی- مگر دہلی پر روہیلوں کے حالات میں جابجا اضافے بھی کیے گئے ہیں- چنانچہ دوسری جلد کے ورق ۷۳ ب پر ۱۱۹۲ھ، ۷۴ ب پر ۱۱۹۳ھ، ۷۵ ب پر ۱۱۹۵ھ، ۷۶ الف پر ۱۱۹۶ھ، ۷۸ الف پر ۱۲۰۳ھ، ۸۲ الف پر ۱۲۰۸ھ، ۸۷ الف پر ۱۲۱۲ھ، ۸۸ ب پر ۱۲۱۳ھ، ۹۰ الف پر ۱۲۱۸ھ، ۹۴ ب پر ۱۲۲۱ھ، اور ۹۵ الف پر ۱۲۲۳ھ پائے جاتے ہیں- موخرالذکر کو شوق نے «اکنون» سے تعبیر کیا ہے-

علاوہ ازیں، مولوی غلام طیب بہاری کو لکھا ہے کہ ۱۱۹۷ھ (۱۷۸۳ع) میں رامپور کے اندر انتقال کیا- میر درد اور ملا حسن فرنگی محلی کی وفات ۱۱۹۹ھ (۱۷۸۵ع) میں بتائی ہے-

اس تاریخ کا ایک قلمی نسخہ کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں محفوظ ہے- شیخ عبدالرحمن ولد شیخ بتھو، ساکن محلہ گوجر ٹولہ، نے ۱۲۷۰ھ (۱۸۵۳-۵۴ع) میں اسے رامپور میں لکھا ہے- جلدساز نے اس نسخے کو دو جلدوں میں تقسیم کر دیا ہے- اوراق کی تعداد ۴۳۳ اور سائز درمیانی ہے- خط نستعلیق اور کتابت پر اغلاط ہے-

۱۲- طبقات شعرا (طبقا) مطبوعہ-

یہ شوق کا تذکرۂ شعرائے اردو ہے، جس کا خلاصہ علی‌گڑھ سے شائع ہو چکا ہے- اصل تذکرہ جناب مرزا فرحت‌اللہ بیگ صاحب انجمن ترقیء اردو کے لیے مرتب فرما رہے ہیں-

شیخ چاند مرحوم نے سودا کی سوانح عمری میں لکھا ہے کہ اس

کا پہلا نسخه سنه ۱۱۸۸ھ (۱۷۷۴ع) میں مرتب ہوا تھا، مصنف نے ۱۲۰۹ھ (۱۷۹۴ع) میں نظر ثانی کر کے اسے تکمیل کو پہنچایا ھے۔

شوق نے «تکملة الشعرا» میں اسکا متعدد جگھوں پر جدا جدا ناموں سے ذکر کیا ھے۔ کہیں اس کا نام «تذکرۂ ہندی»، کہیں «حقیقه الشعرا» اور کہیں «تذکرۂ طبقات شعرای ہندی» لکھا ھے۔ چونکه مطبوعه نسخے میں موخرالذکر نام اختیار کیا گیا ھے، اس لیے میں نے بھی اسی کو عنوان میں درج کیا ھے۔

۱۳- تکمله الشعرا (تکمله)۔ قلمی۔

یه شوق کا فارسی گو شاعروں کا تذکرہ ھے۔ کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں اس کے ۲ قلمی نسخے ھیں۔ ایك ۱۲۱۸ھ (۱۸۰۳ع) میں حافظ غلام محی الدین نے، صاحبزادہ مظفر علیخاں بہادر کے لیے رامپور میں لکھا ھے۔ دوسرا مصنف کے دستخطی نسخے سے ۱۲۴۴ھ (۱۸۲۸ع) میں چند کاتبوں نے نقل کیا، اور مالك کتاب محمد عبدالسلام الہاشمی نے ۱۲۴۵ھ (۱۸۲۹ع) میں ربیع الاول کی ۱۱ تاریخ کو اس کا منقول عنه سے مقابله انجام کو پہنچایا ھے۔

اول الذکر نسخے کے دیباچے اور خاتمے میں اس کا نام «تکمله الشعرای جام جمشید»، اور دوسرے کے دیباچے میں «تکمله الشعرا و مخزن در» اور خاتمے میں «تذکرۂ تکملۂ جام جہان نما معروف به تذکرۂ مخزن در» لکھا ھے۔

کتاب میں سال تالیف مذکور نہیں۔ البته دیباچے میں مصنف نے یه ظاہر کر دیا ھے کہ «جام جہان نما» سے فراغت کے بعد، بعض اعزا و احباب کی فرمائش سے اسے تصنیف کیا ھے۔ «جام جہان نما» ۱۱۹۱ھ

میں ختم ہوئی تھی، لہذا اسے اس سنہ کے بعد شروع ہونا چاہیے۔ چونکہ میرزا مظہر اور سودا، متوفی ۱۱۹۵ھ (۱۷۸۱ع) کو متوفی اور میر تقی میر کو لکھنؤ میں مقیم بتایا ہے، اور میر ۱۱۹۷ھ (۱۷۸۳ع) کے قریب وہاں گئے ہیں، اس لیے قیاس یہ ہے کہ اسی سال میں اس کا آغاز ہوا۔

رہیں کو، جو «عقد ثریا» کی ترتیب کے وقت (۱۱۹۹ھ) زندہ تھا، لکھا ہے کہ اس کے انتقال کو دو برس ہوئے۔ خواجہ میر درد، متوفی ۱۱۹۹ھ (۱۷۸۵ع) کے انتقال کو چند سال بتائے ہیں۔ بیدار، متوفی ۱۲۰۹ھ (۱۷۹۴ع) کو زندہ لکھا ہے۔ قائم، متوفی ۱۲۰۸ھ (۱۷۹۳ع) یا ۱۲۱۰ھ (۱۷۹۵ع) کو کہتا ہے کہ چند سال پہلے فوت ہو گئے۔ شاہ عالم بادشاہ دہلی کو لکھا ہے کہ ۴۰ سال سے تخت دہلی پر متمکن ہیں۔ انھوں نے ۱۱۷۳ھ (۱۷۵۹ع) میں تخت پر قدم رکھا ہے۔ اس حساب سے چالیسواں سال ۱۲۱۳ھ (۱۷۹۸ع) میں ہونا چاہیے۔ حکیم عطاءاللہ عمس کو زندہ بتایا ہے، اور اونکا قطعۂ وفات چیری صاحب نقل کیا ہے، جس سے ۱۲۱۳ھ برآمد ہوتے ہیں۔ اس سے یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ ۱۲۱۳ھ کے بعد اس کی تکمیل ہوئی ہے۔

۱۴۔ گلشن سخن۔ قلمی۔

یہ میرزا کاظم، مخاطب بہ مردان علی خان لکھنوی۔ متخلص بہ مبتلا تخلص، اس محمد علیخان بہادر کی تصنیف اور اردو گو شاعروں کے حالات اور منتخب کلام پر مشتمل ہے۔

دیباچے میں مصنف نے «آج پھولا ہے سخن کا گلشن» مادۂ تاریخ لکھا ہے، جس سے ۱۱۹۴ھ (۱۷۸۰ع) برآمد ہوتے ہیں چونکہ

کتاب میں بھی جگہ جگہ یہی سنہ « اکنون » یا « الحال » کے ساتھ مذکور ہے، اور مصنف کا دعوی بھی ہے کہ کتاب تھوڑے عرصے میں تصنیف ہو گئی تھی، اس لیے یہ قیاس کرنا بیجا نہ ہوگا کہ اسی ایک سال کے اندر کار تالیف سے مبتلا فارغ ہو گیا تھا۔

دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۲۰ سال کی عمر میں ایک دیوان فارسی اور اوسی زمانے میں فارسی گو شاعروں کا تذکرہ مسمی بہ «گلدستۂ معانی» بھی مبتلا نے لکھا تھا سترعسو (۳۵۶ الف) میں اس تذکرے کا نام «نظم معانی» بتایا ہے اور کہا ہے کہ یہ سال تالیف کو ظاہر کرتا ہے چونکہ اس سے ۱۱۶۱ھ (۱۷۴۸ع) مستخرج ہوتے ہیں، اس لیے بعید نہیں کہ مبتلا کی پیدائش ۱۱۴۱ھ (۱۷۲۸ع) کے قریب ہوئی ہو۔ اگر یہ صحیح ہے، تو گلشن سخن کی تالیف کے وقت اوس کی عمر ۵۳ سال کی ہوگی۔

نتائج الافکار (ص۱۰۴) میں مبتلا کی وفات بارھویں صدی ھجری کے آخر میں بتائی ہے۔

کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں اس تذکرے کا ایک قلمی نسخہ پایا جاتا ہے۔ جسے نہایت بدخط اور غلط نویس کاتب نے نقل کیا ہے۔ انجمن ترقیء اردو کے لیے اس نسخے کی نقل تیار کی گئی ہے۔ امید یہ ہے کہ انشاءاللہ اسے جلد چھاپا جائیگا۔

۱۵- گلزار ابراھیم (گلزار)، قلمی۔

یہ نواب امین الدولہ علی ابراھیم خان بہادر نصیر جنگ، خلیل تخلص، کی تالیف ہے، جس میں ریختہ گو شاعروں کے حالات فارسی زبان میں لکھے گئے ہیں۔

مصنف نے دیباچے میں سال اختتام ۱۱۹۸ھ (۱۷۸۴ع) بتایا ہے۔ سال آغاز متعین نہیں ہے۔ لیکن میر سوز کے حال میں ۱۱۹۰ھ (۱۷۷۶ع) کو سال حال بتایا ہے۔ اس لیے بعید نہیں کہ اسی سال اس کو شروع کیا ہو خلیق کے ذکر میں ۱۱۹۹ھ (۱۷۸۵ع) لکھا ہے۔ راقم متخلص به معموم (یا محیط) کے بیان میں لکھا ہے کہ «در سنهٔ ۱۱۹۹ھ راقم آثم ...رسارس ملاقی شد» (۱۹۲ ب)۔ اس سے میں یہ قیاس کرتا ہوں کہ ۱۱۹۸ھ میں کتاب ختم کرنے کے بعد بھی حاشیے اضافے کیے ہیں، جو ۱۱۹۹ھ کے بعد تک جاری رہے تھے۔

کتابخانهٔ عالیهٔ رامپور میں اس تذکرے کا جو نسخه ہے، اوس کے اوراق کی تعداد ۳۱۵ ہے، اور دو کاتبوں نے اوس کی کتابت کی ہے، جن میں سے ایک کا خط نخته ستعلیق ہے۔ اس نسخے میں متعدد مفید حواشی بھی نظر آتے ہیں، جو سب کے سب ایک ہی خط میں ہیں، اور اوس کاتب کے لکھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں. جس نے راقم کا حال ۱۶ سطروں میں اضافه کیا ہے۔ چونکه آخری اوراق بھی اوسی کے نوشته ہیں. اور اوس نے خاتمهٔ کتاب میں لکھا ہے:

«تمام شد گلزار ابراهیم، تذکره نالیف نواب علی ابراهیم خان بهادر نصیر جنگ، جعل الله تعالی له الجنة»۔

اس لیے یه سمجھه تو نہیں کہا جا سکتا که یه حواشی خود مصنف کے قلم کے ہونگے البته یه گمان غالب ہے که جس نسخے سے ہمارا نسخه نقل کیا گیا ہے، وہ مصنف کا ترمیم کرده آخری نسخه ہوگا۔

چونکه یه حواشی مفید ہیں، اسلیے یہاں اون کا نقل کرنا نامناسب نہیں۔

(۱) شاه عالم بادشاه دهلی، آفتاب تخلص، کے حال کے محاذ میں

حاشیے پر لکھا ہے:

«شاہ قدرت اللہ، قدرت تخلص، می گفتند کہ این ہر دو اشعار، کہ نسبت بہ شاہ عالم بادشاہ می کنند، گفتۂ یکی از شاگردان مست، کہ در بلدۂ مرشدآباد بودہ» (۲ الف)۔

محولۂ بالا شعر یہ ہیں:

صبح تو جام سے گزرتی ہے   شب دلارام سے گزرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے   اب تو آرام سے گزرتی ہے

---

(۲) رضا قلی آشفتہ پر حاشیہ ہے:

«رضا قلی آشفتہ از تلامذۂ میر سوز است۔ و برادر مرزا بھوچو نامی، درہ تخلص، بودہ۔ بطرز میر سوز اشعار می گفت» (۱۸ ب)۔

---

(۳) احسن اللہ بیان پر حاشیہ ہے:

«چیچک نامۂ خواجہ احسن اللہ بیان، کہ نام بسیار جانوران دران درجست، مشہور است کہ مطلعش اینست

میرزا فیضو کی چیچک مر گئی   خوش جانے جگ کے ویران کر گئی
میرزا غمگیں ہوں، چہیاں شاد ہوں   گھونسلے چڑیوں کے یوں آباد ہوں»

(۲ الف)

خود حاشیوں پر اور متن میں نئے اسماء یا اشعار کا اضافہ بھی کیا گیا ہے: چنانچہ

(۱) ورق ۵۶ الف پر حرف «دال» کے شروع میں حاشیے پر یہ اضافہ پایا جاتا ہے:

«دائم تخلص، اسمش دائم خان، پسر فوجدار محمد خان و برادر خورد فوجدار قائم خان، کہ در عہد نواب وزیرالممالک شجاع الدولہ بہادر عز اقتدار داشت، و در وقت نواب آصف الدولہ بہادر بدار وعگی فیلخانۂ کلان معزز بود و دائم مذکور بموروثیت طبیعت گاہی فکر شعر ریختہ می نمود، و در لکھنؤ می گذراند۔ این چند بیت مرسل یادگار آن ستودہ۔ اطوار درین تذکرہ نوکریر خامۂ ندرت نگار گشت۔»

اسکے بعد ۳ شعر اوسی صفحے پر اور ۴ شعر ۵۶ ب پر «تتمۂ دائم» کے عنوان کے ماتحت درج کیے ھیں۔

(۲) راغب اور رفعت کے درمیان میں لاله جواهر سنگه، رام تخلص، کا اضافه کیا ھے، جو حسب ذیل ھے:

«رام تخلص، اسمش لاله جواهر سنگه کهتری زاد، عرف منون، مولدش لاهور، خلف لاله گنگا بشن مخلص تخلص برادر خورد منشی رام جس مخلص به محیط، از متوسلان سرکار دارالدوله منشی خاص بهادر بود. بعد ازان بعلاوه داروغگی برمت عاری به رعایت منشی دیگر صاحب عار مانده. طبعی رسا و موزون دارد. این چند اشعار یادگار از وی درین تذکره ثبت افتاده.»

اس کے بعد ۷۶ اشعار نقل کیے ھیں۔

(۳) ورق ۱۴۷ ب کے حاشیے پر ایک نام کا اضافه ھے، جس کی عبارت یه ھے:

«عشق تخلص، نامش مرزا بادشاه در اوائل عمر [illegible] تخلص می کرد بعد ازان عشق تخلص قرارداد. مدتی جری بود. در لاهور [illegible] نام هولی با سپاهیان یلنش نواب آصف الدوله بهادر که صدها کس بودند از شدن حرف با ملازم تنها درآویخته، چند کس را کشته و مجروح ساخته، خود هم آخرالامر زخمهای کاری برداشت، و بعد مدت صحت یافت. و از آنجا در بلدهٔ عظیم آباد و کلکته افتاده، در صحبت مرزا گهسیٹا عشق تخلص بسر می برد. پس ازان مایل دکن گشته، از دست پنڈارهای لشکر علی بهادر زخم بهالا بر کله خورده و یک کس از پنڈارها را بشمشیر از پا درآورده، در قصبهٔ [illegible] چهاره سلامت رسید. و بعد چند روز مهمان زخم کله شربت مرگ چشیده، در تکیهٔ محمد شاه درویش مدفون گشت. چون طبع موزون داشت دیوان اشعار ریخته ترتیب داده، این چند شعر از زادهای طبع اوست»

اس کے بعد حاشیوں پر ان کے ۱۱ شعر نقل کیے ھیں۔ ورق ۵۶ ب

کے حاشیے پر بھی حق تخلص کے ساتھ ان کا ذکر کیا ھے مگر وھاں صرف ایك شعر لکھا ھے۔

(۴) عیش تخلص کے بعد حسب ذیل اضافہ متن میں کیا ھے:

«عاجز، نامش شیودیال ملقب بہ پرم ھنس درویشی است در بلدہ بنارس۔»

(۵) ورق ۱۶۱ کے حاشیوں پر فدوی لاھوری کے ۱۹ شعر اور درج ھیں۔ اسی طرح قدرت دھلوی کے اشعار بھی ۱۶۵ الف و ب اور ۱۶۶ الف پر تحریر ھیں۔ مجنوں کے ۱۵ شعر ۱۹۴ ب اور ۱۹۵ الف پر بڑھائے ھیں۔ واقف دھلوی کے ۱۰ شعر متن میں اور ۷ حاشیے پر مندرج ھیں۔

(۶) ولی پر حاشیہ ھے:

«کسی در وصف ولی گفتہ

بمعمورہ شاعران ھندی بود است ولی بکشور ھند»

رامپور کے نسخے میں صانع بلگرامی، عجائب رای عاشق اور امیر حسرو کا ذکر نہیں ھے۔ نیز کمترین دھلوی کے حال سے کافر دھلوی تك کی عبارت کاتب نے سہواً ترك کر کے، اس طرح لکھا ھے:

«کمترین دھلوی اسمش میر علی نقی آہ۔»

مطبوعہ نسخے میں منشی رامجس کا تذکرہ معصوم تخلص کے ساتھ کیا گیا ھے، اور ۲۳ شعر انتخاب کیے ھیں۔ لیکن رامپور کے نسخے میں یہ حصہ دوبارہ تفصیل کے ساتھ لکھا گیا ھے، اور انتخاب بہت طویل ھے۔ چنانچہ محیط تخلص کے ماتحت لکھا ھے:

«محیط تخلص، موسوم بہ رامجس کھتری برادر عرف مہرہ خلف لالہ گنگا بشن متخلص عاجز، متوطن لاھور مولدش دھلی۔ بیشتر معصوم (یہاں حاشیے پر نسخے کا یوں لکھہ کر «یعنی» تحریر کیا ھے) تخلص می کرد الحال بہ تخلص محیط آشنا شدہ۔ از دل برشتگان سموم عشق

ومسالکاں سرکار ممتارالدولہ مسٹر حاسس بہادر بودہ است۔ در سنۂ ۱۱۹۹ھ با راقم آثم در بنارس ملاقی شد۔ بعد ازاں سر رشتہ داریء برمٹ ضلع بنارس مامور گشت۔ و اشعارش مدونست۔ و پنج مثنوی، کہ فی الحقیقت «پنج گنج» است، موسوم بہ «خمسۂ عشقیہ» تصنیف کردہ مثنویء اول ہیر و رانجھا مسمی بہ «محیط عشق»، و مثنویء دوم سسی و پنو موسوم بہ «محیط درد»، وسیومی مثنوی مرزا صاحباں مسمی بہ «محیط غم»، و چہارم مثنوی «حسن بخشی»، و پنجم مثنوی مادھو نل و کام کندلا مسمی بہ «حسن و عشق» است۔ و پنج مثنوی دیگر در تصوف دارد۔ یکی از انجملہ ترجمۂ بھگوت گیتا مسمی بہ «محیط الحقائق»، و دویم مثنوی ترجمہ بھگت مالا موسوم بہ «محیط الاسرار»، و سیومی مثنوی ترجمۂ پوتھی پربودہ چندر اودی ناٹک مسمی بہ «گلشن معرفت»، و چہارم مثنوی ترجمۂ جوگ باشسٹ مسمی بہ «محیط معرفت»، و پنجم مثنوی «محیط اعلم» ترجمہ پوتھی جنم ساکھی مشعر بر احوال گرو نانک محل اول تا بہ گرو گوبند سنگھ، محل دھم و برخی احوال مادھوداس مخاطب بہ بندہ، مصنفات دارد و نیز نسخۂ دیگر ترجمۂ اوار سنہلی عرف کلالہ دمہ مسمی بہ «محیط دانش» تصنیف نمودہ۔ داد سخوری دادہ۔ برخی از اشعار آبدارش درین نسخہ ثبات می یابد»

اس کے بعد غزلیات و مثنویات کے منتخب اشعار ورق ۱۹۸ الف سے شروع ہو کر ۲۹۶ ب پر ختم ہوئے ہیں۔

صاحب گلزار کی تاریخ وفات۔ ڈاکٹر اسپرنگر (ص ۱۸۰) اور بلوم ھارٹ نے جرأت کے اس مصرع تاریخ کی بنا پر: «او۔ آہ۔ مٹا مطلع دیوان عدالت» ۱۲۰۸ھ (۱۷۹۳ع) بتائی ہے۔ مخدومی مولوی عبدالحق صاحب نے بھی، گلشن ہند کے مقدمے میں اسی سنہ کو دھرایا ہے۔ (۱) اگر یہ سنۂ وفات صحیح ہے، تو نسخۂ رامپور کے اس اضافے کو کسی مابعد

(۱) کتابخانۂ رامپور کے ۲ نسخوں میں خلیل کا قطعۂ تاریخ وفات پایا جاتا ہے۔ مگر وہ ناقص الالفاظ اور غلط ہے۔ الفاظ دونوں نسخوں میں یہ ہیں «تو آہ مطلع دیوان عدالت»

کے شخص کی طرف منسوب کرنا پڑیگا، کیونکہ اس میں محیط الاسرار، محیط معرفت، اور محیط اعظم کے اقتباسات پائے جاتے ھیں، جو علی الترتیب ۱۲۱۶ھ (۱۸۰۱ع)، ۱۲۱۸ھ (۱۸۰۳ع) اور ۱۲۲۰ھ (۱۸۰۵ع) کی تصنیف ھیں۔

چونکہ بالعموم متن کے اندر مصنف کے ماسوا کوئی شخص اضافے کرنے کی جرات نہیں کرتا، یا کم از کم میرے علم میں اس کی کوئی ایسی مثال نہیں ھے کہ مابعد کے کسی عالم نے اپنا نام ظاہر کیے بغیر ایسا کیا ھو، اس لیے میں مصنف کے ۱۲۰۸ھ میں فوت ھو جانے کی طرف سے مشتبہ ھو جاتا۔ اگر لطف نے گلشن ہند، مصنفۂ ۱۲۱۵ھ (۱۸۰۱ع) میں علی ابراھیم خان کو مرحوم نہ لکھا ھوتا۔ چونکہ یہ تاریخ وفات یقینی معلوم ھوتی ھے، اس لیے مجھے اس اضافے کرنیوالے پر افسوس اور حیرت کا اظہار کرنا پڑتا ھے۔

گلزار ابراھیم کو انجمن ترقیءاردو نے شائع کر دیا ھے۔ اس نسخے میں ۳۲۰ شعرا کا ذکر ھے، جن میں سے ۳ کتابخانۂ عالیۂ رامپور کے نسخے میں مذکور نہیں، اور ۲ شاعر نسخۂ رامپور کے متن میں اور ۲ حاشیوں پر ایسے مذکور ھیں، جن کے حال سے مطبوعہ نسخہ خالی ھے۔ اس حساب سے ۳۱۹ شاعر ھمارے نسخے کے متن میں مذکور ھوئے ھیں، اور کل شعرا کی تعداد ۳۲۱ ھوتی ھے۔

۱۶- گلشن ہند (لطف) مطبوعہ۔

یہ میرزا علی لطف، متوفی ۱۲۲۸ھ (۱۸۱۳ع)، کی تصنیف، اور گلزار ابراھیم کے ۶۸ شاعروں کے حالات کا ترجمہ مع اضافات ھے۔ اس کا اختتام، خود دیباچے کے مطابق ۱۲۱۵ھ (۱۸۰۱ع) میں ھوا ھے۔ مگر مکرمی قاضی عبدالودود صاحب (پٹنہ) کا خیال ھے کہ حصۂ نظم میں اس

سال کے بعد بھی اضافے معلوم ہوے ہیں۔

یہ تذکرہ اولاً ۱۹۰۶ع میں مولوی عبداللہ خاں کے اہتمام سے جداگانہ اور بعد ازاں ۱۹۳۴ع (۱۳۵۲ھ) میں انجمن ترقیءاردو کی طرف سے گلزار ابراہیم کیساتھہ چھپ کر شائع ہوچکا ہے۔

۱۔ عقد ثریا (عقد) قلمی۔

یہ شیخ غلام ہمدانی مصحفی، متوفی ۱۲۴۰ھ (۱۸۲۴ع)، کا مرتب کیا ہوا فارسی گو شاعروں کا تذکرہ ہے، جسے دیباچے کے بیان کے مطابق مصنف نے ۱۱۹۹ھ (۸۵ ۱۷۸۴ع) میں ختم کیا تھا لیکن خواجہ میر درد، متوفی ۱۱۹۹ھ، کو لکھا ہے کہ ان کے انتقال کو چند سال ہوے۔ بیخبر بلگرامی کو لکھا ہے کہ ۱۲۰۲ھ (۸۸-۱۷۸۷ع) میں دھلی کے اندر فوت ہوے، اور فصیح کا حال ۱۲۱۲ھ (۱۷۹۷ع) میں داخل تذکرہ کیا ہے۔

محمد علی فروغ کو لکھا ہے کہ اس نے چند سال قبل فارس میں وفات پائی۔ ستر عشق اور نور روشن (ص ۵۲۱) میں اس کا سال ولادت ۱۱۴۰ھ (۱۷۲۷ع) لکھا ہے۔ اور موجز الذکر میں ستر سال کی عمر میں وفات بتائی ہے۔ جسکا مطلب یہ ہےکہ فروغ نے ۱۲۱۰ھ (۱۷۹۵ع) میں انتقال کیا تھا۔ اگر یہ صحیح ہے، تو اس کا حال بھی ۱۲۱۲ھ یا اسکے بعد لکھا گیا ہوگا۔ کتابخانۂ عالیۂ رامپور کے نسخے میں کرپا دیال مضطر کے حال میں ۱۲۱۳ھ (۱۷۹۸ع) مذکور ہے۔ اس بنا پر قیاس کیا جاتا ہے کہ مصحفی نے بعد میں بھی اضافے کیے ہیں۔

مصنف نے اس کے آغاز کی طرف کوئی کھلا ہوا اشارہ نہیں کیا۔ مگر کتاب کے پراگندہ ٹکڑے جمع کرنے سے سال آغاز کا تعیینی

اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے دیباچے کے اس بیان پر غور کرنا چاہیے کہ:

«تا آنکه میرزا محمد حسن، قتیل تخلص، از ساحت لشکر نواب ذوالفقار الدوله بهادر به شاهجهان آباد گذر افگنده، فسون تالیف تذکرهٔ معاصرین بگوشم دمیده، اسامیٔ چند از ایشان بقلم تحریر من در آورده، مسودهٔ احوال بعضی را بر بیاض مختصری بدست من نویسانیده، یاد آوردن یاران و دوستان بیادم داد.. در ایام دوریٔ آن آشنای صادق چون شمع می سوختم و مسودهٔ سرگذشت هر یك را از مرده و زنده بر پارهٔ کاغذ می نگاشتم». (ورق ۱ ب)

اس سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ مصحفی نے قتیل کے ورود دہلی کے زمانے میں نہ صرف خود اونہیں کی فرمائش سے اس کام کو شروع کیا، بلکہ دو چار شاعروں کے حالات اون کی زبانی نوٹ بھی کیے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ قتیل کس زمانے میں دہلی آئے۔ یہ تو خود مصحفی نے بتا دیا ہے کہ یہ نواب ذوالفقارالدولہ میرزا نجف خان بہادر کے لشکر سے آئے تھے۔ جسکا مصحفی کے دوسرے بیان کے مطابق شاہدرے کے قریب دہلی کے باہر پڑاؤ تھا (ص ۵۴ - مطبوعہ)۔ مسٹر بیل نے، مفتاح التواریخ (ص ۳۵۹) میں لکھا ہے کہ نجف خان ۳ ہزار سوار اور پیادوں کی جمیعت کے ساتھ شاہ عالم کی ملازمت میں داخل ہوا، اور ۱۱۸۵ھ (۱۷۷۱ء) میں بادشاہ کے ہمراہ دہلی آیا۔ اس عرصے میں بہت سے کارہای نمایاں انجام دینے کے صلے میں «ذوالفقار الدولہ نواب نجف خان بہادر غالب جنگ» خطاب اور اسکے بعد عہدۂ امیر الامرائی سے معزز و مفتخر ہوا، اور ۸ جمادی الآخر ۱۱۹۶ھ (اپریل ۱۷۸۲ء)

کو فوت ہو گیا۔

ستر عشق (۵۴۸ب و بعد) میں لکھا ہے کہ قتیل ۱۱۷۲ھ (۰۸-۱۷۵۷ع) میں پیدا ہوئے، ۱۴ برس کی عمر میں اسلام قبول کیا، اور دو برس تک اسلام کو مخفی رکھ کے، سترھویں سال کی عمر میں اس کا اظہار کردیا۔ اس کے بعد اعزا و اقربا سے کنارہ کش ہوکر «در اطراف شاہجہاں آباد بلشکر ذوالفقار الدولہ نواب نجف خان مرحوم می گشت۔»

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انکے نواب نجف خان کے لشکر میں گشت لگانے کا آغاز ۱۱۸۹ھ (۱۷۷۵ع) میں ہوا۔

آگے چل کر شتر عشق میں لکھا ہے کہ «الحال از عرصۂ سی و شش سال بلکھنئو تشریف می دارد»۔ یہ مدت مصنف شتر عشق نے ۱۲۳۳ھ (۱۸۱۸ع) میں ان کا حال لکھتے ہوئے تحریر کی ہے۔ جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ۱۱۹۶ھ (۱۷۸۲ع) یا ۱۱۹۷ھ (۱۷۸۳ع) میں قتیل لکھنئو آئے تھے، اور سابق ولاحق نتائج کو ملانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً ۱۱۸۹ اور ۱۱۹۷ھ کے مابین یہ ایك مشہور شاعر و فاضل کی حیثیت سے مذکورۂ بالا لشکر میں بود و باش رکھتے رہے تھے۔ چونکہ مصحفی نے ان کی فرمایش سے تذکرہ شروع کیا ہے، لہذا اس کا آغاز ان دونوں سنوں کے درمیان کے کسی سال میں ہونا چاہیے۔

نواب صمصام الملك میر عبدالحی خان صارم تخلص کے متعلق لکھا ہے کہ «حالا از سرکار نواب آصفجاہ ثانی بخطاب صمصام الملك و دیوانیء دکن بلند رتبگی دارد»۔ نتائج الافکار (ص ۲۶۶) میں ان کی رحلت بارھویں صدی کے آخر میں، اور محبوب الزمن (۲-۶۰۶) میں ۱۵ جمادی الاولی ۱۱۹۶ھ تحریر ہے۔ مصحفی نے ان کا حال زندگی میں لکھا ہے، لہذا اس

ماہ و سال سے قبل کا مکتوبہ ہونا چاہیے۔

شیخ ظہورالدین حاتم کے بارے میں کہتا ہے:

«بقولش تاریخ تولدش صرف «ظہور» باشد۔ از خاک پاک شاہجہان
آباد است۔ ہشتاد و سہ سال عمر دارد»۔

لفظ ظہور کے مطابق شاہ حاتم کا سال پیدایش ۱۱۱۱ھ (۱۶۹۹ع) ہے، لہذا ۱۱۹۴ھ (۱۷۸۰ع) میں ان کی عمر ۸۳ سال کی ہونا چاہیے۔ چونکہ مصحفی نے سال پیدایش جانتے ہوئے یہ عمر لکھی ہے، اس بنا پر ہم اسے محض اندازہ نہیں کہہ سکیں گے، اور اس حالت میں یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہونگے کہ ۱۱۹۴ھ یا ۱۱۹۵ھ میں اوس نے حاتم کا حال لکھا ہے۔

تقریباً اسی سال لطف علی بیگ آذر کا حال بھی لکھا ہے۔ کیونکہ ایک تو اوس کے تذکرے «آتشکدہ» کا ذکر نہیں کیا ہے، جو برٹش میوزیم کے نسخے کے مطابق ۱۱۹۳ھ (۱۷۷۹ع) کے قریب ختم ہوا ہے، اور دوسرے یہ کہ اس میں مصحفی نے اوس کی عمر ۶۰ برس کے قریب بتائی ہے، اور بقید حیات لکھا ہے۔ خان بہادر عبدالمقتدر نے آتشکدہ پر نوٹ لکھتے ہوے تحریر کیا ہے کہ آذر ۱۱۳۴ھ (۲۲-۱۷۲۱ع) میں پیدا ہوا تھا۔ اس حساب سے ۱۱۹۴ھ میں اوس کی عمر ۶۰ برس کی ہونا چاہیے، اور یہی سال اوس کے داخل تذکرہ ہونے کا قرار دینا مناسب ہوگا۔

چونکہ مصحفی نے مرزا خانخانان مظہر، متوفی محرم ۱۱۹۵ھ کا حال اون کی وفات پر لکھا ہے، اس بنا پر گزشتہ دلائل کو سامنے رکھنے کے بعد بالکل یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ۱۱۹۵ھ اور

۱۱۹۹ھ کے درمیان کی یہ تالیف ہے، جس میں ۱۲۱۳ھ تک مصنف نے اضافے کیے ہیں۔

انجمن ترقیءاردو نے اسے شائع کر دیا ہے، مگر کوئی سطر غلطی سے پاک نہیں ہے کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں اس کا ایک نسخہ محفوظ ہے، جو ۱۲۵۵ھ (۱۸۴۲ع) میں سید سلامت علی بلگرامی اور سید اکبر علی حیدرآبادی نے اوسط سائز کے ۱۰۴ ورقوں پر نقل کیا ہے اس میں ہر شاعر کے کلام کا انتخاب بھی مندرج ہے، جو نسخۂ مطبوعہ سے حذف کر دیا گیا ہے

۱۸- تذکرۂ ہندی گویاں (تذکرہ) قلمی۔

یہ مصحفی کا پہلا اردوگو شاعروں کا تذکرہ ہے، جسے مصنف نے «عقد ثریا» کے بعد فارسی زبان میں لکھا ہے۔ خاتمے میں تحریر کیا ہے کہ ۱۲۰۹ھ (۹۵-۱۷۹۴ع) میں اسکی ترتیب سے فراغت ہوئی۔ مگر یہ جملہ

«فرصت را غنیمت شمردہ، مسودۂ مغشوش این تذکرہ را، کہ از چند سال بطاق نسیان افتادہ بود، صاف نمودہ درست ساختہ»۔

خود اشارہ کرتا ہے کہ کتاب ۱۲۰۹ھ سے قبل تمام ہوچکی تھی، اس سنہ میں صرف مسودہ صاف کر کے شائع کیا گیا ہے۔

کتاب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا آغاز ۱۲۰۰ھ (۱۷۸۶ع) کے قریب ہوا ہے، کیونکہ مصنف نے دیباچے میں صراحت کر دی ہے کہ فارسی تذکرے سے فارغ ہوکر یہ کام شروع کیا اور وہ تذکرہ ۱۱۹۹ھ میں ختم ہوا تھا، لہذا اسی سال یا آئندہ سال اردو تذکرے پر کام شروع کرنا چاہیے۔

شاہ حاتم، متوفی ۱۱۹۷ھ، کو لکھا ہے کہ «دو سہ سالست کہ در شاہجہان آباد ودیعت حیات سپردہ»۔ خواجہ میر درد، متوفی ۲۴ صفر

۱۱۹۹ھ (جنوری ۱۷۸۵ع) کے بارے میں کہتا ہے کہ "یک سالست کہ درد مہجوریش شفا یافتہ"۔ میر حسن، متوفی عشرۂ محرم ۱۲۰۱ھ (۱۹ اکتوبر ۱۷۸۶ع)، کو احقر اور خاکسار کے حال میں الفاظ "سلمہ اللہ تعالی" سے یاد کیا ہے۔

ان اقتباسوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صفر ۱۲۰۰ھ (دسمبر ۱۷۸۵ع) میں یا اس کے لگ بھگ اس تذکرے کا کام شروع کیا جاچکا تھا۔

تذکرے کے دوسرے بعض ٹکڑوں سے پتا چلتا ہے کہ ۱۲۰۹ھ کے بعد بھی اس میں اضافے کیے گئے ہیں۔ چنانچہ راجہ جسونت سنگھ پروانہ تخلص کے ذکر میں لکھا ہے کہ ان کے فارسی اشعار میرزا قتیل کی معرفت دہلی میں میرے پاس پہنچے تھے، جنھیں میں نے تذکرۂ اول میں داخل کر لیا تھا۔ جب دہلی سے لکھنؤ وارد ہوا، تو یہ بڑے تپاک سے ملے، اور اگرچہ میر حسن، میر سوز، میر اور ہما کے معتقد تھے، مگر فقیر سے ملاقات کے بعد کلی طور پر ادھر رجوع ہو گئے، اور بڑے انہماک اور توجہ سے اردوگوئی شروع کی۔ اب کہ دس بارہ سال کی مشق ہے، بہت پختہ گو ہو گئے ہیں۔

اس بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصحفی نے لکھنؤ آنے کے دس بارہ برس بعد یہ عبارت لکھی ہے۔ خود انھوں نے ریاض الفصحا میں محمد حیات ستار کے ذیل میں لکھا ہے:

> "در ایامی کہ فقیر ہمراہ غلام علی خان ولد بھکاری خان، کہ مشارالیہ از پیشگاہ خلافت جہانبانی، خلعت نوازش شاہانہ برائے بندگان عالی وزیرالممالک نواب آصف الدولہ بہادر و سر هستنگس گورنر بہادر آوردہ بود، در سنۂ یکہزار و یکصد و نود و هشت صعوبت سفر کشیدہ از شاہجہان آباد در لکھنؤ رسیدہ۔"

اب اگر ان کے سال آمد ۱۱۹۸ھ (۸۴-۱۷۸۳ع) پر ۱۲ برس بڑھائے جائیں، تو ۱۲۱۰ھ (۹۶-۱۷۹۵ع) حاصل جمع ہوگا۔ اسیر معترض کہ سکتا ہے کہ یہ تخمینہ ہے۔ بہت ممکن ہے کہ دس برس کے لحاظ سے ۱۲۰۸ھ میں یا اس کے ایک سال بعد ۱۲۰۹ھ میں یہ ٹکڑا لکھا ہو، اور اسے تخمیناً ۱۲۱۰ برس کہدیا ہو۔ مگر ہمیں قسمت کے ذکر میں میاں جعفر علی حسرت کے متعلق ایک ایسا جملہ ملتا ہے، جو ہمارے مدعا کے اثبات کے لیے کافی ہے۔ مصحفی کہتا ہے کہ قسمت:

«اصلاح شعر از میاں جعفرعلی حسرت می گرفتند و در حین حیات او با فقیر هم از ته دل اعتقادی و رجوعی داشتند۔ حالا که حسرت نمانده، بالکل خیال مشوره بفقیر دارند»

حسرت نے ۱۲۱۰ھ (۹۶-۱۷۹۵ع) میں رحلت کی ہے۔ لہذا اس حصے کو اسی سنہ یا اس کے کچھ بعد کا ہونا لازم ہے۔

نواب الٰہی بخش خاں معروف کے حال میں مصحفی نے صاف اعتراف کر لیا ہے کہ:

«در ایامی که فقیر تذکره باتمام رسانیده از شاهجهاں آباد بلکهنو گزر افگنده۔ شاگردیء ماں بصیر بارش دارد»

کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں اس تذکرے کا جو قلمی نسخہ ہے، وہ سید محسن علی محسن، مصنف سراپا سخن، کا مکتوبہ ہے۔ کاتب مذکور خاتمے میں لکھتے ہیں:

«یہ تذکرہ جلد اول میاں مصحفی مرحوم کا، کہ مدت سے کاتب الحروف کو اسکی تلاش تھی، توجہ جناب فیض مآب، نواب عاشور علیخاں صاحب بہادر، دام اقبالہ، سے نواب حسن علی خاں بہادر کے کتب خانے سے، کہ مہر بھی نواب ممدوح کی اوس پر ہے، اور ایسا نسخہ کہ میاںصاحب کے شاگرد منشی ظہور محمد ظہور کے ہاتھ کا لکھا ہوا

> تھا، دستیاب ہوا۔ کاتب الحروف سید محسن علی محسن، مولف تذکرۂ سراپا سخن، نے نقل اس کی بے کم و کاست لکھی۔ بتاریخ سیوم شہر رجب سنہ ۱۲۷۱ھ کو فضل الٰہی سے تمام ہوا
>
> مکرر۔ ایک روز حضور میں نواب صاحب کے یہ عاجر حاضر ہوا۔ فرمایا کہ یہ تذکرہ میاں مصحفی نے خود بھائی صاحب کو دیا تھا فقط۔»

اس نسخے میں ۲۷ ورق اور ملحقہ فہرست کی رو سے ۱۹۲ (۱) شاعروں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ کتابت میں غلطیاں بھی پائی جاتی ہیں، جو محسن جیسے پڑھے لکھے کاتب سے بعید معلوم ہوتی ہیں۔

انجمن ترقیء اردو نے جو نسخہ شائع کیا ہے، اوس میں ۱۹۳ شاعروں کا ذکر ہے۔

۱۹- ریاض الفصحا (ریاض) قلمی۔

یہ مصحفی کا دوسرا تذکرہ ہے، جس میں ۲۶۴ اردو گو شاعروں کے حالات فارسی زبان میں درج ہیں۔ حسب تصریح دیباچہ، لالہ چنی لال حریف کی فرمایش پر ۱۲۲۱ھ میں اس کا آغاز، اور بنابر خاتمہ، ۱۲۳۶ھ (۱۸۰۶ع) میں اتمام ہوا ہے۔

کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں اس کا جو نسخہ محفوظ ہے، اوس کے سر ورق پر تاریخ آغاز کتابت، غرۂ محرم سنہ ۱۲۷۰ھجری روز چہار شنبہ اور تاریخ اتمام کتابت، ۲۷ محرم ۱۲۷۰ھ (اکتوبر ۱۸۵۳ع) درج

(۱) ڈاکٹر اشپرنگر نے اپنی فہرست (ص ۱۸۳) میں لکھا ہے کہ مصحفی نے اس تذکرے میں ۳۵ ریختہ گویوں کے حالات لکھے ہیں اشپرنگر کے نسخے کا سائز اوسط، صفحات کی تعداد تقریباً ۴۰۰ اور فی صفحہ ۱۴ سطریں تھیں۔ اس تعداد اوراق اور تعداد شعرا کے پیش نظر یہ شبہہ ہوتا ہے کہ اشپرنگر نے ریاض الفصحا کو تذکرۂ ہندی خیال کر لیا تھا، جس کے مطبوعہ نسخے میں ۳۲۱ شعرا کا ذکر ہے۔

ہے۔ خط کی روش نیز مندرجۂ ذیل تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ بھی محسن کے قلم کا نوشتہ ہے۔ مذکورہ تحریر ورق ۱۰ الف کے حاشیے پر پائی جاتی ہے۔ اور اس کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

«کاتب الحروف محسن علی نے اشعار فارسی کسی کے نہیں لکھے، کہ غرض اشعار ہندی سے ہے دو تین جا پر جو لکھ دیے ہیں، فقط واسطے نشان اور پتے کے ہیں۔»

اس بیان میں کاتب نے صرف فارسی اشعار گرادینے کا اقرار کیا ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ اس میں مطبوعہ کے مقابلے میں اردو اشعار بھی بہت سے ساقط ہیں۔

اس نسخے کا سائز اوسط، اور تعداد اوراق ۵۵ ہے۔ متعدد جگہ حاشیوں پر بھی شعرا کے حالات اضافہ کیے ہیں، جو سہو کتابت کی تلافی ہے۔

اس نسخے میں جابجا صفحات کے حصے سادہ چھوڑے گئے ہیں، جو یا تو منقول عنہ میں جان بوجھ کر سادہ رکھے گئے ہوں گے، اور یا اوسکے ناقص ہونے کے باعث سے کاتب نے آیندہ تکمیل کے خیال سے بیاض رکھی ہیں۔ بصورت اول بعید نہیں کہ وہ خود مصحفی کا مسودہ ہو۔ چونکہ اس عبارت کے اندر مطبوعہ کے مقابلے میں جگہ جگہ الفاظ، فقرے اور جملے بدلے ہوئے ہیں۔ اس بنا پر یہ امکان حد یقین تک جا پہنچتا ہے۔

انجمن ترقی اردو نے ۱۹۳۳ء میں اسے شائع کیا ہے۔ اس میں ۳۲۱ شاعروں کا ذکر ہے، اور یہ اوس نسخے کی نقل ہے، جسے رمضان بیگ طپاں نے ۱۲۳۷ھ (۱۸۲۱ء) میں لکھا تھا۔ چونکہ اس نسخے کے بہت سے شاعر، رامپوری نسخے میں مذکور نہیں ہیں، اور نسخۂ

رامپور کے اندر مذکورہ بعض شعرا کے ذکر سے یہ مطبوعہ نسخہ خالی ہے۔ اسلیے میری دانست میں نسخۂ رامپور مسودۂ اول کی نقل ہے، جس کے متعدد شعرا کو مصحفی نے نظر ثانی کے وقت خارج کر دیا ہوگا۔

۲۰- مجموعۂ نغز (نغز) مطبوعہ

یہ حکیم قدرت اللہ قاسم، متوفی ۱۲۴۶ھ (۱۸۳۰ع) (۱)، کا تذکرہ ہے، جسے خاتمۂ کتاب کی تصریح کے مطابق مصنف نے فارسی زبان میں ۱۲۲۱ھ (۱۸۰٦ع) میں لکھا ہے۔ مطبوعہ نسخے کی رو سے اس میں ٦۹۳ اردو گو شاعروں کے حالات مذکور ہیں۔

کتاب میں بعض قرینے ایسے ہیں۔ جن کی مدد سے اسکے آغاز کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً بقا کے ذکر میں حالیہ صیغے استعمال کیے ہیں، جسکا مطلب یہ ہے کہ بقا کی زندگی میں اوس کا حال لکھا ہے۔ بقا کا سال وفات ۱۲۰٦ھ (۱۷۹۱ع) ہے، لہذا اس سنہ سے پہلے آغاز تالیف ہونا چاہیے۔ میر حسن، متوفی ۱۲۰۱ھ، کو ہر جگہ مرحوم لکھا ہے، لہذا اس سنہ کے بعد کام شروع ہونا چاہیے گویا ۱۲۰۱ھ اور ۱۲۰٦ھ کے درمیان مصنف نے کام شروع کیا ہے۔

مولانا محمود خانصاحب شیرانی نے اس تذکرے کو مرتب کر کے پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے ۱۹۳۳ع میں شائع کیا ہے

۲۱- مخزن الغرائب۔ قلمی۔

یہ ۳۱۴۸ فارسی گو شاعروں کا تذکرہ ہے، جسے فارسی زبان میں

(۱) سخن شعرا (ص ۳٦۹) اور شمیم سخن (ص ۱۸۵) میں یہی سال تحریر ہے۔ گلدستۂ نازنیناں (ص ۲۷۲) میں، جو ۱۲٦۰ اور ۱۲٦۱ھ کے درمیان لکھی گئی ہے، تحریر ہے کہ ان کی وفات کو یہ پندرھواں سال ہے۔ اس سے بھی مذکورۂ بالا سال ہی کی تائید ہوتی ہے۔

اس کے بعد خاتمۂ کتاب میں لکھتا ہے:

«در سنۂ یکہزار و دو صد و سی و سہ ہنگام تحصیلداری چکلۂ سکندرآباد متعلقہ ضلع علی گڑھ صورت اتمام پذیرفت.»

اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ کتاب ۱۲۲۴ھ (۱۸۰۹ع) اور ۱۲۳۳ھ (۱۸۱۷-۱۸ع) کے درمیان لکھی گئی ہے

کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں اس کا جو نسخہ محفوظ ہے، وہ اوسط سائز کے ۱۵ سطری مسطر کے ۷۸۹ ورقوں پر بخط نستعلیق لکھا گیا ہے۔ خاتمے میں کاتب لکھتا ہے:

«تمام شد تذکرۂ اشترالعشق، من تالیف جناب فیض مآب، حسین قلی خان صاحب، دام اقباله، متخلص بعاشقی، بتاریخ هفتم شهر ربیع الاول سنۂ ۱۲۳۶ هجری، روز جمعه، از قلم شکسته رقم عاصی پرمعاصی، خوشه چین خرمن جود و نوال و سخنوری و کمینه داعی جناب ممدوح مخدوم بخش متخلص به مروت، ساکن قصبۂ برن عرف بلند شهر، عفی الله عنه بمقام خورجه متعلقهٔ ضلع علی گڑھ.»

گویا یہ نسخہ مصنف کی زندگی میں، تصنیف سے ۲ برس ۸ مہینے ۲۴ دن بعد خورجہ میں مصنف کے شاگرد نے لکھا ہے۔

جیسا کہ کاتب نے خود بھی لکھا ہے، وہ شاعر ہے، اور مروت تخلص کرتا ہے اس کے لکھے ہوئے فارسی قطعات تاریخ اس کتاب کے اوراق ۷۱ الف، ۷۸ الف، ۱۲۲ ب، ۱۶۰ الف، ۱۹۰ الف، ۳۶۳ ب، ۴۴۵ ب، ۴۸۵ ب، ۴۹۴ ب، ۵۴۷ الف، ۵۶۰ ب، ۵۷۴ ب، ۵۸۴ ب، ۵۹۶ الف، ۶۰۰ ب، ۶۰۱ ب، ۶۰۳ ب، ۶۰۵ ب، ۶۱۴ الف، ۶۳۹ الف، ۶۵۱ الف، ۶۸۶ الف، ۶۹۲ الف، ۷۰۹ ب، ۷۲۰ الف، ۷۲۱ الف، ۷۲۲ ب، ۷۴۲ الف اور ۷۸۶ ب پر پائے جاتے ہیں

ان میں سے اول الذکر قطعے کے ساتھ کاتب نے «مخدوم بخش مروت

محرر تذکرۂ هذا» لکھ بھی دیا تھا، مگر تصحیح کے وقت یہ فقرہ قلمزد کر دیا گیا ہے۔ بہر حال یہ امر حد یقین کو پہنچ جاتا ہے کہ اس نسخے کا کاتب وہی مروت ہے، جس کے قطعات تاریخیہ خود کتاب میں جابجا ملتے ہیں۔

نسخے کے متن میں ہر حاشیوں پر دوسرے مختلف خط کی تصحیحات ہیں، جو غالباً خود مصنف کے قلم کی ہیں۔

مصنف نے اپنے حالات «عاشقی» تخلص کے ماتحت (۴۰ الف) لکھے ہیں۔ بعض واقعات زندگی الدرمن (۹۶ ب)، تمنا (۳۴ ب و ۱۳۵ الف)، حیران (۱۸۵ الف)، جوشدل (۲۴۵ ب)، رضا (۲۶۴ ب)، شوق (۳۰۷ الف)، اور عشقی (۳۶۵ ب)۔ کے حالات کے ذیل میں بھی پائے جاتے ہیں۔

۲۳۔ روزنامچۂ قلمی۔

یہ مولوی عبدالقادر خان عمگیں رامپوری، متوفی رجب سنہ ۱۲۶۵ھ (۱) (مئی سنہ ۱۸۴۹ء) کی خود نوشتہ سوانحعمری ہے، جسے موصوف نے فارسی زبان میں مرتب کیا ہے۔ چونکہ اس کی ترتیب واقعات تاریخوار ہے، اس لیے اسے روزنامچہ کہا گیا ہے۔

کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں اس کا ایک جدیدالخط غلط لکھا ہوا نسخہ ہے، جو مخدومی نواب صدر یار جنگ بہادر کے کتابخانے کے نسخے سے محمد فاروق صاحب نے ربیع الاول ۱۳۳۵ھ (دسمبر ۱۹۱۶ء) میں فلس کیپ سائز کے ۱۸۱ ورقوں پر نقل کیا ہے۔ اصل نسخہ اول و آخر سے ناقص ہے، اس بنا پر اس کا واقعی سال تالیف بتانا ممکن

(۱) انتخاب یادگار، ۲۷۱۔

نہیں۔ البتہ آخر میں مصنف نے ایک دو جگہہ ۱۸۳۱ع (۱۲۴۷ھ) کو لفظ «اکنوں» سے تعبیر کیا ہے۔

یہ روزنامچہ بہت دلچسپ، کارآمد اور شروع ۱۹ ویں صدی عیسوی کے متعدد اہم واقعات تاریخی کے چشمدید حالات پر مشتمل ہے۔ علاوہ ازیں مختلف مقامات کے علما و ادبا کے حالات اور متعدد علمی ولسانی مباحث بھی اس میں جستہ جستہ مذکور ہیں، جس کے سبب سے اس کی افادی حیثیت دوبالا ہو گئی ہے۔ اور یہ اس قابل ہے کہ تصحیح کے ساتھہ شائع کیا جائے۔

۲۴- گلشن بیخار (شیفتہ) قلمی۔

یہ تذکرہ نواب مصطفی خان شیفتہ، متوفی ۱۲۸۶ھ (۱۸۶۹ع) نے آغاز ۱۲۴۸ھ (جون ۱۸۳۲ع) میں شروع کیا، اور آخر ۱۲۵۰ھ (اپریل ۱۸۳۵ع) میں دو سال کی کوشش کے بعد ختم کیا ہے۔ چونکہ مصنف کا مقصود عمدہ اشعار جمع کرنا تھا، اس بنا پر اس میں کئی چیدہ شعرا بار پا سکے ہیں، جن کی مجموعی تعداد ۶۰۰ ہے (۱)۔

یہ تذکرہ پہلی بار مطبع لیتھو گرافک دھلی اخبار آفس میں مولوی محمد باقر (والد شمس العلما محمد حسین آزاد دہلوی) کے اہتمام سے ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۷ع) میں چھپ کر شائع ہوا۔ دوبارہ دلی کے اردو اخبار پریس میں ۱۲۵۹ھ (۱۸۴۳ع) میں طبع ہوا۔ اول الذکر ایڈیشن کا ایک نسخہ کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں، اور دوسرے ایڈیشن کا رضا اکاڈمی رامپور کے کتابخانے میں محفوظ ہے۔

کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں ایک قلمی نسخہ بھی ہے، مگر یہ مطبوعہ نسخے کی نقل ہے، جسے حافظ قمرالدین خلف حافظ محمد

---

(۱) فہرست کتابخانۂ بانکی پور: ۸، ۱۵۹۔

اشرف صاحب کی فرمایش پر کسی کاتب نے ۵ رجب ۱۲۶۱ھ (۱۸۴۵ع) میں لکھا ہے۔

۲۵- نتائج الافکار (نتائج)، مطبوعہ۔

یہ ۵۲۸ فارسی گو شاعروں کا تذکرہ ہے، جسے محمد قدرت اللہ خان قدرت گوپاموی نے، حسب صراحت دیباچہ، ۱۲۵۶ھ (۱۸۴۰ع) میں شروع کیا۔ خاتمۂ کتاب سے پتا چلتا ہے کہ ۱۲۵۷ھ (۱۸۴۱ع) کے آخر میں مسودہ مکمل کر کے، ۲۱ شعبان ۱۲۵۸ھ (۱۸۴۲ع) کو مصنف نے صاف کیا تھا۔ آخر میں جو قطعات تاریخ مندرج ہیں، اون میں سے دو سے ۱۲۵۷ھ اور چھہ سے ۱۲۵۸ھ ظاہر ہوتے ہیں۔

کتاب کے اندر ۱۲۵۷ھ کو سال اختتام قرار دیا گیا ہے؛ اس لیے کہ محمد حسن علی کے ذکر میں قدرت نے لکھا ہے: «بعد اتمام این کتاب، در سنہ ۱۲۵۸ھ مرحلہ پیمای سفر آخرت گشتہ» (ص ۱۳۸)۔

خاتمۃ الطبع کے رو سے کتاب، مدراس کے مطبع کشن راج میں ۲۹ جمادی الثانیہ سنہ ۱۲۵۹ھ (۲۸ جولائی سنہ ۱۸۴۳ع) کو چھپ کر شائع ہوئی ہے۔ یہی سنہ ایک قطعۂ تاریخ طباعت میں بھی ظاہر کیا گیا ہے۔

۲۶- مدائح الشعرا، قلمی۔

یہ تذکرہ اقبال الدولہ، نواب عنایت حسین خان بہادر، مہجور، فارسی ولد نواب نصیرالدولہ، نصیرالدین علی خان بہادر، صمصام جنگ، ابن نواب امین الدولہ، علی ابراهیم خان بہادر نصیرجنگ خلیل تخلص، مصنف گلزار ابراهیم، کی تصنیف ہے، جس میں ۶۷ اردوگو شاعروں کے مختصر حالات درج ہیں۔ نمونۂ کلام کو مصنف تذکرہ نے خود مخمس، مسدس،

مربع یا مثلث کر کے پیش کیا ہے۔

دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تذکرے کی ترتیب سے پہلے مصنف پانچ دیوان، دو خیالی افسانے، ایک مجموعۂ مثنویات، اور ایک مجموعۂ ادعیہ و نقوش و نسخہ جات مرتب کر چکا تھا۔

دیباچے میں زمانۂ تالیف سے متعلق حسب ذیل جملے ملتے ہیں:

«للہ الحمد کہ در زمان سعادت توامان بادشاہت محمد اکبر بادشاہ غازی، ولیعہد اعلی حضرت، جنت آرامگاہ، شاہ عالم بادشاہ غازی، خلد اللہ ملکہ، کہ ہنگام ارقام این اوراق بر تخت جہانبانی جلوہ افروز مکارم سلطانی بودند، در سنۂ یکہزار و دوصد و شصت (۱) ہجری بسوی ریاض روضۂ رضوان انتقال فرمود، و حضرت ظل اللہ، جہان پناہ میرزا محمد سلیم بہادر بر تخت جہان افروزی متمکن گشتند۔

و باوان وزارت... وزیر الممالک، نواب نصیر الدین حیدرخان بہادر، کہ این عالی جناب نیز بعد مرور سنین چند از تحریر این تذکرہ دامنہ بعالم بقا شتافت، و بعدہ عمویش و بعد عمویش فرزندش، ثریا جاہ بہادر، بر مسند وزارت لکھنؤ رونق [افروز] گشت..

و در زمان حکومت کوین وکٹوریہ تسوید این مجموعہ اتفاق افتاد۔» (۴ الف و ب)

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ تذکرے کی ترتیب کے وقت دہلی میں اکبر شاہ ثانی، لکھنؤ میں نصیر الدین حیدر، اور انگلستان میں ملکہ وکٹوریہ حکمرانی کر رہے تھے۔ اکبرشاہ ثانی نے جمادی الثانیہ ۱۲۵۳ھ (ستمبر ۱۸۳۷ع) میں اور نصیر الدین حیدر نے ربیع الثانی ۱۲۵۳ھ (جولائی ۱۸۳۷ع) میں چند ماہ کے فرق سے انتقال کیا ہے۔ ملکہ وکٹوریہ ۲ جون سنہ ۱۸۳۷ع (۱۲۵۳ھ) کو تخت نشین ہوئی تھیں۔ اس

---

(۱) اکبر شاہ ثانی کا سال وفات ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۷ء) ہے۔ کتاب میں ۱۲۶۰ھ مصنف یا کاتب کا سہو معلوم ہوتا ہے۔

ہوے یقین ہے کہ اس سنہ سے چند سال قبل کار ترتیب انجام کو پہنچا، اور اس کے چند سال بعد، جب کہ دہلی میں میرزا محمد سلیم بہادر، بہادرشاہ ثانی کے لقب سے اور لکھنؤ میں ثریاجاہ، امجد علی شاہ کے لقب سے برسرحکومت تھے، یہ دیباچہ لکھا گیا۔ ثریاجاہ ۶ ربیع الثانی ۱۲۵۸ھ (۱۷ مئی ۱۸۴۲ع) کو تخت نشین ہوے تھے۔ بنابریں یہ دیباچہ بھی اس سال کے بعد لکھا گیا ہوگا۔

شیخ امام بخش ناسخ، متوفی سنہ ۱۲۵۴ھ (۱۸۳۸ع) کو مظلوم اور وصل کے ذکر میں (ورق ۴۷ الف) مغفور لکھا ہے اور شاہ احمل کے متعلق لکھا ہے کہ

«افسوس آنکہ در سنہ ۱۲۶۰ھ بعارضۂ دق ازیں سرائے فانی براحت آباد اقلیم جاودانی انتقال نمود» (۱۷ الف)۔

اس سے پتا چلتا ہے کہ ۱۲۶۰ھ (۱۸۴۴ع) کے بعد تک مصنف نے کتاب میں اضافے کیے ہیں۔ لہذا دیباچے کو بھی اس سنہ کے بعد لکھا جانا چاہیے۔

کتاب کے پہلے صفحے پر لکھا ہے:

«تذکرۂ ہذا تالیف نواب عنایت حسن خاں صاحب مہجور، باشندۂ بنارس، عنایت فرمودۂ جناب مخدومی مولوی محمد حسن صاحب، سلمہ اللہ تعالی، از بلدۂ بنارس بر ڈاک انگریزی»۔

اس تحریر کا انداز سید محسن علی محسن، مصنف سراپا سخن کے خط سے ملتا ہوا ہے۔ بعید نہیں ہے کہ اونہیں نے مذکورہ تذکرہ مرتب کرتے وقت اس نقل کو حاصل کیا ہو۔

کتاب کا خط نستعلیق بدنما، غلطیوں سے پر، اور کاغذ چند ابتدائی اوراق تک انگریزی اور بقیہ دیسی ساخت کا ہے۔

۲۷۔ گلدستۂ نازنیناں (گلدستہ) مطبوعہ۔

یہ تذکرہ مولوی کریم الدین ابن سراج الدین پانی پتی کی تصنیف ہے، جس میں ۳۸ ریختہ گو شاعروں کے مختصر حالات اور طویل انتخابات درج ہیں۔

دیباچے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ذی الحجہ ۱۲۶۰ھ (دسمبر ۱۸۴۴ع) میں یہ کتاب ختم ہوئی اور صفر ۱۲۶۱ھ (فروری ۱۸۴۵ع) میں چھاپا شروع ہوا۔ خاتمے میں ۲۳ رجب ۱۲۶۱ھ (۲۹ جولائی ۱۸۴۵ع) کو چھاپے کا اختتام لکھا ہے۔ چونکہ کتاب کے اندر دو ایک جگہ ۱۲۶۱ھ کو «ہی زمانہ» کے لفظوں سے تعبیر کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چھپتے وقت بھی کتاب میں اضافے کیے ہیں۔

مصنف نے آغاز تالیف کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا۔ مگر ناسخ، متوفی ۱۲۵۴ھ، کے متعلق جو یہ لکھا ہے کہ

«دو تین برس ہوئے کہ اس جہان فانی سے طرف عالم جاودانی کے رحلت کی»

اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ ۱۲۵۶ھ یا ۱۲۵۷ھ میں کتاب زیر تالیف تھی۔ لیکن یہاں یہ احتمال باقی رہتا ہے کہ مصنف کو ناسخ کے سال وفات کی صحیح اطلاع نہ ملی ہو، اور اوس نے «دو تین برس» صرف تخمینے سے لکھ دیے ہوں۔

کتاب کے شروع میں شاہ ظفر، اونکے ولیعہد، اور رمز کے کلام کا انتخاب مندرج ہے، جو ۲۰ صفحوں پر ختم ہوا ہے۔ اس کے بعد ایک صفحے پر فہرست مضامین ہے۔ بعد ازاں کتاب کا سر ورق ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مطبع رفاہ عام میں اس کی طباعت

ہوئی ہے۔ اسی صفحے سے نئے ہندسے ڈالے گئے ہیں، جن کی کل تعداد ۳۳۰ ہے آخر میں ۵ صفحوں کا غلط نامہ ہے۔

یہ کتاب اب عام طور پر دستیاب نہیں ہوتی۔

۲۸۔ طبقات شعرای ہند (طبقات) مطبوعہ۔

یہ تذکرہ بھی مولوی کریم الدین پانی پتی کی تصنیف ہے، جو تذکرۂ حکیم قدرت اللہ خان، گلشن بیخار اور دتاسی کی تاریخ ادب اردو کی مدد سے مرتب کیا گیا ہے۔ کتاب کے سر ورق پر لکھا ہے:

«تاریخ شعرای اردو کا، مستر ایف فیلن صاحب بہادر اور مولوی کریم الدین نے گارسین دتاسی کی تاریخ سے سنہ ۱۸۴۸ عیسوی میں، ترجمہ کیا اور جو سو چوسٹھہ شاعروں اردو گو کے اشعار اور حال بھی دواوین مختلفہ میں سے منتخب کر کے اوس میں مندرج کیا گیا»۔

اسی صفحے پر انگریزی میں بھی کتاب اور مصنف کا نام لکھا ہے، اور اس انگریزی عبارت میں بھی تصریح کی ہے کہ کتاب خاص طور پر دتاسی کی تاریخ سے ترجمہ کی گئی ہے۔

دیباچے اور خاتمے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۴۷ع (۱۲۶۳ھ) میں مصنف نے اس کام سے فراغت حاصل کی تھی۔ کتاب کے اندر بھی جگہ جگہ انھیں ہجری اور عیسوی سنوں کو «سال رواں» بتایا ہے مگر سرورق پر سنہ ۱۸۴۸ع میں ترجمے کا ختم ہونا ظاہر کیا ہے۔ غالباً کتاب ۱۸۴۷ع کے آخر میں اختتام پذیر ہوئی ہوگی، اور ۱۸۴۸ع میں چھاپا شروع کیا گیا ہوگا۔ اسلیے آخری سنہ کو طباعت کا سال قرار دینا زیادہ موزوں ہوگا۔

کتاب خود مصنف نے مطبع العلوم مدرسۂ دہلی میں سید اشرف علی کے اہتمام سے طبع کرائی تھی۔ اس ایڈیشن کا ایک نسخہ پبلک

لائبریری، رامپور، میں اور اوس کی نقل کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں موحود ھے۔ شروع میں شعرا کی فہرست ۲۶ صفحوں پر دی ھے۔ اس فہرست کے بعد نئے نمبر شمار ڈال کر تذکرے کا آغاز کیا ھے، جو ۵۰۴ صفحوں پر ختم ہوتا ھے۔

۲۹۔ تاریخ فرخ آباد، قلمی۔

یہ سید ولی اللہ فرخ آبادی کی تصنیف ھے، جس میں والیان فرخ آباد، رؤسا، علما، شعرا اور فقرا کے حالات لکھے گئے ھیں۔

کتاب کے اندر تاریخ تصنیف کا ذکر نہیں آیا ھے۔ البتہ سید شاہ محمد زاھد دھلوی کے فرزند، چھوٹے صاحب، کے متعلق لکھا ھے کہ اونھوں نے ۲۸ صفر ۱۲۶۴ھ (۱۸۴۸ع) کو وفات پائی۔ اس سے یہ قیاس کیا جا سکتا ھے کہ اس سال کے بعد کتاب ختم ہوئی ہوگی۔

اس تاریخ کا ایک عمدہ قلمی نسخہ حافظ احمد علی خان صاحب مرحوم کے کتابخانے میں، اور اوس کی پراغلاط نقل کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں موجود ھے۔ میں نے جو اقتباسات حاشیوں میں لکھے ھیں، وہ حافظ صاحب مرحوم کے نسخے پر مبنی ھیں۔

۳۰۔ سراپا سخن (سراپا) مطبوعہ۔

یہ تذکرہ سید محسن علی محسن، (۱) ولد سید شاہ حسین حقیقت لکھنوی (۲) کا مرتبہ ھے، جس میں انسانی اعضا کے عنوانوں کے ماتحت

(۱) تذکرۂ شمیم سخن (ص ۲۰۴) میں محسن کا ذکر اون شاعروں کے ذیل میں کیا ھے، جو ۱۲۸۸ھ (۱۸۷۱ع) سے پہلے انتقال کر چکے تھے

(۲) یہ وھی حقیقت ھیں جن کے متعلق مصحفی نے اپنے تذکرۂ ھندی گویان (ص ۸۶) میں لکھا ھے کہ

جانتے ھیں سب کہ اک مدت سے یاں مصحفی کے تذکرے کا شور ھے
تذکرہ یہ جو حقیقت نے لکھا ہے حقیقت مصحفی کا چور ھے

مختلف شاعروں کے اشعار جمع کر کے، خود ہر شاعر کے بارے میں ایک یا دو تعارفی سطریں بھی لکھ دی ہیں۔

دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے دس سال کی محنت کے بعد ۱۲۶۹ھ کے آغاز (۱۸۵۲ کے اختتام) میں اس کو ختم کیا تھا۔ مگر اسی دیباچے میں ذکر کی ہوئی ایک منظوم تاریخ سے ۱۲۶۷ھ (۱۸۵۰-۵۱ع) برآمد ہوتے ہیں۔ اس صورت میں یا تو یہ ماننا پڑیگا کہ کتاب کا اختتام ۱۲۶۷ھ میں ہو چکا تھا، اور آیندہ دو سال حک و اضافے میں گزرے، یا یہ کہ ۱۲۶۷ھ میں کام کے ختم ہوجانے کے گمان پر تاریخ پہلے سے لکھی گئی تھی

یہ کتاب ۱۲۷۰ھ (۱۲۶۱ع) میں منشی نولکشور نے اپنے لکھنئو کے مطبع میں، جو رکاب گنج میں راجہ بختاور سنگھ کے مکان کے اندر واقع تھا، ۲۰۸ صفحوں پر چھاپ کر شائع کی تھی اس چھاپے کا ایک نسخہ ہمارے ہاں موجود ہے۔ اس کی ایک قلمی نقل بھی کچھ عرصہ ہوا خریدی گئی ہے، جو ۷ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ (۲۰ستمبر ۱۸۶۳ع) کو اتوار کے دن ہوشنگ آباد میں تیار کی گئی تھی اس نسخے کے کاتب نے شاعروں کے حالات ترک کر دیے ہیں، جس کے سبب سے اس کا فائدہ محدود ہو گیا ہے۔

مختصر سیر ہندوستان، مطبوعہ۔

حکیم وحیداللہ بن سعیداللہ بدایونی کی تالیف ہے، جس میں بادشاہوں، وزیروں، عالموں، صوفیوں، طبیبوں اور شاعروں کے حالات فارسی زبان میں مندرج ہیں۔

دیباچۂ کتاب کے مطابق «تاریخ نو» سے اسکا سال تالیف طاہر

ہوتا ہے، جو ۱۲۶۷ھ (۱۸۵۰ع) ہے۔ لیکن کتاب کے آخر میں اصل کتاب کے اختتام کے بعد چند منظوم تاریخیں چھاپی گئی ہیں، جن میں سے ایک رباعیہ بہرتیمور کے سال انتقال ۱۲۷۰ھ (۱۸۵۳ع) کو ظاہر کرتی ہے۔ میر سید حسین عرف مدن صاحب ابن مولانا سید دلدارعلی صاحب مجتہد کو لکھا ہے کہ «در وقت تالیف این اوراق از این جہان فانی بعالم جاودانی انتقال فرمودند۔»

مدن صاحب نے ۱۲۷۳ھ (۱۸۵۶ع) میں وفات پائی ہے۔ اس سے یہ یقین پیدا ہوتا ہے کہ مصنف نے کتاب کے اندر بعد میں بھی اضافے کیے ہیں۔

طباعت کتاب، مطبع دبدبۂ حیدری، آگرہ، میں عمل میں آئی ہے۔ اور «تمت بالخیر» کے بعد مالک مطبع کے والد، مرزا محمدکریم بن حاجی محمد مہدی ملتانی صدیقی کی تاریخ وفات سنہ ۱۲۷۳ھ (۱۸۵۶ع) درج ہے۔

۳۲۔ تاریخ جدولیہ (جدولیہ)، مطبوعہ۔

یہ کتاب مسمی خادم علی بن مولوی شیخ کرم علی فاروقی سندیلوی کی تصنیف ہے جس میں بالفاظ مولف:

> «ابتدای آفرینش سے تھوڑا تھوڑا حال عالم کا بطور نقشہ و جدول کے، جس میں ہر شخص اور اوس کے باپ کا نام او تاریخ وفات اور جو وقایع اہم و عجیبہ وغیرہ روی زمین پر واقع ہوئے، مفہوم ہووین، بترتیب سنوات جا بجا نقشہ میں سنہ ۱۲۶۹ھ مطابق ۱۸۵۳ع مدون کر کے نام بھی اس کا تاریخ جدولیہ رکھا»

ان نقشوں میں سے اٹھارویں کے اندر شعرای اردو کے مختصر حالات لکھے ہیں۔ کتاب کی طباعت مطبع مدرسۂ آگرہ میں ۱۲۷۰ھ میں شروع ہوکر ۱۲۷۲ھ میں تمام ہوئی تھی۔ سائز کتابی اور صفحات ۵۹۱ ہیں۔

۳۳۔ گلستان سخن (گلستان)، مطبوعہ۔

یہ تذکرۂ شعرای اردو، صاحب عالم مرزا قادر بخش صابر دہلوی کی تالیف ہے۔ دیباچے میں لکھا ہے کہ یکم شعبان ۱۲۷۰ھ (۱۸۵۴ع) کو اس کا آغاز ہوا، اور چونکہ اس کا اختتام برس دن سے پہلے کسی طرح یقینی نہیں تھا، اس لیے نظام الدین ممنون کا مجوزہ تاریخی نام «گلستان سخن» رکھ لیا، جس سے ۱۲۷۱ھ (۱۸۵۵ع) برآمد ہوتے ہیں۔ خاتمے میں فرماتے ہیں کہ آخر ماہ شوال ۱۲۷۱ھ میں اتمام پایا۔ اس حساب سے تالیف میں ایک برس دو مہینے صرف ہوئے۔

کچھ لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ دراصل اس تذکرے کے مصنف امام بخش صہبائی ہیں۔ اس قسم کی رائیں حسن ظن اور صاف دلی سے بعید اور پچھلے بزرگوں پر بغیر کسی دستاویزی شہادت کے سخت نکتہ چینی کا موجب ہیں، اس لیے میں اس کے ماننے پر آمادہ نہیں ہوں۔

سر ورق کے مطابق اس کی طباعت ۱۲۷۱ھ ہی میں دہلی کے مطبع مرتضوی میں حافظ محمد غیاث الدین کے اہتمام سے ہوئی تھی۔

کتابخانۂ عالیۂ رامپور کے نسخے کے شروع میں، مولوی مہدی علی خان مرحوم، تحویلدار کتابخانہ، نے شعرا کی فہرست اپنے قلم سے لکھ کر شامل کر دی ہے۔ اس میں متعدد جگہ امیر مینائی مرحوم کے قلم سے اضافے بھی ہیں۔ اور فہرست کے سر ورق کے بالائی گوشے میں بخط امیر مینائی مرحوم یہ بھی لکھا ہے کہ «اسمای متحد میان این تذکرہ و تذکرۂ گلشن بیخار ٦٦۔»

۳۴۔ سخن شعرا (سخن)، مطبوعہ۔

یہ تذکرۂ شعرای اردو، مولوی عبدالغفور خان بہادر نساخ، متوفی

سنہ ۱۳۰۶ھ، کا مرتب کردہ ہے، جسے موصوف نے بارہ برس کی مسلسل کوشش کے بعد ۱۲۸۱ھ (۱۸۶۴ع) میں اختتام کو پہنچا کر، «سخن شعرا» تاریخی نام رکھا ہے۔

لیکن کتاب کے بغور مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ ۱۲۸۸ھ (۱۸۷۱ع) تک مصنف نے حاشیے پر نئے معلومات کا اضافہ کیا ہے۔ چنانچہ تسنیم کا سال وفات ۱۲۸۲ھ (۱۸۶۵ع) آزردہ و غالب کا سنۂ وفات ۱۲۸۵ھ (۱۸۶۹ع) اور شیفتہ و ضیغم کا سال وفات ۱۲۸۶ھ (۱۸۶۹ع) خود مصنف نے کتاب کے اندر لکھا ہے۔ تمکین کے متعلق حاشیے پر لکھ دیا ہے کہ اسے ۱۲۸۸ھ میں انتقال کیا ہے۔ داغ کا تذکرہ حالیہ صیغوں میں کر کے تحریر کرتے ہیں کہ ۱۲۸۸ھ میں انکا انتقال ہو گیا۔

خاتمہ الطبع میں مندرج ہے کہ نولکشور کے لکھنوی پریس میں رمضان ۱۲۹۱ھ (نومبر ۱۸۷۴ع) میں اس کا چھاپا تمام ہوا ہے۔ کتاب کا سائز معمولی کتابی اور صفحات کی تعداد ۵۸۲ ہے

۳۵- تسنیم سخن (تسنیم)، مطبوعہ۔

یہ تذکرہ مولوی عبدالحی صفا بدایونی نے اردو زبان میں اول ریختہ گو شاعروں کے متعلق لکھا ہے، «جو سنہ ۱۲۸۸ھ (۱۸۷۱ع) یا اوس کے بعد رونق افزای عالم ہستی تھے۔ اور جن حضرات نے کہ سنہ ۱۲۸۸ھ سے پہلے اس دار فانی کو خیرباد کہا، اون کا کلام و حال درج تذکرہ نہو۔ البتہ دیباچے کو شعرای ماسبق کے کلام سے زینت دی گئی ہے (ص ۱۰)»

دیباچے کی تصریح کے مطابق، ۱۲۸۹ھ (۱۸۷۲ع) میں یہ کتاب تمام ہوئی، اور دلاور علی کے اہتمام سے مرادآباد کے مطبع امدادالہند

و عین الاخبار میں چھپی تھی۔ اس ایڈیشن کا ایک نسخہ کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں موجود ہے۔

۳۶۔ انتخاب یادگار، مطبوعہ۔

یہ تذکرہ منشی امیر احمد امیر مینائی، متوفی ۱۳۱۸ھ (۱۹۰۰ع) نے مرتب کیا ہے، جس میں رامپور کے متوطن اور دربار رامپور کے متوسل شاعروں کے حالات اور منتخب کلام درج ہے شروع میں والیان ریاست رامپور کے حالات اور منتخب کلام جدا ہندسوں کے ساتھ لکھا ہے، جس کے باعث کتاب دو حصوں میں منقسم ہو گئی ہے۔

دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب ۱۲۸۹ھ میں شروع کر کے ۱۲۹۰ھ (۱۸۷۳ع) میں ختم کی گئی تھی۔ آغا علی‌نقی صاحب کی تقریظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ «ہنگام تالیف ۴۱۰ شعرا کے نام تھے.... مگر چھپنے میں تاخیر ہوئی۔ آفتاب‌الدولہ قلق، گوبند لال صبا، شیخ امیراللہ تسلیم وغیرہ ملازمین میں شامل ہوئے، لہذا چھپنے کے وقت تک ۵۱۴ شعرائے نازک خیال کے نام اس تذکرے میں داخل ہوئے»

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۲۹۰ھ کے بعد بھی اضافے کیے گئے ہیں۔ چنانچہ منیر شکوہ‌آبادی کے ایک تاریخی قطعے سے ۱۲۹۲ھ (۱۸۷۵ع) برآمد ہوتے ہیں، جو مدعای ماسبق کی دلیل ہے۔

کتاب کا چھاپا تاج‌المطابع، رامپور، میں ۴ ذیحجہ سنہ ۱۲۹۷ھ کو تمام ہوا تھا۔ اس کا سائز اوسط اور صفحات کی تعداد ۱۶۸ اور ۴۰۶ ہے۔

۳۷۔ خزینۃ‌العلوم (خزینہ، مطبوعہ۔

یہ منشی درگا پرشاد نادر سرہندی کا مرتبہ تذکرۂ شعرای اردو

ہے، جو ۱۸۷۰ع میں شروع، ۱۸۷۱ع میں ختم اور پھر کچھ وقفے کے بعد ۱۸۷۵ع میں صاف کیا گیا تھا۔

خاتمے میں مصنف نے اپنا حال لکھتے ہوئے آخر سنہ ۱۸۷۷ع لکھا ہے، اور دوران طباعت میں، جو ۱۸۷۹ع کا واقعہ ہے، حاشیہ حواشی تحریر کیے ہیں۔

یہ کتاب، قاضی نور الدین فائق گجراتی کے تذکرے کا خلاصہ ہے جس میں اور تذکروں سے بھی چند گجراتی شاعروں کے حالات اضافہ کیے گئے ہیں۔ مصنف معانی و بیان و بلاغت وغیرہ علوم کے مباحث جگہ جگہ درمیان میں ذکر کرتا گیا ہے، جس کی وجہ سے اس کا حجم ۰۷ صفحوں کا ہو گیا ہے۔

اس کا پورا نام «خزینۃ العلوم فی متعلقات المنظوم» خطاب «گلدستۂ نادر لافکار»، اور عرف «تذکرۂ شعرائے دکن» ہے۔ سرورق سے معلوم ہوتا ہے کہ نومبر ۱۸۷۹ع میں لاہور کے مطبع مفید عام میں اس کی طباعت ہوئی ہے۔

اس تذکرے کے دیباچے سے، مخزن شعرا کے متعلق پتا چلتا ہے کہ «فائق کے چھوٹے بھائی، میر حفیظ اللہ خان مسکین نے اس پر حاشیہ لکھا تھا۔ جس سے ۱۲۸۲ھ (۱۸۶۵ع) کا احوال معلوم ہوتا ہے ابو محمد نے بھی ایک دو جگہ حاشیہ لکھا»۔ یہ حواشی بالعموم سنین وفات ظاہر کرتے ہیں۔ اور یہ اکثر انجمن ترقیء اردو کے مطبوعہ نسخۂ مخزن شعرا میں مفقود ہیں

۳۸- انتصار جنود الاحرار (انتصار)، مطبوعہ

یہ تذکرہ، جو متقدمین و متاخرین صوفیا کے حالات پر مشتمل ہے،

نواب سید صدیق حسن خان بہادر، متوفی سنہ ۱۳۰۷ھ (۱۸۹۰ع)، نے «ریاض المرتاض» اور «حظیرۃ القدس» کے بعد مرتب کیا ہے۔ دیباچے میں لکھا ہے کہ مذکورۂ بالا دونوں کتابوں کے خاتموں میں صوفیا کے جو حالات درج کیے تھے، انھیں کو یکجا کر کے ایک نئی کتاب کی شکل دیدی گئی ہے۔ خاتمۂ کتاب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کتاب میں کسی خاص ترتیب کا لحاظ بالکل نہیں کیا گیا ہے، بلکہ جو نام جس وقت جس جگہ لکھ گیا تھا، اسے وہیں رہنے دیا ہے (۱۳۷)۔

سنۂ تالیف کے تذکرے سے دیباچہ و خاتمہ خالی ہیں، مگر اپنے حالات میں لکھا ہے کہ ۱۲۷۰ھ (۱۸۵۳ع) سے اتنک کہ اٹھائیس برس گزر چکے ہیں تصنیف و تالیف کے کام میں مشغول ہوں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۲۹۷ھ (۱۸۸۰ع) میں کتاب ختم ہوئی تھی (۲۳۰)۔ چنانچہ آیندہ صفحے پر بھی سال صراحتاً ذکر کیا گیا ہے۔

کتاب کی طباعت ۱۲۹۸ھ میں بھوپال کے مطبع شاہجہانی میں ہوئی ہے۔ کتاب کا سائز فلس کیپ اور صفحات مشمول غلط نامہ ۲۵۹ ہیں۔

۳۹- شمع انجمن (تتمہ) مطبوعہ۔

یہ فارسی گو شعرا کا تذکرہ بھی نواب سید صدیق حسن خان بہادر کا مرتبہ ہے اس کے دیباچے یا خاتمے میں سنۂ تالیف مذکور نہیں ہے۔ لیکن مولف نے اپنے ذکر میں لکھا ہے کہ میں ذیقعدہ ۱۲۹۲ھ (۱۸۷۵ع) میں کلکتے گیا تھا، اور ۲ ماہ ۹ یوم وہاں رہ کر واپس بھوپال پہنچا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محرم ۱۲۹۳ھ میں ان کی بھوپال کو واپسی ہوئی تھی۔ اور چونکہ مطبع شاہجہانی بھوپال میں اسی سال

اس کی طباعت بھی ہوئی ہے، اس سے یقین ہے کہ آغاز سال میں یہ تذکرہ ختم ہو چکا تھا۔ بلکہ اغلب یہ ہے کہ سفر کلکتہ سے قبل اس کی تالیف کا کام انجام پا چکا ہوگا۔ واپسی پر کتابت کے وقت نئی باتیں بڑھا دی ہیں۔

کتاب مختلف رنگ کے رنگین کاغذوں پر چھپی ہے۔ اس کے آغاز میں فہرست شعرا اور آخر میں متوسلین ریاست کی تقریظیں اور تاریخی قطعات مندرج ہیں۔

۴۰۔ صبح گلشن (صبح)، مطبوعہ۔

یہ سید علی حسن خان بہادر (سابق ناظم ندوۃ العلما، لکھنؤ)، متوفی ۱۳۵۵ھ (۱۹۳۶ع)، کا مؤلفہ تذکرۂ شعرای فارسی ہے، جو حسب تصریح دیباچہ ۱۲۹۴ھ (۱۸۷۷ع) میں لکھا گیا تھا۔ مگر خاتمے سے پتا چلتا ہے کہ غرۂ ذیقعدہ ۱۲۹۴ھ (۱۸۷۷ع) کو اس کا آغاز اور آخر جمادی الاولی ۱۲۹۵ھ (۱۸۷۸ع) کو اختتام ہوا ہے۔ اندرونی شہادتیں بھی اسی کی موید ہیں۔

یہ تذکرہ بھی مطبع شاہجہانی بھوپال میں آخر شوال ۱۲۹۵ھ (۱۸۷۸ع) میں چھپ کر شائع ہوا ہے۔

۴۱۔ روز روشن (روز)، مطبوعہ۔

یہ فارسی گو شاعروں کا تذکرہ ہے، جسے مظفر حسین صبا گوپاموی نے تصنیف کیا ہے۔ دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ غرۂ شعبان ۱۲۹۵ھ (۱۸۷۸ع) میں مصنف نے اس کی ترتیب کا کام شروع کیا، اور حسب تصریح خاتمہ، ۲۹ ربیع الاول ۱۲۹۶ھ (۱۸۷۹ع) کو ختم کر دیا۔

اس کی طباعت بھی مطبع سابق الذکر میں ہوئی ہے، اور سال طباعت ۱۲۹۷ھ ہے۔

۴۲۔ آبحیات، مطبوعہ۔

یہ شمس العلما مولوی محمد حسین آزاد دہلوی، متوفی ۱۳۲۸ھ (۱۹۱۰ع)، کی تصنیف اور تاریخ ادب اردو پر پہلی کتاب ہے۔ گو اس میں تاریخی مسامحات پائے جاتے ہیں، مگر اس کی عبارت کی لطافت اور شوخی ان سب پر پردہ ڈالے ہوئے ہیں۔ اس کا پڑھنے والا یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ خود اون شعرا کی مجلس میں بیٹھا ہوا ہے، جن کے حالات پڑھتے وقت اوس کے پیش نظر ہیں۔

اس کے پہلے ایڈیشن کا ایک نسخہ کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں محفوظ ہے یہ ۱۸۸۰ع (۱۲۹۷ھ) میں لاہور کے وکٹوریہ پریس میں سید رجب علی شاہ کے اہتمام سے چھپا تھا۔ کتاب کے صفحات کی تعداد ۵۰۷ ہے۔ ذوق کے تذکرے میں ۴ ورق بلا ہندسوں کے چسپاں کیے گئے ہیں ان کو سابق مجموعے میں جوڑنے سے ۵۱۱ صفحات ہوتے ہیں۔ سر ورق سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے اس کی ۱۰۰۰ جلدیں چھپوا کر ایک روپیہ فی نسخہ قیمت مقرر کی تھی۔ امتداد زمانہ سے کاغذ کا رنگ گہرا بادامی ہو گیا ہے، اور اکثر اوراق بوسیدہ ہو چکے ہیں۔ زیر بحث حواشی میں آبحیات کے بارھویں ایڈیشن کے حوالے دیے گئے ہیں۔

۴۳۔ طور کلیم (طور)، مطبوعہ۔

یہ سید نورالحسن خان بن نواب سید صدیق حسن خان بہادر کی تصنیف ہے، جسے مصنف نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا حصہ

اودو کو شاعروں سے، اور دوسرا ھندی کہنے والوں سے متعلق ھے۔

خاتمے سے معلوم ھوتا ھے کہ کتاب ۱۲۹۷ھ میں تصنیف اور ۱۲۹۸ھ میں احمد خان صوفی کے مطبع مفید عام آگرہ میں طبع ھوئی ھے۔

۴۴۔ بوستان اودھ، مطبوعہ

یہ کنور درگا پرشاد مہر سندیلوی کی مصنفہ تاریخ شاھان اودھ ھے اس میں ھر بادشاہ کے تذکرے کے آخر میں اوس کے عہد کے مشہور شعرا کا حال بھی لکھا گیا ھے۔

دیباچے یا خاتمے میں تاریخ تصنیف کا حوالہ نہیں ھے، لیکن صفحۂ ۲۰۴ پر ۷ مئی سنہ ۱۸۸۸ع (۱۳۰۵ھ) کو «امروز» سے تعبیر کیا ھے۔

یہ کتاب سنہ ۱۳۱۰ھ (۱۸۹۲ع) میں مطبع دبدبۂ احمدی (لکھنئو) سے چھپ کر شائع ھوئی تھی۔

۴۵۔ خمخانۂ جاوید (خمخانہ)، مطبوعہ۔

یہ تذکرہ لالہ سری رام دھلوی، متوفی ۱۹۳۰ع' کا مرتبہ ھے، اور اپنی جامعیت کے لحاظ سے انسائیکلوپیڈیا کہلانے کا مستحق ھے۔

دیباچے سے پتہ چلتا ھے کہ مصنف نے اسے ۵ جلدوں میں تقسیم کرنے کا قصد کیا تھا۔ ان میں سے ۴ جلدیں اون کی زندگی میں چھپ کر شائع ھو چکی تھیں۔ بقیہ کا مسالا اکھٹا کر لیا گیا تھا کہ اون کا انتقال ھو گیا۔ مکرمی پنڈت برجموھن دتاتریہ کیفی دھلوی نے اس کی تکمیل کا بیڑہ اٹھایا، اور سنہ ۱۹۴۰ع میں اس کی پانچویں جلد چھاپ دی۔ لیکن یہ حرف ش کے تتمے سے حرف ع کے آخر تک پہنچی ھے۔ اس لحاظ سے ابھی کم از کم ایک جلد اور چھپے گی، تب یہ تذکرہ تمام ھوگا۔

تاریخ تصنیف کے سلسلے میں اتنا کہدینا کافی ہوگا کہ مولف نے ۱۸۹۱ع میں اس کام کو شروع کیا تھا، اور ۱۹۰۷ع میں اس کی پہلی جلد کو چھاپا۔ چوتھی جلد، جو مولف کی زندگی میں آخری مطبوعہ جلد تھی، ۱۹۲۶ع میں طبع ہوئی تھی۔ اب خدا بہتر جانتا ہے کہ چھٹی جلد کب شائع ہوگی۔

۴۶۔ محبوب الزمن (محبوب)، مطبوعہ۔

یہ تذکرہ شعرای دکن کے حالات پر مشتمل ہے۔ مولف کا نام مولوی عبدالجبار خان صوفی ملکاپوری براری ہے۔ کتاب کا آغاز ۱۳۲۵ھ (۱۹۰۷ع) میں ہوا تھا، اور ۱۳۲۹ھ (۱۹۱۱ع) میں انجام کو پہنچی ہے۔ اس میں اردو کہنے والے اور فارسی کہنے والے دونوں قسم کے شاعروں کے حالات یکجا جمع کر دیے گئے ہیں، گویا یہ حیدرآباد کی شاعری کا مجمع البحرین ہے۔

کتاب کی طباعت ۱۳۲۹ھ میں مطبع رحمانی میں ہوئی ہے، اور دو جلدوں میں اس کو تقسیم کر دیا گیا ہے۔

۴۷۔ انتخاب زریں (انتخاب)، مطبوعہ۔

یہ سید راس مسعود مرحوم کا انتخاب کیا ہوا مجموعۂ اشعار شعرای اردو ہے۔ چونکہ ہر شاعر کے کلام کے قبل اونھوں نے مختصر حالات بھی لکھے ہیں، اس لیے اس کو تذکرہ قرار دیا گیا ہے۔

دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۶ اگست ۱۹۲۱ع (۱۳۳۹ھ) کو یہ ختم ہوا، اور سنہ ۱۹۲۲ع میں نظامی پریس بدایوں میں چھپ کر شائع ہوا۔

۴۸۔ گل رعنا (گل)، مطبوعہ۔

یہ تذکرہ مولوی عبدالحی، ناظم ندوۃالعلما، متوفی ۱۳۴۱ھ (۱۹۲۳ع)

کا مولفہ ہے، اور بلندیٔ تحقیق اور حسن انتخاب کی بنا پر تمام جدید تذکروں سے بہتر مانا گیا ہے۔

دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۶ ربیع الثانی سنہ ۱۳۴۰ھ (۱۹۲۱ع) کو ایک سال کی محنت و کوشش سے اسے مرتب کیا گیا ہے۔ آب حیات کی طرح یہ بھی طبقات پر منقسم ہے، اور اس کے بہت سے مسامحات سے پاک ہے۔

دارالمصنفین اعظم گڑھ نے اس تذکرے کو چھاپا ہے۔ حواشی میں اس کے دوسرے ایڈیشن (۱۳۵۳ھ) کے حوالے دے گئے ہیں۔

۴۹۔ قاموس المشاہیر (قاموس)، مطبوعہ۔

یہ مشاہیر کا تذکرہ ہے، جسے مولانا نظامی بدایونی نے ۱۹۱۵ع میں شروع کر کے سات برس میں تمام کیا ہے۔

در اصل یہ مسٹر بیل کی انگریزی کتاب موسومہ بہ "AN ORIENTAL BIOGRAPHICAL DICTIONARY" پر مبنی ہے، اسی لیے اس کی ترتیب وغیرہ میں وہ تمام کوتاہیاں موجود ہیں، جو بیل سے سرزد ہوئی تھیں۔ کچھ اسما اور معلومات دوسری کتابوں سے بھی بڑھائے گئے ہیں۔

اس کی پہلی جلد کا مسودہ ۱۹۲۲ع میں پریس گیا، اور ۱۹۲۴ع میں چھپ کر شائع ہوا۔ اس کے دو سال کے بعد دوسری جلد بھی چھپ گئی۔ اب دوسرے ترمیم شدہ ایڈیشن کی تیاری تھی کہ جنگ شروع ہو گئی۔

۵۰۔ سیر المصنفین (سیر)، مطبوعہ۔

یہ اردو کے نثرنگاروں کا تذکرہ ہے، جسے مولوی محمد یحیی تنہا نے

۱۹۲۴ء میں مرتب کر کے شائع کیا۔ اس کتاب کے دو حصے ہیں۔ حصۂ اول کے ۲۲۴ صفحے ہیں۔ اور یہ محبوب المطابع دھلی میں ۱۹۲۴ء میں چھپا تھا۔ دوسرا حصہ ۶۵۲ صفحات پر مشتمل ہے، اور سنہ ۱۹۲۸ء میں جامعہ پریس سے چھپ کر شائع ہوا ہے۔

۱۵۔ آثارالصنادید (آثار)، مطبوعہ (۱)۔

یہ کتاب دھلی کے آثار قدیمہ کی تاریخ ہے، اور ھندوستان کے مشہور مصلح قوم، سر سید احمد خان، متوفی ۱۳۱۵ھ (۱۸۹۸ء) کی تالیف ہے۔

کتاب کے مختلف بیانات کی روشنی میں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۲۶۱ھ میں اس کی تکمیل ہوئی ہے۔ مگر جستہ جستہ ۱۲۶۲ھ اور ۱۲۶۳ھ میں بھی مصنف نے اس میں اضافے کیے ہیں۔

مصنف نے اسے چار بابوں میں تقسیم کر کے، ہر باب کو ایک حصے یا جلد کی طرح جداگانہ ہندسوں کے ساتھ مطبع سیدالاخبار دھلی میں ۱۲۶۳ھ (۱۸۴۷ء) میں طبع کرایا تھا۔ یہ ایڈیشن مصور تھا، اور اس کی تصویریں میرزا شاہرخ بیگ اور فیض علی کے ھاتھ کی بنی ہوئی تھیں، اور علیحدہ کاغذ پر چھاپ کر اپنی اپنی جگہ چسپاں کی گئی تھیں۔

کتابخانے میں اس ایڈیشن کے تین باب موجود ہیں۔ چوتھا جس میں دلی والوں کے حالات درج تھے، ضائع ہوگیا ہے۔ میں نے حاشیے میں نولکشوری اڈیشن کا حوالہ دیا ہے، جس کا نسخہ پبلک لائبریری، رامپور، میں محفوظ ہے۔

---

(۱) اس کتاب کا تذکرہ سہواً اپنے مقام پر رہ گیا تھا۔ یہاں مجبوراً تلافی مافات کی جارہی ہے۔

۵۲- ارباب نثر اردو (ارباب)، مطبوعہ۔

یہ فورٹ ولیم کالج (کلکتہ) کے ۱۹ نثر نویسوں کا تذکرہ ہے، جسے سید محمد قادری (بی، اے) نے آخر سنہ ۱۳۴۶ھ (۱۹۲۷ع) میں مرتب کیا اور مکتبۂ ابراھیمیۂ حیدرآباد نے اوسی سال چھاپکر شائع کیا ہے۔ اس کے صفحات مع دیباچہ وغیرہ ۳۰۹ ہیں۔

۵۳- تاریخ ادب اردو (عسکری)، مطبوعہ۔

یہ تاریخ، رام بابو صاحب سکسینہ کی انگریزی کتاب "HISTORY OF URDU LITERATURE" کا ترجمہ ہے، جسے مرزا محمد عسکری صاحب لکھنوی نے ۱۹۲۹ع میں کہیں کہیں مناسب ردوبدل کے ساتھہ مرتب کیا ہے۔

یہ کتاب دو حصوں اور ایک ضمیمے پر مشتمل ہے۔ اور مطبع نولکشور لکھنؤ نے مصور شائع کی ہے۔

۵۴- تذکرۂ کاملان رامپور، مطبوعہ

یہ تذکرہ مشاھیر رامپور کے حالات پر مشتمل اور جناب حافظ احمد علی خاں شوق رامپوری، (سابق ناظم کتابخانۂ رامپور) کی تصنیف ہے۔

دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف نے ۱۹۲۵ع سے ۱۹۲۹ع تک اس کتاب کی ترتیب کا کام انجام دیا ہے۔

چونکہ اس کے بیانات کا ماخذ اکثر و بیشتر زبانی روایات ہیں، اس وجہ سے تاریخی تسامح پایا جاتا ہے۔ تاھم یہ بیحد قابل قدر ہے کہ اس کے توسط سے سیکڑوں اون علما، صلحا اور شعرا کے حالات منضبط ہو گئے، جو پردۂ گمنامی میں مستور تھے، اور کچھہ عرصے کے بعد ان کے متعلق اتنا علم بھی محال تھا۔

کتاب کے صفحات ۵۶۰ ہیں شروع میں ۱۰ صفحے کی فہرست منضم ہے، جس سے کل صفحات کی تعداد ۵۷۰ ہو جاتی ہے۔

محمد جعفری نے سنہ ۱۹۲۹ع میں ہمدرد پریس دہلی میں، چھاپ کر اس کتاب کو شائع کیا ہے۔

۵۵- التذکرۂ ریختی، مطبوعہ۔

یہ تذکرہ، جو ۳۴ ریختی گو شعرا کے حالات پر مشتمل ہے، مولوی سید محمد تمکین کاظمی نے ۱۹۳۰ع (۱۳۴۸ھ) میں مرتب کیا ہے اس کے شروع میں ۲۹ صفحات کا دیباچہ ہے، جس میں ریختی کی ایجاد اور اوسکے اوصادی پہلو سے بحث کی گئی ہے۔ اس کے بعد تذکرہ نئے ہندسوں سے شروع ہو کر صفحۂ ۸۵ پر ختم ہوتا ہے۔ صفحۂ ۸۶ سے فرہنگ محاورات نسواں شروع ہوتی ہے۔

کتاب شمس الاسلام پریس، حیدرآباد، میں طبع ہوئی ہے۔

۵۶- جواہر سخن (جواہر)، مطبوعہ۔

یہ تذکرۂ شعرای اردو، دراصل منتخب کلام اردو کی ایک طویل بیاض ہے، جسے مولانا محمد مبین کیفی چڑیاکوٹی نے مرتب کیا ہے۔ چونکہ ہر شاعر کے منتخب کلام کے آغاز میں اوس کی زندگی پر بھی اجمالی نظر ڈالی گئی ہے، اس وجہ سے اس میں تذکرے کی شان پیدا ہو گئی ہے۔

اس مجموعے کی تالیف ہندوستانی اکیڈمی، الہ آباد، کی فرمایش پر ہوئی ہے، اور اوسی نے ۱۹۳۳ع میں اس کی پہلی جلد اور بعد ازاں ۳ اور جلدیں شائع کی ہیں۔

۵۷- بیاض سحر (بیاض)، مطبوعہ۔

یہ ۳۳۰ اردو شاعروں کا تذکرہ ہے، جسے عبدالشکور صاحب شیدا نے سنہ ۱۳۵۵ھ (۱۹۳۶ع) میں حیدرآباد (دکن) سے شائع کیا ہے۔ چونکہ یہ بھی منتخب اشعار کی بیاض ہے، اسوجہ سے شعرا کے حالات پر بہت اجمالی روشنی ڈالی گئی ہے۔ تاہم سنین وفات کی تلاش میں سعی و کوشش نظر آتی ہے۔

اس کتاب کے شروع میں دیباچے اور فہرست کے ١٦ اور بعداراں اصل کتاب کے ۲۴۲، کل ۲۵۸ صفحے ہیں۔

۵۸- فہرست کتبخانہای شاہ اودھ (اشپرنگر)، مطبوعہ۔

شاہان اودھ کے کتابخانوں کی یہ فہرست ڈاکٹر اسپرنگر نے مولوی علی اکبر پانی پتی، متوفی ۱۸۵۲ع، کی مدد سے ۱۸۵۰ع میں مرتب کی تھی۔ ڈاکٹر اشپرنگر کا ارادہ یہ تھا کہ اپنی فہرست کو آٹھ بابوں میں تقسیم کریں۔ مگر وہ صرف ۳ باب مرتب کر سکے، جو پہلی جلد کے نام سے کلکتے میں طبع ہو چکے ہیں۔

اس کے پہلے باب میں فارسی و اردو شعرا کے تذکروں اور دوسرے اور تیسرے باب میں فارسی و اردو شاعروں کی تصنیفات کا بیان ہے۔ آخر میں باب اول کا ضمیمہ ہے، جو تین فارسی تذکروں کی کیفیت پر مشتمل ہے۔ کتاب کے صفحات کی تعداد ٦۵۵ ہے، جس میں ۸ صفحے دیباچے وغیرہ کے اور دو غلط نامے کے شامل ہیں۔

اس فہرست کے اوس حصے کا ترجمہ، جو شعرای ریختہ کے حالات پر مشتمل ہے، سنہ ۱۹۳۲ع میں طفیل احمد صاحب نے اردو میں کیا تھا، اور اسی سنہ ۱۹۴۳ع میں ہندوستانی اکیڈمی نے «یادگار شعرا» کے نام سے چھاپ کر شائع کر دیا ہے۔

۹۵۔ فہرست مخطوطات برٹش میوزیم (بلوم ہارٹ)، مطبوعہ۔

یہ فہرست ہندی، پنجابی اور ہندوستانی رسالوں کے قلمی نسخوں کی ہے، جسے مسٹر بلوم ہارٹ نے ۱۸۹۹ع میں مرتب کیا، اور اسی سال میوزیم کے ٹرسٹیوں کے حکم سے چھپ کر شائع ہوئی۔

اس میں پہلے ہندی اور پنجابی اور آخر میں ہندوستانی مخطوطے ذکر کیے گئے ہیں۔ ان دونوں حصوں پر ہندسے جدا جدا ڈالے سے فہرست دو حصوں میں تقسیم ہوگئی ہے۔ دیباچے کے ۱۲، حصۂ اول کے ۸۴، اور حصۂ دوم کے ۹۱ اور پوری کتاب کے ۱۸۷ صفحے ہوے ہیں۔

معذرت۔

ان کتابوں کے علاوہ، بعض دواوین وغیرہ کے دیباچوں کے حوالے بھی دے گئے ہیں، مگر اون پر کسی طرح کا نوٹ لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔

بعض کتابیں بر وقت مطالعے میں نہیں آئیں، اس بنا پر اون کا حوالہ یا تو کتاب ہی میں کسی دوسری جگہ دیدیا گیا ہے، جیسے «سودا» مصنفۂ شیخ چاند، اور یا استدراک کے ماتحت ذکر کردیا گیا ہے، مثلاً «تاریخ نثر اردو» مصنفۂ مولانا احسن مارہروی، «داستان تاریخ اردو»، مصنفۂ مولانا حامد حسن قادری، یا «تاریخ مثنویات اردو» مصنفۂ مولوی جلال الدین احمد جعفری۔ اشاعت ثانی کی نوبت آئی، تو انشاءاللہ اس کی تلافی کردی جائیگی۔

بسم الله الرحمن الرحيم

(۳ الف) بهترین صفحهٔ عبودیت، ونیکو ترین جملهٔ سعادت حمد خالقی و ثنای صانعی است، که هنگام ابداع بسایط، بصورت حروف مفرده زیور هستی و خلعت وجود اوّلاً عطا فرمود، و وقت اختراع مرکبات از مخلوقات، سایر استحکام و نظام تراکیب، کلمات را باشکال مختلفه تابیا بنا نمود، که سالکان راه قویم و طالبان صراط مستقیم، باعانت کلام و مددگاریء فهم سخن ملك علام، باندك صرف نمودن اوقات بسر منزل مقصود بآسانی پی برند، وبدریافت معانی، که مراد از حصول قرب او، تعالی عز اسمه. است، بهرنحو که خواسته باشند، بسهولت فایز گردند. سبحانه، ما اعظم شانه و جل صنعه. و پس از ان فعلی که وسیلهٔ (۳ ب) حصول این عطیهٔ کبری و واسطهٔ وصول بچنین موهبت عظمی از درگاه آن واهب العطایا تواند بود، خواندن درود نامعدود است برحبیب او، محمد رسول الله، صلی الله علیه و آله واصحابه وسلم، که ذات کاملش بهمه جهت مبرا از نقصان، وصفات جمیلهٔ او افزون از حیز شمار و بیان است، وبر آل امجاد و اطهار او که بالاطلاق برگزیدهٔ هر دو جهان اند، وبر اصحاب اخیار و پیروان ابرار او که از سروبع اقتدا تادم اخیر، خلاف مقتدا حرفی از زبان برنیاورده، قدمی براه نگزاشته‌اند، حتی که گردند محبت و ولایت شان از شرائط ایمان.

امابعد درهٔ بیمقدار، ناچیز خاکسار، سر براوی نکو هیده عملی، احد علی ابن سید احمد علی خان، عفی الله عن جرائمهما، بخدمت عالیء متعالیء کالملان صاحب همت و قدرت، و دوستان صافی طینت و اهل مروت چنین عرض می‌نماید که چون بعضی عزیزان و شفیقان نوشتن قواعد صرف و نحو وغیره، بطرزیکه اجرای آنها بزبان هندی موافق محاورهٔ اردو بوده باشد، اکثر تکلیف میکردند، و راقم چون قدرت تحریر آن نمرتهٔ که بایهٔ این اعتبار را شاید، در خود نمیدید، متامل بود، که درین اثنا جناب رفعت مآب، (۴ الف) والا مناقب، عالی مناصب، کهف الاحبا، مربیء غربا، دانای رسوم آشنائی، سرکردهٔ دقت منشان تیز رائی، معین موالیان، ممد مومنان، عمده کسای گره کار بستگان، اعنی، جناب مستطاب، معلی القاب، نواب افتخار الدوله، معین الملك، مرزا قمر الدین احمدخان بهادر، صولت جنگ، دام اقباله، المدعو بمرزا حاجی صاحب که اکبر اولاد، وارشد ابنای خان رفیع الشان، علامهٔ زمان، یگانهٔ دوران جناب فخرالدین احمد خان بهادر، المشتهر بمرزا جعفر صاحب مغفور اند، لازال دولته واقباله، نیز باصرار فرمودند. ناچار امتثالاً للا مر بسو ید رسالهٔ پرداختم، و هر قدر که توانستم قواعد مسطوره از فارسی نقل نموده بهندی مطابق ساختم. پس مسمی گردانیدم مجموعهٔ مذکوره را به «دستور الفصاحت»، و مرتب نمودم ترتیبش رابمقدمه و پنج باب و خاتمه. اکنون رجای واثق از آگاهان باهمت و قدرت و نکته رسان صاحب مروت و صفوت آنست که اگر بمطالعه و ملاحظه این رسالهٔ بیقدر را گاهی نوازند، درحق این بی بضاعت کمترین اعتراض بمیدان تفضیح نتازند، چراکه هیچ کتابی از کتب این فن و رسائل این هنر، که مفید مطلب (۴ ب) و معین مقصد درین باب میشد، درنظر ند اشتم

که موافق آن می نوشتم و ار حطا مصئون ماندم ، ںلکه مترصدم که ںررگانه، (لمولفه)

ںدیل عفو ںپو شںد عںبهای مرا گران کںںد ںحوبیء حود بهای مرا

تا ںر ماںدۂ احر عاملاں آںۂ کرںمه «اذامروا ںاللعو مروا کراما» شریك و شامل ںودهباشںد، و حرای اںں صفت حمیده ار ستار العیوب عافرالدںوب ںیاںںد.

مقدمه - ںاید داںست که رںاں هںدی مںسوب ںاهل هںد است - و وسعت ملك هںد ار کلکته و ڈهاکه تا قراںاغ ںردیك ںه قںدهار شرقا و عرںا، و ار کںارۂ درںای شور تا حںال شمال و آںچه درمیاں اینست حوںا و شمالاً، ںرد مساحاں ںه ںںوت ںیوسته ؛ چناںچه کسمیر هم ںاںں قید در همںں ملك شمرده می شود - و رںاں سکںۂ اںں ولایت ںاعںںار وصع صوںحات و فرب و ںعد مکاںات و احتلاف اںاس و اقوام ںاںحای کثیره واقع شده ؛ لهذا لهحۂ هر صوںه و ںلاد و محاورۂ هر قوم و فرںق متفاوت و متغاںر است ، و رںاں هرںك ار ںدںها ںسںت ںصاحںش در ملك دںگر «ںهاکا» گفته می شود - ںس رںاں مردماں ںںگاله را «ںںگالی» و اهل ںںحاب را «ںںحاںی» و سکںۂ دکهں را «دکهںی» مںگوںںد، و علی هدالقیاس - و دراںں رساله، (۵ الف) که صرف و نحو رںاں هںدی دراں ںیاں ںموده می شود، ںه مراد موافق تحقیق رںاںهای کثیرۂ مدکوره است ، ںلکه مقصود و مطلوب اراں درںاںںں صحت الفاظ حاص و معلومات تراکیب معںںۂ کلامیست که محتص و موصوع ںمحاورۂ اردوی معلی ںاشںد و ںس ؛ ریرا که ںںای تقریر و تحریر تمام اعرۂ عالیمقدار، و مدار کلمه و کلام حمیع شرفا و ںحںای ںامدار و شعرای دوی الاقتدار، که فی رماںںا ںر مسںد اعںںار حادارںد ، ںر همںں محاوره موقوف است.

و اردو عبارت است از زبانی که بعد اختلاط و از تسلط الفاظ پنجابی و سواتی و برج ، که زبان اضلاع قرب و جوار دار الخلافهٔ شاهجهان آباد است ، با کلمات فارسی و عربی و دیگر زبانها، از کسر و انکسار تقالت و تخاوف اصلیء هر لغت باصلاح صحبت همدیگر ، مثل کیفیت متوسطه، که با عتقاد اطبا در مرکبات از معاجین وغیره حادث میگردد ، پیدا شده ساتر عیوب جمیع زبانهای مروجه گردیده است، و بمرتبهٔ حسن و لطافت دران یافته می شود که از روی متانت و وسعت و لطافت و فصاحت پهلو بعربی میزند ، و بکمال (ه ب) صفاو عذوبت بر فارسی تفوق می جوید.

وسبب حدوث این زبان بقاس اینست که چون سواد اعظم هندوستان و منابع این زمین منفعت بنیان بنسبت باقالیم دیگر اوفر ، و زر ریزیء این ملك باکناف جهان هویدا واشتهر ، و بر پایهٔ سلاطین و امرای این کشور از شوکت و ثروت و همت و سخاوت رفیع و منیع تر از عمائد دول و ارکان سلطنت اقالیم دیگر است ، بالضروره دانایان دهر و عاقلان عصر و کاملان هرفن و هنر از فضلا و علما و شعرا و نحاة هرجا که بودند . از اطراف عالم واکناف جهان رو باین سواد اعظم مراد توام آورده ، بمقاصد و مرادات دلخواه رسیدند ، و اکثری از آنها بهمین زمین ارم تزئین توطن ورزیدند پس از سبب آمد وشد دربار و دریس سدن معاملات بامردم این دیار، از حرف زدن باین لغت چاره ندیدند ـ باکر بر درین صحبت، اینها از آنها و آنها از انها ، در حین مکالمه ، بقدر کفایت از الفاظ همدیگر می آموختند و کار بر می آوردند ـ چون مدتی برین نحو گذشت و عمری صرف شد ، از امتزاج الفاظ و ارتباط کلمات در یکدیگر

حالی بهمرسید، که آنرا زبان تازه (٦ الف) توان گفت، چه نه عربی عربی ماند و نه فارسی فارسی، و بهمین قیاس هر «بهاکا» از زبانهای ممزوجهٔ هندی نیز بر اصل خود نماند لکن این حالت هم بر نحو واحد، چنانچه باید، هنوز قرار نگرفته بود، و بمرتبهٔ اعتدال فصاحت که حالا دارد نرسیده، بلکه از افراط و تفریط، یعنی، از انتقال زبان قومی دفعة بزبان فرقهٔ دیگر، فرق بس و تغیری آشکارا یافته می شد، تا اینکه هیچ فقرهٔ و مصرعی ازعیب تنافر و ثقالت بری نبود، و باندك توجه بوی خامی و جلاحت و رنگ بربطی و سخافت از ترکیب آن کلام دریافت میگردید. ومع هذا هر قومی و هر فرقهٔ محاورهٔ خویش را بر دیگری ترجیح میداد، و برغم خود بر و تفوق می جست. ناچار عقلا ودانایان چنین قرار دادند که کلمات سنجیده و الفاظ پسندیده، از هر زبان و هر محاوره که باشد، بصحت و درستی ازان برچیده، بوضعی که مفید مطلب بآسانی و دور از تنافر و ثقالت زبانی بود، در کلام می آمده باشد، ولغات ثقیله که محدث تنافر و مخل فصاحت اند، آوردن آنها بهیچ وجهی نشاید، تا کلام از رتبهٔ فصاحت و پایهٔ بلاغت فرو نیفتد، بلکه خیلی صاف و مانوس طبع و قریب الفهم هر وضیع و شریف بوده باشد، (٦ ب) و موافق همین قاعده که ضبط گردیده، بدربار سلاطین و امرا و بارگاه خواقین و وزرا، همه نجباو شرفا بیکدیگر حرف میزده باشند. چون صورت شاهد این مطلوب بر عرفهٔ استحسان جلوه گری نمود، بنام همین محاورهٔ خاص اردوی معلی شهرت گرفت. لکن این زبان باشروط مذکوره یافته نمی شود مگر در بعضی باشندهای شاهجهان‌آباد که درشهر پناه سکونت دارند، یاربان اولاد این بزرگواران، گو از چندی این صاحبان یا اولاد اینها بشهرهای دیگر هم رفته، سکونت ورزیده

باشند - چنانچه از همین جهت زبان مردمان لکهنؤ، که از قدیم الایام باشندهٔ آن بلده نیستند و بودند، در زمان حال بفصاحت نزدیکتر از دیگر است - سبب عالب آنکه وزیر الممالک نواب آصف‌الدوله مرحوم در بلدهٔ مذکوره سکونت گزیده بود، و رؤسای شاهجهان‌آباد، بتوقع ترقیء وجه معاش و ضیق کوچهٔ تلاش جای دیگر، بیشتر درین جا یکی بعد دیگری وارد شده، راحت خود مشروط باقامت درین شهر یافتند - علی الخصوص شعرای شیرین کلام و دیگر خوش بیانان، که مدار محاوره برین بزرگان است، همه به بارگاه وزیر ممدوح حاضر بودند (ب الف) و مدتها بسر بردند -

فایده - بدانکه تنقیهٔ کلام و تصفیهٔ این زبان وفصاحت انجام بمرتبهٔ اعلی که تسمیهٔ اردو را لایق باشد و مختار فصحا و بلغای عصر گردد، ابتداء از دورهٔ فردوس آرامگاه صورت گرفته است - چه شاعران و ظریفان نسبت* بازمنهٔ دیگر درانوقت بسیار بهمرسیدند، و شعررا بطرز خودها می گفتند - رفته رفته لطافت این صناعت بتحقیق و تدقیق افصح الفصحاو ابلغ البلغا، خاقانیء عصر، فردوسیء زمان، انوریء دهر، عرفیء دوران، وحید زمانه، محقق یگانه، ملك الشعرای هند، سلطان هر ظریف و رند، مغفور و مرحوم، میرزا محمد رفیع المتخلص به سودا، غفر الله ذنوبه، بمرتبهٔ کمال رسید، تا آنکه بیان لطافت و صفای آن بمذاق متاملان منصف برشوکت فارسی چربیده - چرا که صورت قصاید را بطرز اوستادان فارسی، اوّل کسی که بزبان هندی بلوح هستی حسن جلوه داده، همین نقاش معانی بوده است - و بعضی تصفیهٔ محاورهٔ اردو را بصفائی که مروج است بمیرزا جان جان المتخلص بمظهر، که یکی از مشاهیر صوفیهٔ این عصر گذشته، نسبت

دهند - والله عالم -

بالجمله آنچه از محققان بتحقیق پیوسته اینست که مبصری‌ء جواهر کلمات و نقادی‌ء نقود الفاظ ، (۷ ب) از مردود و مقبول و متین و سخیف و مروج و متروك ، بقید کثرت محاوره و صحت لغت که بر زبان شرفا و نجبا و اعزه جاری باشد ، و تالیف شعر بمتانت تمام بطور قصاید اساتذه از فارسی گویان ، تعلق بمرزا محمد رفیع دارد، و ساده گفتن شعر از تکلف ایهام و دیگر صنعت نامطبوع ، که رسم شعرای دورهٔ فردوس آرامگاه بود ، و معنی را قریب الفهم بوضعی با صفا و متانت بستن ، که سامع محتاج شرح و لغت دم استماع نشود ، و در گفتن هر قسم شعر از قصیده و رباعی و غزل و مرثیه و مثنوی وغیره در هر باب متتبع و مقلد فارسیان بودن ، بنا گراشتهٔ مرزا جان جان مظهر است - و یافته شدن چند الفاظ متروکه در کلام سلطان الشعرا ، مثل لفظ «ستی» بمعنی‌ء از و «دیں» که چشم را گویند، خواه بزورن عین ، خواه بوزن حین بهر صورت که نظر در آید و «آنجهو و آنجهوان» که بمعنی‌ء اشك و جمع آن ست و «جهجر» بر وزن حجر ، و «قلق» ساکن الاوسط بمعنی‌ء بقراری و «ناں» بمعنی‌ء نیز و «هم» بجای همے و «تو» بجای تو ے یا «تیں» بجای تمے و امثال اینها که در کلام آن مغفور یافته می شوند ، هرگز هرگز موجب نقص کلام (۸ الف) آن تعدیل نتوانند شد - چه آن مرحوم چون ابتداء خود واضع این طرز عالم پسند شده بود ، ودران آوان درالفاظ متروکه و مستعمل بآن مرتبه فرق و امتیاز حاصل نشده که کلمات تمام زبان مالا یحصی ازهم متمیز و متفرق گردیده باشند ، ناچار الفاظ نشمرده بصورت اصلی ازان دیوان بلاغت بنیان بر می آیند - حالانکه درآخر وقت خود ، آن خلاق معانی از ایراد

چنین الفاظ کراهت میداشت و اتباع خویش را بتاکید نهی می نمود - اما چون کلام دلاویز سابق او، بسبب کمال شهرت، برالسنهٔ صغیر و کبیر بکثرت جاری شده بود، و اخراج این الفاظ ازان خارج الامکان می نمود، لهذا بهمان صورت باقی ماند بناء علیه از شعرای حال کسی آن الفاظ را در تقریر و تحریر نمی آرد و اگر بیارد، دال بر ناآگاهیء اوست - و جماعت مرثیه گویان و منقبت گویان هندی که کلام ایشان سرتاپا از قبایح لفظی و عیوب معنوی مملو و مشحون است، و هرگز ایشان را نظر برآن نیست، بلکه بحریه نسبت خود بمسکین عاجز و هوشدار بیهوش و میرن بی علم نموده، سند غلطیهای خویش از کلام اینها می آرند، و هریك را (۸ ب) امام خود دراین باب میدانند، مع ایمهٔ خودها از طبقهٔ شعرا خارج اند - چه این بی بصران نمیدانند که مرثیه هم یکی از اقسام شعراست، بلکه میگویند که چیزی که در شعر روا نیست در مرثیه جایز است - الحاصل اگر بنابر حصول سعادت و ثواب یا برای تکمیل کلمات خود از اقسام شعر، کسی از شعرا مرثیه بگوید، لازم است که درین میدان هم برکمیت ارادت راه تلاش بتقلید ملك الشعرا خوید، تا راه فصاحت بانی و صحت لفظی و معنوی غلط نکرده باشند -

و نیز باید دانست که چون وضع این رساله بنابر دانستن صرف و نحو محاورهٔ اردو است، و اختلاط الفاظ عربی و فارسی درین زبان زیاده ازحد حصر، بضرورت لازم آمد که این رساله جامع بعض از قواعد فارسیه هم بوده باشد، چرا که اکثر احتیاج می افتد بآن، لهذا باب اول این عجاله بالتمام در همان قواعد نوشته شد - هر چندکه اکثری ازان در الفاظ هندی من حیث الهندیة بکارنمی آید،

اما چون بتوسط ارتباط الفاظ فارسیه و عربیه در بعض تراکیب گنجایش پذیرانند، ناگزیر به تحریر در آمدند. و هر قاعده که در هندی و فارسی مشترك یافته شده، بدان هم ایما نموده (۹ الف) آمد.

و چون معلوم شد که مراد از محاوره زبانیست که بدربار امرا و سلاطین هند، جمیع شرفا و نجبا و فضلا و شعرا بدان حرف میزنند، و هر لفظی که دران بتقریر می آید، آن لفظ لفظ صحیح و مستعمل می باشد، مثلا اگر عربی یا فارسی یا ترکی است، ضرور است که آن لفظ از روی وضع اصل لغت خود صحیح و بامحاوره بوده باشد، و اگر هندیست، باید که از روی آن بهاکا که ماخذ آنست صحت مذکوره داشته باشد ویا صحیح باستعمال اهل اردو بود. مانند لفظ «مکرنا» که مرادف منکر هونا بمعنیء منکر شدن‌ست و «دوانا» که اصلش دیوانه با یای تحتیه است و «ریگنا» بکسر را و سکون تحتیه وغنه و کاف عجمی ونون مفتوح بالف که عبارت از صدای حمار است و اصلش «رینکنا» بکاف تازی ست در زبان برج و دوآبه، و «دلی» بکسر دال وتشدید، زبان زبانست، و «صفیل» بتقدیم صاد مهمله بر فا که اصلش فصیل است، و امثال این الفاظ که بسماعت از زباندانان به ثبوت پیوسته. تمام کلمات این محاوره که صرف و مستعمل در تحریر و تقریر می شوند، باید که بنحوی باشند که بی تکلف و بی تصنع قایل، بر زبان هر صغیر و کبیر و جمیع برنا و پیر از اصناف (۹ ب) مذکوره، بمقام و محل خودها، بی گرفته شدن زبان، زبان زدو مستعمل می شده باشند، تا سامع را بحصول ملکهٔ، که بکثرت سماعت کلمات موصوفه از سابق حاصل دارد، وقت استماع درفهم و ادراك کلام تامل و تردد رو ندهد بخلاف اجتهاد بعض بزرگان که فی زماننا فقط نظر براشتهار خویش

لغات عربیهٔ خارج از محاوره و الفاظ ثقیل را بتکلف در کلام می آرند و سخن را از پایه اش می اندازند و باین صفت از اقران ترفع می جویند.

فایده- بدانکه بنای الفاظ این زبان و کلمات این محاوره، برسی و شش حرف است، اگر همزه براسه دراعداد حروف شمار کرده شود، والا برسی و پنج- و آن اینست،

ا، ب، پ، ت، ٹ، ث، ج، چ، ح، خ، د، ڈ، ذ، ر، ڑ، ز، ژ، س، ش، ص، ض، ط، ظ، ع، غ، ف، ق، ك، گ، ل، م، ن، و، ه، ء، ی-

و این حروف دو قسم اند، مفرد و مشترك- مفرد قسمی راگویند که سوای لغت واحد زبان دیگر نیامده باشند، چون حروف ثمانیه، یعنی، ثا و حا وصاد و ضاد و طا و ظا و عین و قاف که فقط بکلمات عربیه اختصاص دارند، لهذا در الفاظ فارسی هیچ حرف ازین حروف نمی باشد و هر جا که بطرز (ا الف) در آید، باید دانست که آن لفظ در اصل وضع باین حرف نبوده است، بلکه برای رفع التباس یا ضرورتی دیگر متاخرین باین وضع آنرا در رسم خط مروج گردانیده اند، مانند لفظ «صد» «وشصت» و «طپیدن و «طلا» که بمعنیء مایه وشتین و بیقرار شدن و زر است، و امثال ذلك- و ژای عجمی که فقط بالفاظ فارسی خصوصیت دارد وٹای و ڈال و ڑای هندی که هرسه ثقیله اند، فقط بزبان هندی، یعنی کلمات هندی الاصل، تعلق دارند- باقی همه مشترك اند-

مخفی نماند که غرض راقم از عدم اشتراك در دو زبان باعتبار السنهٔ مشهورهٔ مروجهٔ ما مردم است- لغت دیگر، مثل الفاظ فرنگی

وغیر ان دریجا داخل بحث نیست . بالجمله مخصص و ممیز حروف ثلثهٔ
هندی در رسم خط صورت طای حطی است که برسر هریك در
کتابت مفردة می نگارند ، تا ثقیله فوقانی و مهملتین ذال و ژای هندی مشابه
شوند ، و قاری را بغلط نیفگنند . اگرچه حروف دیگر از هندی نیز
هستند که در اصل وضع بآن لغت مخصوصند ، و حالا بکلمات محاوره
بسیار آمیزش دارند ، لیکن چون بنای ریخته ، که عبارت ازین زبانست،
در شعر و کتابت (ن . ب) هم مطلقاً بر تقلید فارسی و فارسی گویان
است ، لهذا آن حروف اعتبار کرده نمی شوند ، بلکه در کتابت و
قرأت تابع فارسی میگردند ، چنانچه لفظ «گهر» بالفتح که بمعنیء خانه
و لفظ «کهر» که بمعنیء سم است ، این هر دو کلمه دراصل زبان
مرکب از دو حرف اند ، که «کها و گها» ورای مهمله است . و
«کها و گها» در بهاکای هندی یك حرف است ، و در رسم خط آن
بهاکا تحریر این حروف نیز بحرف واحد ، لیکن در کتابت ریخته ، که
بطرز فارسی است ، بکاف تازی و عجمی و های هوز ورای مهمله
می نگارند . ازینجاست که در تحریر این نوع کلمات ، سه حرف
نوشته می شوند ، حالانکه دراصل ترکیب این کلمات دو حرفی اند .

و در حروف مشترکهٔ عامه (۱) همزه هم داخل است و باعتبار
عربی وجودش موجود، چه هرچه متحرك است ابتداء و ساکن است بضغطهٔ
زبان ، عرب آنرا همزه خوانند ، والا الف . و در فارسی همزه نیز
الف گفته شود . لیکن ژای عجمی را از حروف اربعهٔ فارسیه ، که
مختص بکلمات اصل خود است ، بخلاف اخوات آن که گاف و پا و
جیم فارسی اند ، اکثر فصحا بجیم تازی بدل کرده بنابر رفع ثقالت

---

(۱) دراصل «که همزه» .

می‌خوانند وبعضی مردمان بر اصل آن. و بعضی (۱۱ الف) حمقای بی اصل که خود را قابل و خبیری دانند، حای حطی و عین سعفص را در کلام موزون وغیر موزون، برای نمود خود درمجالس، با علان حلقی بودنش بموجب قاعدهٔ قرأت تلفظی می نمایند. و این همه تکلف بیجا است و گمان آنها سرا سر خطا، چه اگر اصل این حرکت چیزی می بود، همه دانایان و فصیحان تمام حروف تهجی را در همه کلمه و کلام خود برعایت قوانین قرأت و قواعد تجوید تلفظ میکردند. تخصیص همین دو حرف چه معنی دارد؟

فایده. باید دانست که در کتابت چون صورت الفاظ با یکدیگر متشابهت دارد، برای تفرقه از همدیگر اوستادان قیدها مقرر نموده اند، تا رفع التباس گردد. چنانچه بای عربی را باعتبار نقطهٔ او که واحد است گاهی بموحده و گاهی بلفظ عربی یا(۱) تازی می نویسند، و بائی که منقوط بنقوط ثلثه است، انرا بفارسی یا عجمی، و آنکه دو نقطه بالا دارد، آنرا بقید مثنات فوقانی یا فقط بفوقانی، و آنکه سه نقطه بالای اوست، آنرا بمثلثه، و جیم منقوط به نقطهٔ واحده را جیم تازی یا عربی، و آنکه سه نقطه دارد، آنرا بجیم فارسی یا عجمی، و حای حطی و دیگر حروف را که نقطه نداشته باشند و با حروف (۱۱ ب) منقوطه بتجنیس خطی مشابه اند، مهمله و مقابل را معجمه می نگارند، و ٹای هندی و ڈال هندی و ڑای هندی، این هر سه را گاهی به ثقیله و گاهی به هندی تعبیر کنند. و بعضی این حروف را بکلمات ابجد تفرقه می‌نمایند، چون، حای حطی و های هوز و تای قرشت و صاد سعفص وضاد ضظغ و امثال ذلك. و کاف را نیز اگر

(۱) دراصل، «و بلفظ عربی بای تازی»

فارسی است بفارسی و عجمی ، والا بتازی و عربی ، و یا را بیای تحتانی و تحتیه فقط می‌نمایند ـ

و اعداد حروف هندی و فارسی با مسابه خودها در کتابت متحد اند، یعنی، عدد ٹای هندی بموقابل و ڈال هندی بمهمله و ڑای ایضا هکذا و حروف تازی و فارسی واحد اند در اخراج اعداد خودها، خواه بطریق زبر باشد ، خواه بطریق بینه ـ زبر طرقی را میگویند که معروف است ، یعنی ، از الف ابجد تاطای حطی احاد، و از یای حطی تاصاد سعفص عشرات ، و از قاف قرشت تاطای ضظغ مآت ، و برای غین هزار اند ـ و طریق بینه آنست که نام هر حرف را ملاحظه نمایند که از چند حروف ترکیب یافته ، مثلا ، الف که از الف و لام و فا مرکب است ، حرف اول آنرا گذاشته ، عدد حروف باقی را حساب نمایند ، چنانچه باین حساب برای الف یکصدوده عدد (۱۲ الف) مقرر است و برین قیاس اند (۱) باقی حروف ـ

---

(۱) اصل «این» بجای «اند».

خاتمه

در تذکر (ة) الشعرا

یعنی ، دربیان اسامی و قدری احوال بعضی از شعرا که بتقریب مثال ، کلام فصاحت نظام این بزرگواران درین رساله مندمج گردیده ، تا مطالعه کننده را از حالت و قوت و مرتبهٔ هر یك فی‌الجمله وقوف و آگاهی بوده باشد .

و ایشان ، باعتبار معلومات فن و قوت طبع و چستیٔ تالیف و شیرینیٔ کلام و شهرت خلق ، سه طبقه می شوند .
واکنون شروع می رود بذکر صاحبان طبقهٔ اولی ، یعنی ،

اوّل از طبقهٔ اولی ، چمن آرای حدیقهٔ فصاحت ، نخل پیرای گلشن بلاغت، آب و رنگ بوستان سخندانی ، بلبل خوش لهجهٔ گلزار معانی ، امیر فصحا ، سرحلقهٔ ظرفا و بلغا ، ملك الشعرا ، مرزا محمد رفیع المتخلص (۱) سودا ست،(۱۸۷ ب) غفر الله له، که آوازهٔ سخنوریٔ او عالم را

---

(۱) گلشن گفتار ، ۳۷، نکات ، ٦ب، گردیزی، ۱۴ب، فص ، ۴۲۰ الف، مخزن ، ۳۵، چمنستان، ۳۲۷، حسن، ٦۲ب، گلزار ، ٦۲ الف، ابراهیم، ۱۰۳ ، عقد، ۴۹ ب، تذکره، ۴۴ الف ، نغز، ۱ ، ۳۰۴، شیفته ، ۸۳ب، نتایج ، ۲۲۲، گلدسته، ٦۵، طبقات، ۱۰۹، سراپا، ۳۷۹، مختصر ، ۸۸، خوش معرکه، ۱۳۹، نسیم، ۲۵، سخن، ۲۲۲، آب‌حیات ۱۴۸، طور ، ۵۱، خمخانه ، ۴ ، ۲٦۳، گل، ۱۳۲، انتخاب ، ۸، قاموس، ۱، ۳۱۱، عسکری ، ۱۲۷، جواهر، ۲، ۲۴۲، اشپرنگر، ۲۸۵، بلوم هارت، ۲۸ .

مولوی قدرت الله شوق رامپوری در تکملة الشعرا (۱۴۷ب) نوشته «مرزا رفیع سودا تخلص ، متوطن دهلی، از اکمل و اشهر شعرای ریخته گوی هندوستانست. در ریخته گوئی عدیل و نظیر خود درخطهٔ هندوستان نداشت، و دم استادی و ملك الشعرائی میزد. درغزل و مثنوی و رباعی یکتای وقت خود بود، خصوصا درقصیده گوئی بیمثل(باقی)

فرا گرفته ، و شهرهٔ اوستادیء او از قاف تا قاف در رفته - شاعری بود

(بقیه) و بی بدل بود - احوالش مفصل در «تذکرهٔ هندی» تحریر آمده - دیوان کلیات او در ریخته قریب چهل جز دارد - گاهی فکر شعر فارسی هم می کرد - اشعارش قریب دو سه جز بسطر رسیده»-

مردان علی‌خان مبتلا، در گلشن سخن (۵٦ب) گفته، «سودا، اسمش میرزا محمد رفیع مولد و موطنش دار الخلافهٔ دهلی - اعجوبهٔ زمان و سرخیل ریخته گویان هندوستان بوده - در جمیع فنون نظم، خاصه در قصاید دقت بسیار بکار برده - برزبان نکته سنجان عسلم الثبوت مشهور، و اشعار لطافت شعارش در چارسوق معانی مستندالیه جمهور - الحق مرتبهٔ ریخته گوئی بجائی رسانیده که شاهباز بلند پرواز فکرت به پیرامون او نمی تواند پرید، واشهب جهان گرد وهم و خیال بگرد او نمی تواند رسید - بالجمله آن مخترع فن تازه از بدو شباب تا شصت سال در دهلی برفاه و عزت و حرمت و روشناسیء وزیر و امیر بسر برد - بعد ویرانی و خرابیء آن دیار نقل و حرکت نموده، چندی در فرخ آباد نزد نواب احمد خان گذرانید، و بعد وفات او بلکهنؤ آمد و ساکن گشت - نواب شجاع الدوله بهادر مرحوم کلمات شفقت و مروت نثر رای، مربور مرعی میداشت تاحال که سنه یکهزار و یکصد و نود و چهار (است) در لکهنؤ استقامت دارد - کلیاتش از اقسام سخن شش هفت هزار بیت خواهد بود» -

عاشقی، در نشتر عشق (۱۳۳۲الف) می گوید ، «سودا، میرزا محمد رفیع ابن میرزا محمد شفیع مولدش شاهجهاناباد است - بسبب موروثیت طبع آثار حال تلاش نظم فارسی می کرد، و از سراج الدین علی‌خان، آرزو تخلص، اصلاح میگرفت - خان آرزو فرمود که — پایهٔ کلام فارسی بسیار عالیست، و زبان ما نسبتاً هندی - و هر چند مردم هندی فارسی دانی را بمدارج ارتفاع رساند ، الا بااستادان سلف و ایران زمین ، که زبان ایشانست ، بحر چراغ پیش آفتاب رتبه ندارد - و در ریخته گوئی تاحال کسی شهرت نیافته - لهذا اگر باین زبان مشق سخن نماید ، شاید از فیضان طبعت سرآمد این دیار گردند -

چون صارخ مستحسن بود، پسند خاطرش افتاد، واز آن روز بگفتن شعر ریخته طبع در داد ، و بعد از مشق درانداك فرصت استاد شعرای ریخته گو گردید، و بانیء مبانیء زبان دانیء ریخته گشت ، که جمیع ریخته گویان هند وی را امام این فن و پیغمبر سخن می دانستند - اگرچه جمله طرز کلام را استادی بود حاوی ، الا در مدح و قدح ، که مراد از هجو و قصیده باشد ، اعجاز بکار برده، و قصاید ریخته بر قصاید ملاعرفیء شیرازی پهلو به پهلو گفته و بهم رسانیده - غرض که مخترع و موجد این زبان و طرز خاص است که مثل او کسی ریخته گو را این مرتبه دست نداده، وکسانی که دم ریخته گوئی می زنند و زبان باین دعوی می کشایند، خوشه چین و راه نموده او یند که بر آن قدم می نهد -

بعد تخریب دهلی از آمدن مکرر احمدشاه درانی ، وطن خود را خیرباد گفته به عاشا بر آمد ، و در فرخ آباد و لکهنؤ مدتی گذرانید - هرکجا می رفت ، مردم آن بلده (باقی)

مسلم الثبوت - بهر قسمی از کلام که دست اندار شده ، چنانچه باید و

(بقیه) و والیء آن قصبه ذات معتنم الوجود او را ساعر بر می داستند، و ناوی ساو ك پیش می آمدند ، و قدر وی می نمودند ، و خاطر وی می کردند - آخر حال در شهر لکهنؤ فی سنهٔ یکهزار و یکصد و نود و پیچ ودیعت حیات بجان آفرین سپرده رهگرای منزل اصلی گردید، و بامام باڑہء آقاباقر، که جای قبولیت است ، مدفن یافت - میر غلام همدانی متخلص به مصحفی در تاریخ او این مصرعه بهم رسانیده ، «سودا کجا و آن سخن دلفریب او» و را می گفته ،

درسخن لطف کجا ماند که از حکم قضا	بادل پر هوس ، ای وای ! بمرده سودا
رامیء عمرده تاریخ و فاتش بنوشت	«رحمان لطف سخن، وای ! بمرده سودا»

و راقم از هر دو مصرعهٔ این بیت، سال وی بر آورده ،

میرس از من که اردو حال چو ست	به سودا ماند به اوائف سخن ماند

گاه گاهی بتلاش فارسی هم متوجه می‌شد»

مولوی عبدالقادر خیف رامپوری، در روز نامچهٔ خود (۴۲ الف) می نویسد، «میرزا رفیع‌السودا بقصیده گوئی و مضامین تازه در مدح و قدح سر آمد روزگار خود بود، مگر باید صحت الفاظ زبان دیگر بود - «افتاوا» بجای آفتابه، و «محل» سکون دوم بجای متحرك، و «مرهن» سکون باوفتح را بجای فتح باوسکون را آورده است»-

میرولی الله ، در تاریخ فرخ آباد (۱۵۱ الف، نسخهٔ کتابخانه حافظ احمد علی خان مرحوم) می فرماید، «میرزا رفیع السودا، متخلص بسودا، از میرزایان شاهجهان آباد است - در عهد نواب احمد خان غالب جنگ ، وارد فرخ آباد شده ، در سرکار مهربان خان ، دیوان نواب، چند سال مقیم بود ، و شعرای آن زمان او را استاد خود می شمردند - و آخر عمر به لکهنؤ وارد گردیده، با شعرای آنجا مشاعرات و مشاجرات کرده و وفات یافت»

باتفاق اهل تذکره، وفات سودا درهمان سال واقع شده که در متن از و ذکر رفته است- شاه‌محمد حمزه مارهروی، در ذیل تاریخ محمدی، سودا را در وفات ۱۱۹۵ھ(۱۷۸۱ع) مندرج ساخته ، و باز در فص‌الکلمات گفته ، که «یکی از تلامذه اش محمد قایم نام ، که بالفعل رفیق بدرالله‌خان ، نبیرهء علی‌محمدخان است، تاریخ و فاتش چنین بقلم آورده ،

آه ! مرزا رفیع دنیا سے	جاکے جنت میں جب مقیم ہوا
درد فرقت سے اوس کے مثل قلم	اهل معنی کا دل دو نیم هوا
سال تاریخ کی تھی مجھه کو تلاش	کیونکه بس حادثه عظیم هوا
اس میں پیر خرد نے از سر یاس	یه کہا «اب سخن یتیم هوا»

اما در خصص المتین (ص ۱۴۳ ، شماره ۶۹۳ ، تاریخ عربی ، کتابخانهٔ آصفیه ، حیدرآباد) نوشته که سودا در اوایل ۱۱۹۶ھ (۱۷۸۲ع) فوت شد - بر بنده ، اطلاعی درست بسنت رحلت سودا بدست مواهش نیامده است -

کتابخانهٔ عالیهٔ رامپور ، نسخهای خطی دیوان و کلیات سودا را دارا است -

شاید ، از عهدهٔ آن بیرون آمده ، بلکه آن کلام را بمرتبهٔ رسانیده
که قوت هیچ موزونی بادای آن نمی رسد ـ غزل را بآن پاکیزگی و
ملاحت ادا نموده که اگر می بود، صایب خود داد آن می داد ، و رتبهٔ
قصیده بآن متانت و علو رسانیده که عرفی اگر میخواند ، تلمیذانه
سر ادب بپایش می نهاد ـ درادای حق مدح و منقبت ، اگر گویم ، گوی
مسابقت از سلمان و ظهوری ربوده، و در ذکر هجو و مذمت، اگر
برشمارم ، صدها دریچهٔ استهزا و سخریه برروی هزلیات انوری و سنائی
گشوده ـ کلامش بالتمام تبصره و سند است جهت جمیع شعرا ، و تالیفش
سراسر آئین و دستور است پیش همه بلغا ـ غرض هر چه گفته‌است ،
چنان گفته که کسی نمی تواند گفت ـ قید ریخته که فقط برمحاورهٔ اردوی معلی
منضبط ساخته، و نظم قصیده درین زبان بطرز فارسیان که نخست پرداخته،
همین صاحب کمال بود ـ احسان این صفت وحق این صنعت بر گردن
جمیع شاعران و فصحای هند مدام ازو باقی است ـ معهذا دیگر اوصاف
و کمالات آن بیعدیل، که با نفس شریف خود جمع داشت ، چه‌گویم ؟ از
آداب صحبت ملوك وسلاطین و آگاهی بعلم موسیقی و طرح نهادن
بر سلام و مرثیه های گفتهٔ خود و تهذیب اخلاق و تالیف قلوب و علم
مجلس وغیره (۱۸۸ الف) چه هنرها که در ذات کامل الصفات او نبودند؟
مدام بصحبت امرا و وزرا گذرانیده ، همیشه بخلاع ثمین و جایزهای
سنگین از خدمت اینها سرافراز بوده ـ مدتست که در لکهنؤ شربت
ناگزیر اجل چشیده ، زندگانیء بی اعتبار را جواب داد، و کلیات ضخیم (۱)
که مملوبهمه قسمها (ی) سخن است، مثل داغ مهاجرت خویش ، بر صفحهٔ
روزگار یادگار گذاشت ـ مرقدش در امامباڑهٔ آغا باقر مرحوم ، و

---

(۱) اصل، «دخیم»

تاریخ و فاتش این است۔ مصحفی می گوید۔ تاریخ،

مرزا رفیع ، آنکه راشعار هندش
هر گوشه بود در همه هندوستان علو
ناگه چو در نوشت بساط حیات را
گردید مدفنش رقصا خاك لکھنؤ
تاریخ رحلتش بدر آورد مصحفی
,, سودا کجا و آن سخن دلفریب او ،،

چند شعر از کلام آن مغفور تبرکا دریں مقام هم ایراد می نماید۔(۱) فقط

سودا ، گرفته دل کو نه لاوو سخن کے بیچ
جوں غنچه، سو زباں هے اوسکے دهن کے بیچ
جس نے نه دیکھی هو شفق صبح کی بہار
آ کر ترے شهید کو دیکھے کفن کے بیچ

میں دشمن جان ڈھونڈ کے اپنا جو نکالا
سو حضرت دل ، سلمه الله تعالی !
کہتا هے نگه سے نه ترا گوشهٔ ابرو
دیکھے جو کوئی جوں گرفته ، تو لگالا
اتنا هے تو یوسف سے مشابه، که عدم کے
پردے میں چھپا اوس کی تئیں ، تجھکو نکالا

حال دل سے مرے جب تك وه خبردار نه تھا
جز دم سرد، کوئی محرم اسرار نه تھا
پیار و اشفاق و وفا، مہر و محبت، الطاف
دل کو جس روز لیا ، کونسا اقرار نه تھا ؟
(۱۸۸ب) صحبتوں کا، نه کرو، غیر کی مجھه سے اخفا

(۱) نیز ملاحظه شود بوستان اوده، ۹۵، و سودا مصنفهٔ شیخ چاند مرحوم، و یاس، ۱۳ ـ

کون سی شب تھی که میں وهاں پس دیوار نه تھا ؟

جو عمل چاهیے کیجے، مرے دوکھه دینے کا
وه نه کیجے که کہے کوئی، «سزاوار نه تھا»

شبنم کرے هے دامن گل شست و شو، هنوز
بلبل کے خون کا، نه گیا، رنگ و بو هنوز

قد کو تیرے حسن جگه مشق خرام یار هے
اوس جگه شور قیامت، فرش پاانداز هے

خط کے آنے هی، چلے اکثر غلامی سے نکل
بنده پرور، دیکھیے آگے، هنوز آغاز هے

شاعران هند کا تو، گرچه، پیغمبر هیں
پر سخن کہنے میں، اے سودا، تجھے اعجاز هے

کیا جانیے، کس کس سے نگه اوسکی لڑی هے ؟
جس کوچے(۱)میں جا دیکھو، تو ایك لوتھه پڑی هے

ٹھہرا هے بری چال میں اور زلف میں جھگڑا
هر ایك یه کہتی هے، «لٹك مجھه میں بڑی هے»

گو پیر هوئی شاعری سودا کی، جوانو
تم سے نه کھچے گی، یه کمان سخت کڑی هے

سوز، جوں شمع، نہیں گرمیء بازار مجھے
هوں میں وه جنس که آتش دے خریدار مجھے

هے قسم تجکو، فلك، دے تو جہاں تك چاهے
جلوهٔ حسن اوسے، حسرت دیدار مجھے

نه پھرا ملك عدم سے کوئی یار، اے سودا

---

(۱) اصل، «کوچه».

حانا اب ا(و)ن کی حبر لیسے کو نا چار مجھے

حس رور کسی اور پہ بیداد کرو گے
یہ یاد رھے، ھمکو بہت یاد کرو گے

نہ بھول ، اے آرسی ، گر یار سے تجھکو محبت ھے
بھروسا کچھہ نہیں اوس کا، یہ منہ دیکھے کی الفت ھے

اوس دل کی تف آہ سے کب شعلہ بر آوے؟
بجلی کو، دم سرد سے حس کے، حذر آوے

(۱۸۹ الف)ٹك داع سے چھاتی کے سرك حاے حو پھاھا
آتش کے تئیں ، قدرت حالق نطر آوے

افعی کی یہ طاقت ھے کہ اوس سے سر آوے؟
وہ رلف سیہ، اپنی اگر لہر پر آوے

نامے کا حواب آنا تو معلوم ھے ، ایکاش !
قاصد کے ندوبیك کی مجھہ تك حبر آوے

اب کے تو گیا ھے، پر اوسے دیکھیو، نادان
پل میں نہ اوڑاتا وہ ، اگر ، نال و پر آوے

صورت میں تو کہتا نہیں ، «ایسا کوئی کب ھے»؟
ایك دھج ھے کہ وہ قہر ھے، آفت ھے، عصب ھے

دشنام تو دینے کی قسم کھائی ھے ، لیکن
(۱) حب دیکھے ھے وہ مجھکو، تو الك حنش لب ھے

یعقوب ، ترے عہد میں یوسف کو حو روتا
کہتا میں کہ «یہ فہم (۲) پیمبر سے عجب ھے»

---

(۱) اصل، « حب دیکھے مجھکو وہ » ۔ تصحیح ار کلیات سودا، ۲۳٦ الف شمارہ ٦۹۹ ، نظم اردو ۔

(۲) اصل، «پیعمبر» ۔ و تصحیح ار کلیات مذکورہ ۔

کہتے ھیں حسے عسق، تو وہ چیز ھے، سودا
حوں دات حدا، حس کے حسب ھے، نہ سب ھے

عارص پہ حس حط سے، دمك کیا ھے نور کی
نہ دود لڑ رھا ھے تحلی سے طور کی
طوفاں طراریء مرۂ عاشقاں نہ پوچھہ
کچھہ آبرو رھی ھے نہ چسم تنور کی
سودا کو عاشقی سے رکھا چاھتا ھے نار
ناصح نصیحت اپنی سے، حو بی شعور کی!

ناتیں کدھر گئیں وے تیری بھولی بھولیاں؟
دل لیکے بولتے ھو حو تم اب یہ بولیاں
اندام گل پہ ھو نہ قبا اس مزے سے چاك
حوں حوش قدوں کے ں پہ مسکتی ھیں چولیاں
کیا چاھیے حنا سر انگست پر ترے؟
حس نیگنہ کے حوں میں چاھیں ڈبولیاں
سودا کے ساتھہ صاف نہ رھتی تھی رلف نار
سانے نے پیچ پڑکے، گرہ اوسکی کھولیاں

(۱۸۹ب) «توے سودا کے تئیں قتل کیا» کہتے ھیں
نہ اگر سچ ھے، تو طالم اسے کیا کہتے ھیں؟

سودا، ھمار عسق میں شیریں کے، کوھکں
ناری اگرچہ پا نہ سکا، سر تو کھوسکا
کس مںہ سے، پھر، تو آپ کہتا ھے عشق نار؟
ای رو سیاہ! تجھہ سے تو یہ بھی نہ ھوسکا

سودا جو کہے، گوش سے ہمت کے سنے تو
مضموں یہی ہے جرس دل کی فغاں کا
ہستی سے عدم تک، نفس چند کی ہے راہ
دنیا سے گزرنا، سفر ایسا ہے کہاں کا!

نگری آباد ہے، (۱) سے ہیں گانوں
جھ بن، اوجڑ پڑے ہیں اپنے ٹھانوں

منڈا کر خط کو، کیوں کانٹے تم اپنے حق میں بوتے ہو؟
یہ عارض گل نہ ہو سکے، عبث سبزہ بھی کھوتے ہو

نسان دانۂ روئیدہ، انکسار کرہ
کھلی جو کام سے میرے، پڑی ہزار گرہ

اگر عدم سے نہ ہو ساتھ، فکر روزی کا
تو آب و دانہ کو ایکر، گہر نہ ہو پیدا

سودا، پئی دنیا تو بہر سو، کب تک؟
آوارہ ازیں کوچہ بآں کو، کب تک؟
حاصل تو ہے یہ اس سے کہ تا دنیا ہو (۲)
بالفرض اگر نہ بھی ہوا، تو کب تک؟

دوم از طبقۂ اولی، متکلم سحرکار، شاعر جادو کردار، سلطان اقلیم فصاحت، فرماں فرمای کشور بلاغت، مونس و غمخوار جماعۂ عشاق نام برآوردہ باوستادی در تمام آفاق، سلطان الظرفا سیدالشعرا، ممالکت سخن را امیر، سید محمد تقی المتخلص بہ میر، (۳) نور اللہ مضجعہ، شاعری

(۱) اصل: «سیں». (۲) دریں مصرع الفاظ دیگر هم مروی است.
(۳) نکات، ۲٦ الف، گردیزی، ۲۴ الف، فص، ۴۲۴ ب، مخزن، ۴۰، چمنستان، ۲٦۱؛ حسن، ۱۱۳ الف، طبقا، ۲۳۲، گلز، ۱۷۰ ب، لطف، ۱۵۲، عقد، ۸۷ ب، تذکرہ، ۲۸ ب، (باقی)

بود بر قوت، بر جمیع اقسام سخن (۱۹۰ الف) قادر، بهمه دقایق سخن وری

(بقیه) نغر، ۲، ۲۲۹، شیفته، ۷۷ ب، تاریخ، ۴۱۳، گلدسته ۳۶، طبقات، ۱۱۵، حد و لیه، ۱۳۹، مختصر، ۹۲، نسیم، ۲۶، سحر، ۹۷، ۴، بوستان اوده، ۹۶، آبحیات، ۲۰۳، ۲۴۱، گل، ۱۵۰، انتحاب، ۲۰، قاموس، ۲، ۲۴۴، عسکری، ۱۶۹، مقدمهٔ مثنویات میر از سید محمد، بیاض، ۲۵، جواهر، ۲، ل، مقدمه کلیات میر، مرثه آسی، اشپرنگر، ۱۷۵، بلوم هارت، ۳۲ —

خان آرزو، در مجمع النفایس (۴۰۴ الف) می فرماید، «میرمحمد تقی المتخلص میر، مولدش مستقر الخلافهٔ اکبرآباد است در اول مشق اشعار ریخته، که زبان اردو شعریست بطرز شعر فارسی، توغل بسیار نموده، چنانچه شهرهٔ آفاقست. بعد آن بگفتن اشعار فارسی بطرز خاص گرویده، قبول خاطر ارباب سخن و دانایان این فن گشت. طبعش بمضامین تازه و غیرمبتذل معنی پرداز است، و اشعار او بلطافت ادا و انداز. از سکه ذهن مناسب و طبع ثاقب یافته، در ابتدای مشق شعر رتبهٔ سخن را بپایهٔ انتها رساند. از چند سال بجناب معالی القاب عمدة الملك مهاراجه بهادر کامیاب فراوان فیوضات و بهره اندوز انواع احسان و پرداخت و احوال هراعال می گرداند هر چند میر دیوان مختصر دارد، اما غزلهای دردمندانه و عاشقانه می گوید».

و قیام الدین حیرت، در مقالات الشعرا (۷۲ ب) می گوید، «میر محمدتقی میر تخلص، همشیره زادهٔ خان آرزو و معمور است. اکثر اشعار ریخته می گوید. و تذکره مصمن احوال شعرای ریخته گو بیر تالیف نموده. و هر هفته روز ری بخانه اش اجتماع ریخته گویان و مشاعرات در ایشان می شود. در شعر فارسی هم مهارتی پیدا کرده. چند شعر خود را بخط خود نگاشته برای صاحب خداوند داده بود که داخل تذکره نماید».

و میر علاء الدوله اشرف علیخان، در تذکرة الشعرا (۳۶۶ ب) می نویسد، «میر تقی میر از ریخته گویان مشهور و همشیر زادهٔ سراج الدین علیخان آرزو است».

و شوق رامپوری، در تکملة الشعرا (۲۸۸ ب) فرموده، «میر محمدتقی نام، میر تخلص همشیره‌زادهٔ سراج الدین علیخان آرزو است. در فنون شاعری و قواعد دانیء فارسی یگانهٔ آفاق، خصوصا در ریخته گوئی وحید زمانه و نهایت طاقتست. از اشهر شعرای هندوستانست از چند سال در بلدهٔ لکهنؤ بطلب وزیر الممالك آصف الدوله رفته است، و نواب موصوف با او برعایت پیش آمد. تاحال کرسی سخنوری در لکهنؤ می نوازد. پنج دیوان ریخته و مثنویهای متعدده دارد در زبان هندی. گاهی در فارسی هم تلاش معنیء تازه میکند».

و مبتلا در گلشن سخن (۸۷ ب) نوشته، «میر محمد تقی متخلص میر، شاگرد سراج الدین‌علیخان آرزو است».

و مولوی عبدالقادر چیف رامپوری، در روز نامچهٔ خود (۷۳ ب و ۷۴ الف) می نویسد، «تقی میر، الفاظ زبان دیگر، چه فارسی وچه عربی، غلط نمی آرد. حرکت هر جا که بنظم اوست، بحرکت دوم (؟) است. و تعقید هم در کلامش کم است. و در نشست کلمات بوقع وچستیء ترکیب برمرهٔ معاصران ممتاز بود، لیکن مضمون تازه بدیوانش (باقی)

عالم و ماهر. غزل را بطرزی گفته که هیچکس نمی‌تواند، بلکه درین باب بملک الشعرا هم حرف است. چون کلامش، سست وسعت، جامع

(بقیه) کم توان یافت، و بقیه ترجمهٔ اشعار فارسی در ابیاتش بسیار. غالبا عمدا برای تعلیم ترجمهٔ نظم بنظم بدیگران گفته باشد. میفرماید،

تیرے قدم کا ہوگا حسن جاشان زمیں پر   رکھیں گے سر کو اوس جا صاحبدلاں زمیں پر

حافظ گوید،

بر زمینی که نشان کف پای تو بود   سالها سجدهٔ صاحب نظران خواهد بود

و بر غیر حروف صله وقع آرد، مانند، سے و پر و کو و میدانم که در ریخته برای شهرت استاد همچنان باید، که در استعمال مفردات هندی هردو برابر اند، مگر الفاظ زبان دیگر. و ترکیب چست و سست و مواقع حروف روابط چه در گفتار عامه و خاصهٔ یك شهر، که مفردات کلام همه یکی باشند، بدین چیزها تفاوت در مراتب حسن و قبح کلام بسیار باشد. و الفاظ مفردهٔ جناب میر مطبوع نی، چه گاهی بکسر هندیء دهه می آرد وگاهی لغت قاموس»

و عنایت حسین خان مهجور، در مدایح الشعرا (۳۶ الف) می گوید، «اسم سامی و نام نامیء آن شاعر یگانه، وحید زمانه، کشاف اسرار مالا ینحلی، میر محمد تقی، علیه الرحمه مولد و موطن آن صاحب سخن اولا شهر اکبرآباد، و بعده در شاهجهان‌آباد دهلی است».

و از خط محمدمحسن المخاطب بزین‌الدین احمد، که بر نسخه دیوان چهارم میر، (محفوظ بکتابخانهٔ ریاست محمودآباد) ثبت افتاده، بدریافت میرسد که میر «بروز جمعه بستم شعبان المکرم وقت شام سنه یکهزار و دوصدوبست و پنج هجری (۱۸۱ ع)، در شهر لکهنؤ در محلهٔ ستهتی، بعد طی به عشرهء عمر، بجوار رحمت ایزدی پیوستند، و بروز شنبه بست و یکم ماه مذکور وقت دوپهر، در اکهاڑهء بهیم، که قبرستان مشهور است، نزد قبور اقربای خویش مدفون شدند». (مقدمهٔ کلیات میر، آسی، ۸).

و بر همین تاریخ اتفاق ارباب تذکره است، باستثنای انتخاب که درو غالبا از راه سهو ۱۲۲۲ه (۱۸۱۰م) نوشته شده.

در کتابخانهٔ عالیهٔ رامپور، ۵ نسخهای خطیهٔ دیوان و کلیات میر یافته می شود. یکی از آنها، که مشتمل بر هفت دیوان و فیض میر و ذکر میر می باشد، شیخ لطف‌علی حیدری بین ۲۷ رمضان ۱۲۴۵ه (۱۸۳۰م) و سلخ رمضان ۱۲۴۶ه (۱۸۳۱م) برای مرزا قمرعلی صاحب، نوشته بود. از الواح زرین وجدا اول زرنگینش بوضوح می پیوندد که کاتب در نقل این نسخه اهتمامی بکار برده است. و از اول کتاب تا آخر ردیف اللام از دیوان سوم، در بین السطور و بر حواشی مطالب اشعار را در زبان فارسی شرح کرده شده است. کاتب این حواشی، که بالجزم غیر کاتب نسخه است، هیچ جا اسم خود را نشان نمی دهد. اما بعید نیست که همان مرزا قمرعلی صاحب باشد که برای او این نسخه نوشته شده.

اکثر کلمات محاوره افتاده، افادهٔ سند ازان سمت کلام مرزا زیاده تر است؛ اما تقلید و پیرویء او نهایت دشوار - اگرچه کلام فصاحت نظامش، مثل سعدی، بظاهر آسان نظر می آید، ولی ممتنع است - بیشتر شعرا مقلد او هستند و مطلق طرزش نمی‌یابند، بخلاف مرزا محمد رفیع که باوجود کمال پختگی، که دارد، تقلیدش هر صاحب فهمی را ممکن - و برشتگیء کلام و نزاکت معانیء میر راچه گویم؟ یا استادی و معلومات این مسلم الثبوت را چه نویسم؟ سلمای اعتبار میر درین فن با لیلای شهرت مرزا در یك محمل سوار، و آفتاب شهرهٔ این هر دو بی‌عدیل، بچرخ علو در یك درجه گرم اشتهار - لهذا نواب آصف‌الدولهٔ مغفور و مرحوم، هم بعد رحلت مرزا، میر را از شاهجهان‌آباد فخرنه طلب داشته، بمنصب عالی ملازم ساخت (۱)، و از خاطرداری و پاس مشارالیه، هیچ دقیقه فرو نمی‌گذاشت؛ حالانکه حساب میر، نغرور کمال و استغنای تصوف که مضمر بخاطرش بوده، اکثر کم التفاتی و بی اعتنائی بحال مردم می‌نمود، بلکه گاه گاه با امرا هم، چنانچه باید، راه التفات و مؤالفت نمی پیمود - چنانچه نقل است که روزی میر صاحب قصیدهٔ تازه گفته، بدربار آوردند - نواب وزیر، که از چاشت فراغ کرده، متوجه شنیدن شد - میر صاحب (۱۹۰ ب) شروع بخواندن کردند و طول دادند - اتفاقا آن روز ملامحمد معلی را که تازه از ولایت آمده و شاعر هم بوده، برای ملازمت(۲) آورده، می خواست که آنهم چیزی در مدح (۳) حضور بخواند، وتطویل قصیدهٔ میر وقت نگراشت - ملامحمد تنگ آمده گفت که ” میر صاحب، قصیده خوب است، اما طولانی - اگر دماغ نواب صاحب وفا نمی کرد، که می شنید؟“، میر بمجرد استماع بیاض از دست انداخته

(۱) برحاشیه نوشته‘ «سحه، سر فراز نمود»، (۲) اصل، «ملادمت» (۳) اصل «مدح در»۔

ومعص شده گفت که «اگر دماغ نواب وفا نمی کرد، دماغ من کجا وفامی ماند؟» مطای پاس حصور نه نمود- نواب، که خود حان مجسم بوده، استمالهٔ مزاج میر بکمال مهربانی و منتها نموده، بقیهٔ قصیده هم تمام شنید، و حاطر ملا هیچ نکرد، باوصف اینکه او با نواب صیغهٔ اخوت داشت- عرصکه شرح صفات و بیان کمالات آن سیدالشعرا از قدرت قلم و زبان زائد است- بعد نواب هم زندگانیء بسیار کرد- سه چهار سال شده که در لکهنؤ وفات یافت- نسش «دیوان» و یك «دیوانچه» و چند مثنوی، «شکار نامهٔ» و «طاری هولی» وعیره. که باسارهٔ وزیر مرحوم نوشته بود، همه در زبان ریخته، و چند حرو نثر ونطم فارسی، در دهر یادگار گراسته است- چنانچه تاریخ آن یگانهٔ زمانه، مرزا معل فرزانه، که هصما لقمسه. عاقل تخلص درکلام میگذارد، دریں قطعه نطم فرموده، تاریخ،

حب دل احباب پر ، موجب رنج و الم
(۱۱۹۱ الب) و بعدهٔ حسانگداز میر تقی کا هوا

مادهٔ تاریخ کا ، پھر خرد نے وقتیں
درد کے رو سے کہا، «آہ نظیری موا»
(۱۲۲۵ ھ)

ایں چند شعر از کلام آن جادو کردار دریں جا نوشته می شوند،

پڑی ہے آنکھ جا کر، ہر دم، صفای تن پر
سوجی کہے تھے پریاں، اوس بوٹے کے دل پر

نام خدا ، نکالے کیا پاؤں رفته رفته!
تلوار پن چلیاں ہیں اوسکے تو اب چلن پر

ہمارے آگے ترا جب کسی نے نام لیا
دل ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

کبھی میر اس طرف آ کر، جو چھاتی کوٹ جاتا ھے
خدا شاھد ھے، اپنا تو کلیجہ ٹوٹ جاتا ھے

جو یہہ دل ھے، تو کیا سر انجام ھوگا؟
تہ خاک بھی خاک آرام ھوگا!

جفا و جور سہے، کج ادائیاں دیکھیں
بھلا ھوا کہ تری سب برائیاں دیکھیں
تری گلی سے سدا، اے کشندۂ عالم!
ھزاروں آتی ھوئیں چار پائیاں دیکھیں

گرم مجھہ سوختہ کے پاس سے جانا کیا تھا؟
آگئے ایسے مگر آئے تھے، یہ آنا کیا تھا؟
دیکھنے آئے دم نزع، اے مہ یہ نقاب
آخر وقت مرے، منہ کا چھپانا کیا تھا؟

آزار دیکھے کیا کیا، اون نکڑوں سے اٹک کر
جی لیگئے یہ کانٹے، دل میں کھٹک کھٹک کر

ھم خستہ دل ھیں تجھہ سے بھی (۱) نازک مزاج تر
تیوری چڑھائی تو نے کہ یہاں جی نکل گیا

چھیڑا ھے کس نے، سو تم عصے ھوئے کھڑے ھو؟
یہہ بات ایسی کیا تھی، جس پر اولجھہ پڑے ھو (۲)
ھوتے ھیں خاک رہ بھی، لیکن نہ میر ایسے
رستے میں آدھے دھڑ تک مٹی میں تم گڑے ھو

---

(۲) مابین القوسین از اصل ساقط شده است (۲) اصل، «الجھہ رھے ھو» و در نسخۂ نولکشور (۱۹۴۰ء) مصرع اول باین طور واقع شده، «رلهوں کو میں چھوا، سو عصے ھوئے کھڑے ھو»۔

دن نہیں، رات نہیں، صبح نہں، شام نہیں
وقت ملنے کا مگر داخل ایام نہیں ؟

(۱۹۱ب) کہتا ہے کون، میر، کہ بی اختیار رو ؟
ایسا تو روکہ رونے پہ تیرے ھنسی نہو

اعجاز مہ تکے ہے ترےلب کے کام کا
کیا دکر یہاں مسیح علیہ السلام کا ؟

یار عجمی وھی ہے بلبل سے، گو حراں ہے
نہی جو زرد بھی ہے، سو شاخ زعفراں ہے

عشق کو بیچ میں، یارب، تو نہ لایا ہوتا
یا تن آدمی میں دل نہ بنایا ہوتا

کم اٹھانا (تھا)(۱) نقاب، آہ! کہ طاقت رہتی
کاش یکبار ہمیں مہ نہ دکھایا ہوتا

کھلا سنے میں جو پگڑی کا پیچ اوسکی، میر
سمند ناز پہ ایك اور تازیانہ ہوا

جم گیا خوں کف قاتل پہ، رس، تیرا میر
اوں نے رو رو دیا کل، ہاتھ کودھوتےدھوتے

دل ہے مجروح، ماجرا ہے یہ
وہ نمك چھڑکے ہے، مزا ہے یہ

آگے تھے ابتدای عشق میں ہم
اب جو ہیں خاك، انتہا ہے یہ

بس ہوا ناز، ہوچکا اغماض

---

(۱) اصل، «اوبے» بدوں مشدد۔

هر گھڑی ہم سے کیا ادا ہے یہ ؟
ہے رے ! بیگانگی ، کبھو اوس نے
نہ کہا یہ کہ «آشنا ہے یہ»
ذبح کر مجکو ، یار ہنستا ہے
سملو ! (۱) لوٹنے کی جا ہے یہ
میر کو کیوں نہ مغتنم جانیں
اگلے لوگوں میں اك رہا ہے یہ
یہاں اپنی آنکھیں پھر گئیں پر وہ نہ آپھرا
دیکھا نہ ، بد گمان ہمارا بھلا پھرا ؟
طالع پھرے، سپہر (۲) پھرا، قلب پھر گئے
چندے وہ رشك ماہ جو ہم سے جدا پھرا
خانہ خراب میر بھی کتنا غیور تھا ؟
مرنے موا پر اوسکے کبھو گھر نہ جا پھرا
(۱۹۲ الف) پھرے کب تك شہر میں اب سوی صحرا روکیا
کام اپنا اس جنوں میں ہمنے بھی یکسو کیا
کیا چال نکالی ہے کہ جو دیکھے سو مرجائے
بہچك کوئی رہ جائے ، کوئی جی سے گزر جائے
بے رنگ بے نشانی ، نہ گلستان نہ سایا
بلبل نے کیا سمجھہ کر ، یہاں آشیان بنایا ؟
اوڑتی ہے خاك، یارب، شام و سحر جہاں میں
کسکے غبار دل سے یہ خاکدان بنایا ؟

(۱) اصل، «سملو»۔ (۲) اصل، «سپہری»۔

سرگشته اسی کس کی هاتهه آ گئی تهی مٹی؟
جو یجرجزن فضا نے یه آسمان بنایا

اس صحن پر یه وسعت، الله رے. تیری قدرت!
معمار نے قضا کے، دل کیا مکان بنایا!

بهار آئی هے. غنچے گل کے نکلے هیں گلابی سے
نهال(۱) سبز جهومیں(۲) هیں گلستاں میں سرابی سے

هر بات پر خشونت، طرز جفا تو دیکهو
هر لمحه بے ادائی، اوس کی ادا تو دیکهو

گل برگ سے هے نازك، خوبیء پا تو دیکهو
کیا هے چمك کهك کی، رنگ حنا (۳) تو دیکهو

سایه میں هر پلك کے خوابیده هے (۴) قیامت
اوس فتنهٔ زماں کو کوئی جگا تو دیکهو

باغ گو سبز هوا. بر سر گلزار کهاں؟
دل کهاں، وقت کهاں، عمر کهاں، یار کهاں؟

ملك جهاں مهر و وفا کی جنس تهی میر نے کیے
لیکن اوسکو پهیر هی لایا، جهاں میں لے گیا

ریخته کا هے کو تها اس رتبهٔ عالی میں، میر
جو زمیں نکلی، اوسے تا آسماں میں لے گیا

بولا، جو مو پریشاں آنکلے میر صاحب
«آنا هوا کدهر سے، کهیے فقیر صاحب!»

سیون میں سب کے. ٹوٹی زنجیر، میر صاحب

---

(۱) اصل، «نهالی» (۲) اصل، «جهومیں» (۳) اصل، «حنا» ـ و در نسخهٔ نولکشور (۱۹۴۰ع) «چمك کنك کی» (۴) اصل، «خوابیده قیامت» ـ

اب کیا مرے جنوں کی تدبیر، میر صاحب؟
(۱۹۲ب) کھچتی نہیں کماں اب ہم سے ہوای گل کی
باد سحر لگے ہے جوں تیر، میر صاحب!

سر دلی سے کی میں تا صورت
نہ ملا کوئی آشنا صورت

جائے آنکھوں میں پڑگئے، منہ زرد
ہوگئی، میر، تیری کیا صورت؟

کل لیگئے تھے یار ہمیں بھی چمن کے بیچ
اوسکی سی بو نہ پائی گل و یاسمن کے بیچ

کشتہ ہوں میں تو شیریں زبانیء یار کا
ہوتی زباں وہ، کاش! ہمارے دھن کے بیچ

گر، دل جلا بھا یہی، ہم ساتھ لے گئے
تو آگ لگ اوٹھے گی ہمارے کفن کے بیچ

ہے پھر، وہ جو دیکھے نظر بھر کے، حسن نے، میر
برھم کیا جہاں مژہ برھم زدن کے بیچ

فرہاد و قیس جس سے مجھے چاھو پوچھ لو
مشہور ہے فقیر بھی اھل وفا کے بیچ

ہجر میں جوں ہوگیا غم سے
دل نے پہلو تہی کیا ہم سے

دھوتے ہو اشک خونی سے دست و دھن کو، میر
طور نماز کیا ہے، جو ہے یہ وضو کی طرح؟

سحر گوش گل میں کہا میں نے جا کر

« کھلے سد ، مرغ چمن سے ملاکر ،،
لگا کہنے ، « فرصت ہے یہاں ایک تبسم
تو وہ بھی گریباں میں منہ کو چھپاکر»

تناسب پہ اعضا کے اتنا تحتر !
نگاڑا تجھے ، خوبصورت بناکر

امیروں تک رسائی ہوچکی بس
مری بخت آزمائی ہوچکی بس

شرر کی سی چمک ہے ، فرصت عمر
جہاں دی ٹک دکھائی ، ہوچکی بس

(۱۹۳ الف) دنی کے پاس کچھ رہتی ہے دولت،
ہمارے پاس آئی ، ہوچکی بس

فکر میں مرگ کے ہوں سر در پیش
ہے عجب طرح کا سفر در پیش !

کیا پتنگے کو شمع روئے، میر ؟
اوسکی بھی شب کو ہے سحر در پیش

دل جلا، آنکھیں جلیں ، جی جل گیا
عشق نے کیا کیا ہمیں دکھلائے داغ !

صحبت کسی سے رکھنے کا اوسکو نہ تھا دماغ
تھا میر بیدماغ کو بھی کیا بلا دماغ !

میر ، آج وہ بدمست ہے، ہشیار رہو تم
ہے بیخبری اوس کو ، خبردار رہو تم

اوسکے کاکل کی پہیلی کو بھی تم بوجھے، میر؟

کیا ھے ؟ زنجیر نہیں ، دام نہیں، مار نہیں
چمکنا برق کا کرتا ھے کار تیغ ہجراں میں
برسنا مینہ کا داخل ھے اوس بن تیر باراں میں
سو بار مست کعبے میں ، پکڑے گئے ھیں ھم
رسوائی کے طریق کے کچھہ با للہ نہیں

(۱) نہ دماغ ھے ، کہ کسو سے جا کریں گفتگو، غم یار میں
نہ فراغ ھے ، کہ فقیروں سے ملیں جا کے دلی دیار میں
کوئی شعلہ ھے، کہ شرار ھے، کہ ھوائی ھے ، کہ ستارا ھے ؟
یہی دل جو لیکے گڑیں گے ھم ، تو لگے گی آگ مزار میں
جھکیں ٹک کہ جی میں چبھی سہی ، ھلیں ٹک کہ دل میں کھبی سہی
نہ جو لاگ پلکوں میں اوسکی ھے، نہ چھری میں ھے نہ کٹار میں
بہار آئی، کھلے گل پھول شاید باغ رضواں میں
جھلک سی مارتی ھے کچھہ سیاھی، داغ سوزاں میں
بہت تھا شور وحشت سر میں میرے، سو مصور نے
لکھی تصویر، تو زنجیر بہاے کھینچ لی پا میں
سر کاٹ کے ڈلوادیے ، انداز تو دیکھو
پامال ھے سب خلق خدا، ناز تو دیکھو
(۱۹۳ب) ضعف بہت ھے، میر ، تمھیں اب اوسکی گلی (میں) مت جاوو
صبر کرو ٹک اور بھی، صاحب، طاقت جی میں آنے دو
بہار آئی نکالو مت مجھے اب کے گلستاں سے
مرا دامن بھٹے، تو ٹانک دو گل کے گریباں سے

(۱) اس غزل در نسخۂ نو لکشور یافت نمی شود

خدا جانے، کہ دل کس خانہ آباداں کو دے بیٹھے؟
کھڑے تھے میر صاحب گھر کے دروازے پہ(۱) حیران سے

کم ہے کیا لذت ہم آغوشی؟
سب مرے، میر، در کنار رہے

غربت پہ مہرباں ہوئے، تو میر (۲) یہ کہا
«ان کو غریب کوئی نہ سمجھو، عضب ہیں یہ»
فرہاد و قیس کے گئے، کہتے ہیں مجھکو لوگ
«رکھے خدا سلامت انہوں کو، کہ اب ہیں یہ!»

خوش طرح مکاں دل کے ڈھانے میں شتابی کی
اس عشق و محبت نے کیا خانہ خرابی کی
سلگتا ہے ادھر کو دل، بہتا ہے جگر اودھر
چھاتی ہوئی ہے میری، دکان کبابی کی

بتوں کے جرم الفت پر، ہمیں زجر و ملامت ہے
مسلماں بھی خدا لگتی نہیں کہتے، قیامت ہے!

زنہار! نہ خا پرورش دور زماں پر
مرنے کیلیے لوگوں کو طیار کرے ہے
کیونکر نہ ہو تم میر کے آزار کے درپے؟
یہ جرم ہے اوسکا کہ تمہیں پیار کرے ہے

رکھتا تھا ہاتھہ میں سر رشتہ بہت سینے کا
رہگیا، دیکھہ رفوچاک، مرے سینے کا

کئی زخم کھاکر، تڑپتا رہا دل

(۱) اصل: «پر» (۲) اصل: «میر تو».

تسلی ہے موقوف رحمِ دگر پر

دل جلتے کچھ بن نہیں آتی، حال بگڑتے جاتے ہیں
جیسے چراغ آخر شب، ہم لوگ بڑتے جاتے ہیں
راہ عجب در پیش ہے آئی ہمکو یہانسے جانیکی
یار و ہمدم ، ہمراہی، ہر گام بچھڑتے جاتے ہیں
(۱۹۴ الف)ضعف دماغ سے، افتان خیزان، چلتے ہیں ہم راہ عشق
دیکھیے کیا پیش آئے، اتو گرتے پڑتے جاتے ہیں
میر، بلا ناسار طبیعت لڑکے، ہیں خوش ظاہر بھی(۱)
ساتھ ہمارے جاتے ہیں، پر ہمسے لڑتے جاتے ہیں

نالہ جب گرم کار ہوتا ہے
دل ، کلیجے کے پار ہوتا ہے

آنکھوں کی طرف گوش کی دریردہ نظر ہے
کچھ یار کے آنے کی، مگر ، گرم خبر ہے
وہ ناوک دل دوز ہے لاگو مرے جی کا
تو سامنے ہو، ہمدم، اگر تجھہ میں جگر ہے
کر کام کسو دل میں، گئی عرش پہ، تو کیا؟
ای آہ سحر گاہ! اگر تجھہ میں اثر ہے
اس عاشق دل خستہ کی مت پوچھہ معیشت
دندان بجگر ، دست بدل، داغ بسر ہے

طرفہ، خوش رو دم خون ریز ادا کرتے ہیں
وار جب کرتے ہیں، منہ پھیر لیا کرتے ہیں

---

(۱) این مصرع در اصل مصحف شده است .

سیوم از طبقهٔ اولی ، امیر قشون سخنوران ، سردار لشکر شاعران، عارف انواع معانی، واقف رموز سخن سنجی ونکته دانی، خواجه میر المتخلص بدرد (۱) عفی الله عنه، که کمیت فصاحت در میدان

(۱) نکات: ۷ ب، گردیزی: ۱۲ الف، وص: ۴۱۹ الف ، مخزن: ۳۸، چمنستان: ۵۷، حسن: ۵۰ب، طبقا: ۳۰۰، گلز: ۵۶ الف، لطف. ۹۸، عقد: ۴۰ الف، تذکره: ۳۲ الف، نعر: ۲۴۰۱، شیفته ۶۳۰ الف، نتایج: ۱۶۸، گلدسته: ۱۵، طبقات: ۹۷، سراپای: ۱۰۲، ۲۴۷، ۲۶۹؛ جدولیه: ۱۳۹، تسمیم: ۲۸، سخن: ۱۵۸، شمع: ۱۵؛ تقصار: ۱۹۲؛ آب حیات: ۱۸۴؛ طور: ۳۵، خمخانه: ۱۶۸۳، گل: ۱۰۷، انتخاب: ۱۱، قاموس: ۱، ۲۳۷، عسکری: ۱۱۷، جواهر: ۳۵۵۲، اشپرنگر: ۲۱۸.

خان آرزو، در مجمع النفایس (۱۵۰ الف) می فرماید: «خواجه میر، درد تخلص، پسر خان عرفان آب حضرت خواجه محمد ناصر، سلمه ربه. سلسلهٔ آبای او بلا شبهه بحضرت خواجه بهاءالدین محمد نقشبند میرسد. از بزرگی و کمال خانوادهء او چه توان نوشت؟ علی الخصوص والد بزرگوار او، خواجه محمد ناصر که امروز فلك شمس هدایت است. الغرض خواجه میر خوانیست خیلی صاحب فهم و ذکا، و باشعر بسیار ربط دارد، سیما ریخته که الحال درهندوستان رواج دارد. فارسی هم خوب می گوید، چه بسیار عذاق آشنا است. بالقوه اش آنچه دریافت می شود، اگر بفعل می آید، انشاء الله تعالی، ازجملهٔ آنها می شود که درفن تصوف صاحب باشند. بزبان فارسی رباعی اکثر می گوید، وبااین عاجز ربط خاصی دارد. خیلی شفقت براحوال این می نماید.»

و حیرت، در مقالات الشعرا (۷۳ الف) می نویسد: «خواجه میردرد، ولد خواجه ناصر عندلیب، ازمتوطنین شاهجهان آباد، برسائیء فهم وعلوی استعداد موصوف است اکثر شعر ریخته می گوید، وگاهی بطرف فارسی هم مایل.»

و شوق رامپوری، درجام جهان نما (۳۵۶ الف) می گوید «خواجه میردرد نقشبندی، جامع علوم و تصوف بود. بیعت ارادت و خرقهٔ باطنی از پدر بزرگوار خود خواجه ناصر داشت. و او بیعت مریدی از قدوة السالکین شاه گلشن، که درعهد اورنگ زیب عالمگیر از مقتدای زمانه بود، داشت. و خواجه میر درویش صاحب بیعت واهل دل بوده، و بجمیع اوصاف واخلاق حمیده اتصاف داشت، و درترك و تجرید واستغنا مستثنیء وقت خود بود، و در نظم و نثر مهارت تمام داشت. شعر هندی و فارسی متصوفانه خوب می گفت. اکثر رباعات درتصوف موزون کرده، که ازان چاشنیء درویشی واضح و لایح می گردد. و رسالهٔ «نالهٔ درد» «و آه سرد» در سلوك خوب گفته. از مشاهیر مشایخ وقت بوده. دردویم هر ماه مجلس سماع بخانهٔ او شدی، واکثر مشایخ کرام دهلی مجمع می شدند، و حالات برایشان طاری می گشت. مردی وجیه، اهل درد، صاحب نسبت بود. درسنهٔ تسع و تسعین و مائة والف هجری ازین جهان بدار القرار رحلت کرد.» (باقی

شاعری دوش بدوش میرزا رانده، و آیت بلاغت از مصحف شهرت

(بقیه) و در تکملة الشعرا (۱۱۳ الف) می نویسد: «خواجه میردرد متخلص بدرد، خلف الصدق خواجه محمد ناصر عندلیب تخلص است. سلسلهٔ ارادت ایشان بحضرت بهاءالدین نقشبند، قدس سره، میرسد. و او بزرگ مشرب و درد مند پیشتر شعر ریخته می گفت. چنانچه دیوانش دربان ریخته، که عبارت از زبان اردوی شاهجهان آباد است، مشهور. و از چند سال طبیعت آن اهل کمال متوجه فارسی گوئی است. اکثر رباعیات مصوفانهٔ او بسمع رسیده، بلکه یك مرتبه جزوی از اشعار غزلیات ورباعیات خود از دستخط خاص بقید قلم درآورده عنایت فرموده بودند. الغرض او از مشایخ کرام ذوی الاحترام دهلی بوده، و بسیار بکروفر و تمکنات ظاهری بسر می برد. و اکثر سلاطین وقت و امرای عصر شاه عالم بادشاه در خدمت او آمده مستفید می شدند. و در ابتدای هر ماه مجلس بطریق عرس درخانهٔ آن بزرگوار ترتیب می یافت، و ازدحام خلایق از فقرا و مشایخ و علما و عوام الناس می شد و اکثر مجالس سماع می کرد، و برفقرا حالات طاری شدی، و قوالان کامل فن دران مجالس جمع می شدند و خود هم آن صاحب حالات منبعه در فن موسیقی درك کمال داشت، که اکثر موسیقی دانان ازو اخذ می کردند. اگرچه شاعری دون مرتبهٔ او بود، فاما مشهور بصاحب کمال و خوش مقال و صاحب فضل و کمال و اهل مقال و حال بود. چند سال شد که ازین دار ملال انتقال کرد.»

و مثلا، در گلشن سخن (۴۳ ب) گفته: «خواجه میردرد، خلف الصدق خواجه ناصر دهلوی ست. مرکزدایرهٔ اهل کمال، سخن سنج، نکته رس، شیرین مقال. قطع نظر از مهارت فنون سخن، که دون مرتبهٔ آن والا مقام ست، در خدا پرستی و تحمل مصایب و تسلیم نوایب نظیر خود ندارد. سید عالی مرتبت، مقیم گوشهٔ عزلت، رهرو شهرستان تفرید، و سایر کوچهٔ تجرید. دیوان ریخته اش اگرچه از هزار بیت متجاوز نیست، لیکن همه یك دست، و احتیاج به انتخاب ندارد. در شاهجهان آباد تا این زمان که سنهٔ یکهزار و یکصد و نودو چهار هجری ست، گوشهٔ انزوا اختیار نموده، بهره یاب فیوضات نامتناهی الهی است.»

و مولوی عبدالقادر چیف رامپوری، در روزنامچهٔ خود (۶۲ الف) نوشته: «و مزار خواجه میر درد است که رباعیاتش و غزلهای ریخته هم درد آمیز. رسالهٔ آه سرد و نالهٔ درد، و واردات، از مصنفات وی گواه بتبحروی بعلم تصوف و دلیل موشگافی او در مسایل دقیق این فن اند.»

و حسین قلی خان عاشقی، در نشتر عشق (۲۵۴ ب) مذکور ساخته: «درد تخلص المشتهر بخواجه میر درد شاهجهان آبادی، خلف الصدق و ولد ارشد خواجه محمد ناصر عندلیب تخلص است که از احفاد امجاد شیخ بهاءالدین نقشبند، رحمة الله علیه، بود در تصوف و زهد و اتقا و آزاد وضعی یگانهٔ زمانه. کلامش همه پر درد (نامی)

و نام آوری رو بروی میر برخوانده. والحق که چنین بوده است، چه کلام صفانظام او، اگرچه کم است، لیکن در متانت و چستیء تالیف زیاده از میرزا است، و دیوان اشعارش، اگرچه بضخامت (۱) کمتر، اما در روانی و مزه با همه دواوین(۲) میر همپاست. در تعریف آن وحید عصر، قلم هرچه نگارد، رواست؛ و در وصف (۱۹۴ ب) و محامد

(بقیه) وگداز است، ومضامینش پر نار و نیاز. بعد میرزا محمدرفیع السودا در عصر خویش سرآمد ریخته گویان هند است. و در فارسی هم دیوانی ترتیب داده. کلامش همه تصوف است. در بست و سویم هر ماه مجلس سرود و مشاعره درکاشانهٔ فیض نشانه اش مرتب می گشت و تمامیٔ شعرای دارالخلافه و بعضه سخنان حاضری آمدند، و خود هم در علم موسیقی مهارتی کلی داشت. چنانچه تاحضور عمول قدیم مجالس سرود بخانهٔ او آراسته می شود. نحویکه میرزا محمد رفیع متخلص بسودا در مدح و قدح استاد وقت بود، ذات میر در رباعی گوئی بی بدل و یکتا. تاریخ بست و چهارم صفر روز جمعه سنهٔ یکهزار و یکصد و نود و نه بروضهٔ رضوان خرامید. چنانچه میر محمد مرحوم متخلص باثر، برادر ایشان، می فرماید:

وصل باشد چون وصال او یا «وصل خواجه میردرد» آمد ندا

و در شاهجهان آباد بیرون ترکمان دروازه بمقبرهٔ آبای خویش، که الحال باغچهٔ خواجه میردرد اشتهار دارد، مدفون گشت. اکثر رسایل در تصوف، مثل «نالهٔ درد، و آه سرد،» وغیرهما تصنیف ساخته، و دیوان غزل فارسی مختصری ترتیب داده که درحین تحریر مجموعهٔ هذا مؤلف از شاهجهان آباد عاریت طلبیده بود.»

و مصحفی، در مدایح الشعرا (۲۲ب) براسم و حلیس و ذکر والدش اکتفا کرده

لطف، وفات میردرد را در ۱۲۰۲ه (۱۷۸۷ع) و فصح الکلمات، در ۱۱۹۶ه (۱۷۸۲ع) و شمیم، در ۱۱۵۹ه (۱۷۴۶ع) و خدولیه در ۱۲۰۹ه (۱۷۹۴ع) معرفی کرده. اما اصح و بر متفق علیه اکثر ارباب تذکره ایست که در ۱۱۹۹ه (۱۷۸۵ع) رحلت کرده است. چنانچه «وصل خواجه میردرد» مادهء تاریخ وفات اوست. و بیدار (خاتمۂ دیوان درد، محمدی، لکهنؤ، ۱۲۱۰ه) می فرماید:

بنده بیدار، کان هست از غلامانش یکی هست از وقت وصال و روز و ماهش چون خبر داشت بهرش تا بده، هاتف کرده وا و بلا و گفت «هایه بود آدینه و بست و چهارم از صفر»

در خصوص شمیم می توان گفت که از سهو کاتب بجای عدد ۹ عدد ۵ مندرج شده است.

کتابخانهٔ عالیهٔ رامپور، یك نسخهٔ مطبوعه را، که در لکهنؤ در سنه ۱۲۱۰ه چاپ شده، و پنج نسخهای خطیه از دیوان درد را داراست

(۱) اصل: «برخامت» (۲) اصل: «دوابن»

آن یگانهٔ دوران، زبان محمدت بیان هرچه پیش آرد، بجاست. گویند که دیوان او هم مثل دیگران ضخیم (۱) بوده، روزی خود متوجه شده، قریب یکهزار و یانصد شعر مع رباعیات انتخاب کرده، باقی راپاره نموده، ناب شست. حالا هرچه رواج دارد، همان منتخب دیوان اوست. واقعی که کلام آن عارف معانی عجب مزه و کیفیتی دارد. و اشعار فارسیء این وحید عصر هم به نسبت میرو مرزا ممتاز است، علی الخصوص رباعیات. و بیان دیگر کمالات او از تصنیفات کتب تصوف و ارشاد خلق و تهذیب اخلاق وتالیف قلوب و استغنا، که آن شهرهٔ آفاق داشت، از تحریر مستغنی است، چرا که در عصر خود، یکی از مشاهیر صوفیهٔ شاهجهان آباد بوده. ذره ذرهٔ هندوستان، مثل آفتاب، او را می شناسد. چند شعر از دیوان هم در ملحقات شدند. و آن اینست:

کہیں ہوا ہے سوال و جواب آنکھوں میں؟
یہ بے سبب نہیں، ہم سے حجاب آنکھوں میں

مژگاں تر ہوں، یا رگِ تاکِ بریدہ ہوں
جو کچھ کہ ہوں، سو ہوں، غرض آفت رسیدہ ہوں

ہر شام، مثل شام، رہوں ہوں سیاہ پوش
ہر صبح، مثل صبح، گریباں دریدہ ہوں

ای درد، جاچکا ہے مرا کام ضبط سے
میں غمزدہ تو، قطرۂ اشک چکیدہ ہوں

جاؤں میں کدھر؟ جوں گلِ بازی، مجھے گردوں
جانے نہیں دیتا ہے، ادھر سے نہ اودھر سے

---

(۱) اصل: «رحیم».

نزع میں تو ہوں، ولے تیرا گلا کرتا نہیں
دل میں ہے وہی وفا، پر حی وفا کرتا نہیں

(۱۹۵ الف) عشوۂ و ناز وکرشمہ، ہیں سبھی جان بخش، لیک
درد مرتا ہے، کوئی اوسکی دوا کرتا نہیں

نزع میں ہوں، پہ وہی نالہ کیے جاتا ہوں
مرتے مرتے بھی، ترے غم کو لیے جاتا ہوں

ہر طرح زمانے کے ہاتھوں سے ستم دیدہ
گر دل ہوں تو آزردہ، خاطر ہوں تو رنجیدہ

ای شور قیامت! رہ اودھر ہی، میں کہتا ہوں
چونکے ہے ابھی یہاں سے کوئی دل شوریدہ

بدخواہ سبھی عالم گو ہووے تو ہو، لیکن
یارب! نہ کسی کے ہوں دشمن نہ(۱) دل و دیدہ

کرتا ہے جگہ دل میں جون اروی پیوستہ
ای درد! ترا یہ تو ہر مصرع(۲) چسپیدہ

روندے ہے نقش پا کی طرح، خلق یہاں مجھے
ای عمر رفتہ! چھوڑ گئی تو کہاں مجھے؟

ای گل، تو رخت باندھ، اوٹھاؤں میں آشیاں
گلچیں، تجھے نہ دیکھ سکے، باغباں مجھے

ای ہموطناں، اب کے یہ وحشت زدہ ہرگز
پھرنے کا نہیں، عمر کی مانند، سفر سے
گر باغ میں جداں، وہ مرا لب شکر آوے

---

(۱) اصل: «مہو» - (۲) اصل: "مصرعۂ"

گل سامنے داماں سے منہ ڈھانپ کر آوے
قاصد سے کہو: «پھر خبر اودھر ہی کو لے جاے
یہاں بیخبری آ گئی ، جب تک خبر آوے»
کہتے ہیں کہ یکدست تری تیغ چلے ہے
تب جانیے، جب یک دو قدم چل ادھر آوے
تجھی کو جو یہاں جلوہ فرما نہ دیکھا
برابر ہے ، دنیا کو دیکھا ، نہ دیکھا
تغافل نے تیرے یہ کچھ دن دکھائے
ادھر تو نے ، لیکن ، نہ دیکھا ، نہ دیکھا
گر ہیں یہی (۱) ڈھنگ تیرے ظالم
دیکھیں گے ، کوئی وفا کریگا
ہے بعد مرگ بھی وہی آہ و فغاں ہنوز
لگتی نہیں ہے تالو سے میری زباں ہنوز
(۱۹۵ب) موت، کیا آکے فقیروں سے تجھے لینا ہے؟
مرنے سے آگے ہی، یہ لوگ تو مر جاتے ہیں
آہ! معلوم نہیں ساتھ سے اپنے، سب و روز
لوگ جاتے ہیں چلے، سو یہ کدھر جاتے ہیں
تا قیامت نہیں مٹنے کے دل عالم سے
درد، ہم اپنے عوض چھوڑ «اثر» جاتے ہیں
ہر دم بتوں کی صورت، رکھتا ہے دل نظر میں
ہوتی ہے بت پرستی، اب تو خدا کے گھر میں
اگر میں نکتہ رسی سے ترا دہاں پاؤں (۲)

(۱) اصل: «کہتے ہیں یہ» - (۲) اصل: «پاؤں» -

کر کو چاهوں، تو اوس کے تئیں کہاں پاؤں؟
یه رات شمع سے کہتا تھا، درد، پروانه
که حال دل کہوں گر جان کی امان پاؤں
دنیا میں کون کون نه یکبار هوگیا؟
پر مه پهر اس طرف نکیا اون نے جوگیا
ایك تو هوں شکسته دل، تسپه یه جور، یه جفا
سختیء عشق، واه وا! حی نهوا، ستم هوا
اوسکو سکهلائی یه جفا تونے
کیا کیا، اے مری وفا، تونے؟
بیکسی کو کیا عبث بیکس
قتل (۱) کر مجکو، کیا لیا تونے؟
درد کوئی بلا هے شوخ مزاج
اوس کو چهیڑا، برا کیا تونے
فرصت زندگی بہت کم هے
مغتنم هے یه دید، جو دم هے
درد کا حال کچهه نپوچهو تم
ووهی رونا هے اور وهی غم هے
نہیں کچهه محتسب سے جان کا مجکو تو اندیشه
کہیں ایسا نهووے، هاتهه سے وه چهین لے شیشه
صورتیں کیا کیا ملی هیں خاك میں
هے دفینه حسن کا زیر زمیں

(۱) اصل، «مو ل» و تصحیح از دیوان مطبوعه ۱۲۷۱ھ۔

اندار ووهی سمجھے مرے دل کی آه کا
رخمی جو کوئی هوا هو، کسی کی نگاه کا
زاهد کو همے دیکھه لیا، جوں نگیں، بعکس
روشں هوا هے نام تو اوس روسیاه کا(۱)

هم نے کس رات نالہ سر نکیا؟
پر تجھے، آه! کچھه اثر نکیا
درد کے حال پر درا، ظالم
نکیا تونے رحم، پر نکیا

چهارم ار طبقۀ اولی، رستم میدان شاعری، سهراب معرکۀ سخنوری، افراسیاب مملکت سخن طراری، دارای سلطنت نکته پرداری، مقدم گروه شعرا، ثانیء میر و مررا، شیخ قیام‌الدین علی، المتخلص بقایم، که عرفش ایر «محمد قایم» بوده(۲) شاعری گرشته باقوت و تمکین، کلامش

(۱) اصل «دیکھه کیا» در مصرع اول و «تب» در مصرع ثانی - و تصحیح ار دیوان مطبوعه و مخطوطۀ ۱۲۱۵ه و ۱۲۴۱ه.

(۲) نکات: ۲۰ب، گردیزی: ۲۱ب، مخزن: ۷۷، چمنستان: ۵۰۱؛ حسن: ۹۶ب، طبقا: ۳۰؛ گلشن سخن: ۸۶ الف (و درو ذکر اسم و تخلص اکتفا کرده)؛ گلزر: ۱۶۲ الف؛ لطف: ۱۳۳؛ عقد: ۶۶ب، تذکره: ۶۱ب؛ بهر: ۲، ۸۲؛ شیفته: ۱۲۷ب؛ تاریخ: ۳۵۱؛ طبقات: ۱۶۰، سراپا: ۱۰۴ و ۲۷۱، نسیم: ۲۸، سحر، ۳۸۱؛ انتخاب یادگار: ۳۰۱؛ خزینه: ۲۰۶، شمع، ۳۸۶؛ آب حیات: ۱۵۶ حاشیه، طور: ۹۷، گل: ۱۸۲؛ انتخاب: ۷۱، تذکرهء کاملان رامپور: ۳۲۶، قاموس: ۲، ۱۳۸، عسکری، ۲۴۵، جواهر: ۲، ۳۰۷، رسالۀ زمانه، کانپور، بابت جولائی ۱۹۲۹ء، ۳۷ - بیاض: ۲۴.

شاه محمدحمزه، در فص الکلمات (۴۲۰ الف و ۴۲۳ الف) نوشته که «الحال رفیق نصراللهخان نبیرهء محمدعلیخان است، و همراهش در رامپور بسر می‌برد».

و شوق رامپوری، در تکملة الشعرا (۲۴۴ الف) گفته: محمد قایم، قایم تخلص، متوطن قصبۀ چاندپور، آدم خلیق و دردمند، بجمیع خوبیها موصوف و در ریخته گوئی در تمام هندوستان مشهور و معروف بود - دیوان هندیء او شهرت دارد - از سخنوران کامل در زبان ریخته بود - گاهی فکر شعر فارسی هم می‌کرد. چند غزلیات زبانیء او سمع (باقی)

پرمزه ونهایت متین، دیوانش سراسر انتخاب ، و اشعار دلپذیرش
(بقیه) رسیده ـ »

مولوی عمر شاه‌خان آشفته رامپوری ، دردیباچهٔ دیوان ریختهٔ خود (ورق ۳ الف که در سنه ۱۲۳۷ھ (۱۸۲۱ع) نوشته، می گوید: «عرض کرتا ھے ۔ عمر شاه‌خان آشفته که عنفوان شباب میں .. خصوصاً فصاحت سردفتر شعرای ھندوستان، بهتر خبرای زمان دقیقه گزین ممهد دایم ، قیام‌الدین محمد قایم کی خاطر خواه تهی، اور منادمت اوس برگزیدهٔ اساتذهٔ بے نظیر قراو امصار اور پسندیدهٔ تلامذهٔ دلپذیر دیار و دیار کی مختار شام و پگاه تهی ـ خو برم لطافت انگیز اوس رئیس شاعران بیمثل میں شب و روز سوای شعر و شاعری کے اور مذکور نه تها ، اور اوس طوطئ گلزار فصاحت کو غیر اس تذکرهٔ رعنت خیر کے کچهه منظور نه تها، اور هر دم بوساطت تقریر سلاست تصویر اوس شگرف بیان کے دریری غرلخوانی ۔ میرزاجان جان‌مظهر اور خواجه میردرد، اور .. سراج الدین علی‌خان آرزو ، اور میر محمدتقی، اور .. مرزا رفیع السودا، اور دیگر احیاواموات رونق مجالس تسدید مقالات دلچسپ مواضع و بلاد، لاسیما حضره و عیهٔ حاسای محافل رئیں حالات دلکش شاهجهان‌آباد کی سے تحریک سلاسل ازدیاد اشواق ریخته گوئی هوتی .. چنانچه حسب اتفاق ایك دن اوقات خلوت میں زبان زولیده تبیان اس یاوه‌گو کی نے غراجهه اوس مخدوم ممدوح و معلوم کے گزارش کیا که اگر اجازت شریف صاحب کی مجوز سخنگوئی هوئے ، بنده بهی گاه گاه دو چار بیت مبتذل مضمون ملمند کر کے سامعه خراش ملازمون کا هو ـ فرمایا که هم نے مشق چهل ساله بلند پرواری طایر تفکر میں کیا آسمان کے تارے توڑے که آپ توڑیں گے، اور صلهٔ مالا مال گله اس شغل لایعنی میں کون سے دخیرے زر و سیم کے جوڑے که آپ جوڑیں گے ـ اولی و اسب یه ھے که تحصیل ضوابط انشا و تکمیل روابط طب کا اراده صبح و مسا پیش نظر رھے، که منشئ واثق و طبیب حاذق خوان رھے، مشیر و ندیم تونگر رھے» ـ

اسم پدر قایم، محمدهاشم و اسم جدش محمد اکرم بوده‌است ـ بنابرین می توان گفت که اسم قایم، محمد قایم بوده، و قیام‌الدین لقب اوست و کسانی که او را قیام‌الدین‌علی نوشته اند، غالبا از وضع اسمای خاندان او بیخبر بوده اند ـ

اکثر ارباب تذکره، رحلت قایم را در ۱۲۱۰ھ (۱۷۹۵ع) معرفی کرده‌اند ـ وهمین تاریخ درخاندانش مشهور است ـ اما در انتخاب و قاموس ، غالبا بنا برقول دتاسی و بیل، گفته که قایم در ۱۲۰۷ھ (۱۷۹۲ع) فوت شد ـ آررو خلیلی ، در مقالهٔ که در مجلهٔ ادبی دنیا (لاهور ، ماه دسمبر ۱۹۴۰ع) نشر کرده، می فرماید که «بعض مرگش را در ۱۲۰۲ھ (۱۷۸۷ــ۸۸ع) و بعض در ۱۲۱۷ھ (۱۸۰۲ع)، هم نشان داده اند ـ لاکن بنابر مادهٔ تاریخ مستخرجهٔ میان جرات، اغلب و ارجح این است که در ۱۲۰۸ھ (۱۷۹۳ع) ازین جهان رفت ـ» و همین سال را در مقدمهٔ نکات الشعرا (مطبوعهٔ انجمن ترقی اردو) (باقی)

مثل لآلیٔ آبدار، همه با آب وتاب - تالیف کلمات و بندش الفاظ او، اگر نگاه کنند، قدم بقدم مزرا است، و از برشتگی و شکستگیٔ آن، اگر گفته آید، بی شبه بامیر هم اداست - حق اینست که پایهٔ کلام لطافت انجام این سخن طراز بهیچ وجه از کسی فروتر نیست - عجب طرز لطیف و وضع نطیف اختیار کرده، که لطف و کیفیت هردو اوستاد را شامل، بلکه به بعض مقام ترجیح طلب است - و فرق همین قدر است که آن بزرگ شاگرد مزرا است وبس، لهذا مانند اوستاد خود جمیع اقسام سخن را گفته، و داد شاعری، در هر قسم، نوعی که حق آن بوده، داده - (۱۹۶ ب) کلام این محقق نیز، مثل اوستادان مسطور الصدر، در موزونان بی تامل سند است، و خود هم نزد همه سخن سنجان مسلم الثبوت و مستند - فرق بندش قصیده از غزل، و غزل از رباعی، و رباعی از دیگر اقسام، در کلیات همین صاحب انداز از هم متمیز، چه هر قسمی که گفته، آنرا از حدش هرگز متجاوز شدن نداده، بر همان انداز که وی را می باید، نگاهداشته است، بخلاف کلام دیگر اوستادان، که غزل بعضی ازان ترقی نموده، بمنزلت قصیده رسیده، و قصیدهٔ بعضی فروتر شده مساویٔ غزل گردیده، و برین قیاس است حال دیگر اقسام در دواوین(۱) آنها - بالجمله شخصی کامل بود - ظاهر حال خود را بلباس درویشی آراسته میداشت، و بهر مجمع و محفل که پامیگذاشت بکمال عزت واحترام استقبالش می نمودند - بیشتر اوقات شریف خود را برفاقت نواب محمدیارخان وپسرش نواب احمدیارخان افغان گذرانیده، چند سال شده که بربیوفائیٔ دنیا نظر نموده، ترك این جهان فانی کرد،

(بقیه) اختیار کرده -

یك نسخهٔ خطیه از دیوان قایم در کتاب خانهٔ عالیهٔ رامپور محفوظ است

(۱) اصل: "دوابین" -

و در رام‌پور فیض‌الله‌خان واله که از مدت مسکن او همان بلده بود مدفون گشت - این چند شعر از کلام فصاحت نظام اوست :

جو ، کوهکن ، تجھے قوت هی آزمانا تھا
عوض پہاڑ کے، شیریں سے دل اوٹھانا تھا

معامله هے یه دل کا، اسے کہیگا وه کیا
پیام‌بر کے ، همیں، ساتھه آپ جانا تھا

کہو که گورغریباں میں رکھیں قایم کو
که اوس کا جیتے بھی اکثر وهی ٹھکانا تھا

(۱۹۷ الف) عیش و طرب کہاں هے؟ غم دل کدھر گیا؟
صدقے میں اس گزشت کے‌ا سب کچھه گزر گیا

کیا کہیے ناتوانیء غم کی خرابیاں ؟
گرشب میں دل کو جمع کیا ، جی بکھر گیا

اك ڈھب په کہو وه بت گلفام بنایا
دنکھا میں جو کچھه صبح، اوسے شام بنانا

فہرست ، میں، خوبان وفادار کی ، پیارے
دیکھی، تو کہیں اوس میں ترا نام بیانا

پڑھ کے، قاصد، خط مرا، اوس بدزباں نے کیا کہا؟
کیا کہا، پھر که، بت نامہرباں نے کیا کہا ؟

غیر سے ملنا تمہارا سنکے، هم توچپ رهے
پر سنا هوگا که ہمکو اك جہاں نے کیا کہا

جلوه، چاهے هے اسے،(۱) اوس بت هرجائی کا
نه پریشاں نظری جرم هے بینائی کا

(۱) اصل: «اوسے» تصحیح از خطیه و مطبوعه -

چهوڑ تنہا مجھے، یارب، اونہیں کیونکر گزری
غم، جنہیں آٹھ پہر تھا، مری تنہائی کا
عار ہے ننگ کو مجھ نام سے، سبحان اللہ!
کام پہنچا ہے کہاں تك مری رسوائی کا!
صحن صحرا کو سدا اشك سے رکھا چھڑ کاؤ
بس دیوانا ہوں میں قایم تری مردائی کا

ہو گر ایسے ہی مری شکل سے بیزار بہت
تم سلامت رہو! بندے کے خریدار بہت
ہمدگر جب جھگی آئی، تو جھگڑا کیا ہے؟
تمکو خواہندہ بہت، ہم کو طرحدار بہت
سچ(۱) کہو، قتل پہ کسکے یہ کمر باندھی ہے؟
ان دنوں ہاتھ میں تم رکھتے ہو تلوار بہت
قایم، آتا ہے مجھے رحم جوانی پہ تری
مرچکے ہیں اسی آزار کے بیمار بہت

زلف دیکھی تھی کسکی خواب میں رات؟
ہم سحر تك تھے پیچ و تاب میں رات
(۱۹۷ ب) خوب نکلے ہم اوس کے کوچے سے!
ورنہ آئے تھے اك عذاب میں رات
بس کہ خالی سی کچھ لگے ہے بغل
دل گرا شاید اضطراب میں رات

چاہے ہیں یہ ہم بھی کہ رہے پاك محبت
پر جس میں یہ دوری ہو، وہ کیا خاك محبت!

---

(۱) اصل، «سچھه» ۔

گو کرے همکو کسی طرح تو در سے باهر
جیتے جی جائیں کوئی هم ترے گھر سے باهر

تمکو کیا قدر هے، اے دیده، مرے رونے کی
ایك بوند آتی هے سو خون جگر سے باهر

تهی تو اك بات، په کیا کهیے که یهاں تو، پیارے
نکلی هی پڑتی هے تلوار، کمر سے باهر

بهتے دیکها نهیں یاروں نے لهو کا سیلاب
رکهه ٹك، ای اشك، قدم دیدهٔ تر سے باهر

ایك سودا کی تو، قایم، نکهوں میں، ورنه
هے ترا طور سخن حد شعر سے باهر

پی کے مے، غیر کے رهو سب باش
واه‌وا! رحمت! آفریں! شاباش!

سینه کاوی هے کام هی کچهه اور
کوه کن بود مرد سنگ تراش

آج آپ مرے حال په کرتے هیں تاسف
اشفاق، عنایات، کرم، مهر، تلطف!

خاموشی بهی کچهه طرفه لطیفه هے که، قایم
کرنا پڑے جس میں (۱) نه تصنع، نه تکلف

شرمنده نهو، نکل جگر سے
اے نالۀ نارسای عاشق!

صحبت کے مرے هوں سب (۲) بر افتاد
اك بات هے یار، پر نه (۳) یهاں تك

(۱) اصل: «جسمی» - (۲) دیوان مخطوط: «یوں بر افتاد» - (۳) اصل: «یه» -

قـایم ، هے حو شمع برم معنی
میں رات گیـا تهـا اوس حواں تك
پـایا ، تو هے ڈهیر آسووں کا
دیکهـا ، تو گداز استخواں تك

(۱۹۸ الف) هم هیں، حںهوں نے نام چمں نو نہیں کیـا
آئی صبا حدهر سے، اودهر رو نہیں کیـا
هم هیں، هوای وصل میں اوس گل کی، در ندر
حس کا صبـا نے طوف سرکو نہیں کیـا
قایم کو اس طرح سے تو دیتا هے گالیاں !
حس کو کسّی نے آج تلك تو نہیں کیـا

تها ندوںیك حہاں سے میں عدم میں آراد
آه! کس حواب سے هستی نے جگایا مجکو !
پکهه تو تهی نات حلل کی،که شب اوس نے. محرم
عیر کے آتے هی ، مجلس سے اوٹهایا مجکو
میں تواس نات په مرتا هوں که اوس نے، قایم
کس طرح پردے سے کل نول سنایا مجکو!

کیحے گا صلح پهر ، دل بیمدعا کے ساتهه
ان بں هے پکهه قنول کو، اپنی دعا کے ساتهه
حوناب دل سے هاتهه ملاوو، تو حاییے(۱)
پنجے کیے هیں آپ نے اکثر حنا کے ساتهه
اوس بیمرںگ یار کے صدقے ! که حس کے بیچ
هلکی سی ایك شوحی کی ته هو حیا کے ساتهه

(۱) اصل: «ملادو، تو حاں هے»

موتی صدف سے نکلے ہے، قایم، کب اس طرح؟
ڈھلتی (۱) ہے بات منہ سے ترے حسن صفا کے ساتھ

ہنوز شوق دل بیقرار ہے باقی
بجھی ہے آگ تو، لیکن شرار ہے باقی
گیا (تھا) آج میں قایم کے دیکھنے کے لیے
کوئی دم اور نفس کی شمار ہے باقی

یارب، کوئی اوس چشم کا بیمار ہووے!
دشمن کے بھی دشمن کو نہ آزار ہووے!

کیا کیا عدم میں ہم پر ظلم و ستم ہو گئے!
چرچے یہی رہینگے اور، ہاے! ہم ہو گئے

وہ بھی کیا دن تھے کہ جی کو لاگ اوس کیساتھ تھی!
میں تھا اور کوچہ تھا اوسکا اور اندھیری رات تھی

(۱۹۸ ب) شاید وہ بھول کر، کبھی یہاں بھی (۲) قدم رکھے
یکساں کرو زمیں ہمرے مزار کی

دل ڈھونڈنا سینے میں مرے بوالعجبی ہے
اک ڈھیر ہے یہاں راکھ کا اور آگ دبی ہے

پنجم از طبقۂ اولی سیفۂ انداز محبوبۂ سخن رانی، محو آئینۂ جمال معانی، اداشد بی نظیر، ساحر دلپذیر، محرم درد عاشقان غم اندوز، شاہ میر محمد المتخلص بہ سوز (۳) بودہ است۔ عالم شیرین کلام صاحب

(۱) اصل: «دیتی» تصحیح از دیوان مخطوط۔ (۲) اصل: «بھی کبھی یہاں»۔ و تصحیح از دیوان مطبوعہ۔

(۳) گردیزی: ۱۳۸ (تخلص میر و از حطیہ ساقط شدہ است)، وصن: ۴۲۵ الف، مخزن: ۴۸، حسن: ۶۶ب، گلز: ۱۳۳ الف، لطف: ۱۱۳، تذکرہ: ۳۸ب، بعر: ۱، ۳۲۰، شیفتہ: ۸۸ الف، طبقات: ۱۴۵، سراپا: ۹۸، حدو لہ. ۱۴۱، نسیم: ۲۹، سخن: ۲۲۷، (باقی)

شهرت و نام، فرید زمانه، اوستاد یگانه، که طرزش از کلام همه شعرا جدا، و دیوانش، با وصف متانت وصفا، بالتمام مشحون ومملو از انداز و اداست. فی‌الحقیقت طرزی نفس ایجاد نموده که تتبع آن بسیار دشوار می نماید. چه اگر کسی پیرویء او در پختگی و متانت میکند، تقریرش بطرز میر و مرزا منتهی میگردد، و اگر صرف در ادا بندی وصفائیء آن راه اطاعت می پوید، گفتارش بتقریر نسوان و مخنثان و بازاریان می پیوندد. غرضکه این طور خاص مخصوص و ختم بر همان غواص بحر معانی بوده، که خود اختراع نمود و خود خاتم آن شد، و

(بقیه) روز روشن: ٣٠٥، آب حیات: ١٩٣، طور: ٥٤، خمخانه: ٤، ٢٦٧، گل: ١٧٩، انتخاب: ١٩٠، قاموس: ١، ٣١٢، عسکری: ١٢٤، جواهر: ٢، ٤٥٤، اشپرنگر: ٢٦٧ و ٢٩٢، بلوم هارت: ٣٤.

مثلاً، در گلشن سخن (٦٢ب) گفته «میر سید محمد، سوز تخلص، دهلوی از سادات عظیم‌الشان و مشاهیر نکته رسانیست - در ادابندی و پختگی و برشتگیء کلام و فن کمانداری و خوشنویسی یدبیضا دارد - در اوایل حال بسیار بکام دل زندگی بسر کرد، و دراواخر برهنمائیء خاطر وارسته، ترك علایق دنیوی نمود و لباس فقر پوشید - تا این زمان، که سنهٔ یکهزار و یکصد و نود وچهار هجریست، در لکهنؤ می گذراند. دیوانش از هزار بیت متجاوز دیده شد».

و میر ولی‌الله، در تاریخ فرخ آباد (١٥١ ب) نوشته: «میرسوز سیدی بود از شاهجهان آباد، و از مریدان سیدمحمد زاهد دهلوی. در عهد نواب احمدخان، در سرکار مهربان خان دیوان، بعزت تمام اوقات می گذرانید، و شعر بلطافت و بداهت می گفت»

در انتخاب، رحلتش را در ١٢٠٩هـ (١٧٩٤ع) معرفی کرده، لکن در تعلیق سنین هجریه وعیسویه صحت را انکار نبرده، زیرا که ١٢٠٩هـ با ١٧٩٤ع تطابق دارد. و بزد لطف، بعد ١٢١٢هـ (١٧٩٧ع) فوت شده. اما در قاموس و جواهر گفته که در ١٢١٣هـ (١٧٩٨ع) درگذشت. و همین قول اصح است، چه علاوه بر مادهٔ که در متن مندرج شده است، از مادهٔ دیگر «وای داغی مانده از سوز» که برآوردهٔ مولوی لال لکهنوی متخلص برازی است، همین سال برمی آید. رجوع شود بدیوان رازی، مخطوط، شعبهٔ نظم فارسی، کتابخانهٔ عالیهٔ رامپور: ورق ٢٢٩ ب.

یك مخطوطهٔ از دیوان میرسوز، که در ١٢٢٧هـ (١٨١٢ع) قلمی گردیده، در کتابخانهٔ عالیهٔ رامپور محفوظست.

چنان اعتدال و دوام در کلام حود گراشت که کسی او را بیافت . لهذا
شاگردانش سیار شده‌اند و باندارش نرسیده اند ، الاشخصی چند که
سلیقهٔ کامل وفهم رسا داشتند ، مثل حکیم‌انشاءالله‌حان‌انشا و حکیم
رضاقلی آشفته و بوارش حسین‌حان بوارش که بمرراحانی شهرت دارد .
(۱۹۹ الف) غرلهای این صاحبان البته ار نمونهٔ طرر (۱) اوستاد حود
حالی نمی ماند ، و مقرر یك دو شعر بهمان اندار ار ایسان سر می‌رسد .
و بیان دیگر محامد و مکارم آن نیکو احلاق ار حصر تحریر قلم و
احاطهٔ تقریر ربان بیرون و اوروست . بوشتن حط ستعلیق وسفیعاو
تیراندازی و سواری‌ء اسپ وآداب دانیء صحبت ملوك و سلاطین و
حوش تقریری و حوش طبعی و طرافت وسعی و سفارش عربا بحدمت
امرا، که درین امور نطیر حود نداشت ، مثل آفتاب بر همه‌ها روشن
وطاهراست بواب آصف‌الدولهٔ معفور ار دل عاشق صحبت تمکین
ایشان بود، و کمال عرت واحترام می‌نمود . و بواب سرفرارالدولهٔ
مرحوم که نایب ورير بوده ، او هم سیار معتقد بلکه مرید وعلی هدا
القیاس جمیع اعره وعماید لکهنئوحدمت میر را شرف و برکت حود میدانستند،
وصحبت اوغنیمت می شمردند . مدت شد که آن بررگوار هم ار دنیا،
که دار رنج ومحن است، اعراض کرده، رونآن حهان آورد، وکلیات حویش
را بجای‌حود یادگار گراشت . وتاریخ آن اوستاد بیطیر . میان حرات
قلند ربحش چنین بوشته است. قطعه :

سور ماتم نے مہر سور کے ، آہ !
شمع ساں ، بس حلادیا دل کو
میر صاحب سا شحص یوں مرحائے!

---

(۱) اصل: «صرر»

غم ہوا ، ہائے ! یہ پڑا دل کو
مٹ گیا لطف ریختہ گوئی
خاک ، پھر، دے سخن مرا دل کو !
خاک میں مل گئی ادابندی
(۱۹۹ب)گفتگو اب خوش آوے کیا دل کو !
کہی جرات نے روکے یہ تاریخ:
« داغ اب سوز کا لگا دل کو »
(۱۲۱۳ھ)

تم کلامہ - ایں چند شعر از وست :

زندگانی میں کسے آرام حاصل ہووے گا!
ہائے ! آسودہ جہاں میں کونسا دل ہووے گا!

تو ہم سے جو ہم شراب ہوگا
عالم کا جگر کباب ہوگا
ڈھونڈے گا سحاب ، چھپنے کو ، مہر
جس روز وہ بے نقاب ہوگا

رات آنکھیں تھیں مو ندیں، پر بخت ٹک بیدار تھا
تا سحر، دل محو دیدار جمال یار تھا

سوز ،کیوں آیا، عدم کو چھوڑ کر، دنیا میں تو؟
وہاں تجھے کیا تھی کمی؟ یہاں تجکو کیا درکار تھا؟

اگر کچھ سوز نے پایا، تو میخانے کی خدمت سے
حرم کے در پہ ، ورنہ، بارہا سرمارمار آیا

اہل ایماں سوز کو کہتے ہیں: « کافر ہوگیا»

آہ! یارب، راز دل اون پر بھی ظاہر ہو گیا
سے ہے، سور، تو؟ ملنے کا قصد مت کر، یار
اوٹھا سکے گا تو کب بار بیدماغوں کا ؟
مروت دشمنا ، غفلت پناھا !
ادھر ٹک دیکھہ لیجو مڑ کے ، آھا !
کٹے اوقات سب غفلت میں میرے
خداوندا ، کریما ، بادشاھا !
صرفت العمر فی لہو و لعب
فآھا، ثم آھا ، ثم آھا !
ہوے تھے آشنا تیرے بہت سے
ولیکن سور نے اچھا نباھا
مجھے گر حق تعالیٰ عشق میں کچھہ دسترس دیتا
تو دل ان بیوفاؤں کو کوئی میں اپنے بس دیتا
(۲۰ الف) قسم ہے، سور، گروہ قتل کرتا اپنے ھاتھوں سے
تو جی دیتے ہوے بھی، صورت اوسکی دیکھہ، ہنس دیتا
غم ہے یا انتظار ہے ، کیا ہے ؟
دل جو اب بیقرار ہے ، کیا ہے ؟
وائے ! غفلت ، سمجھے دنیا کو
یہ خزاں یا بہار ہے ، کیا ہے ؟
کچھہ تو پہلو(۱) میں ہے خلش، دیکھو
دل ہے یا نوک خار ہے، کیا ہے ؟

(۱) اصل: «پھلوں»

کھینچ کر تیر مار بیٹھے ، بس
سور ھے یا شکار ھے ، کیا ھے ؟

بستیاں بستی ھیں، اور اجڑے نگر آباد ھیں
وہ کہاں، جنکے جدا ھونے سے ھم ناشاد ھیں!

منہ لگانے سے مرے کیوں تو خفا ھوتا ھے ؟
خاتمی، بوسے کے لینے سے تو کیا ھوتا ھے؟

رونا بھی تھم گیا، ترے غصے کے خوف سے
تھی چشم ڈبڈبائی ، پر آنسو نڈھل سکے

منہ دیکھو آینہ کا، تری تاب لاسکے!
خورشید پہلے آنکھ تو تجھسے ملاسکے

امیدیں دلکی ساری (تو) بھر پائیں ھمنے. آہ!
اے سور، بعد مرگ تو اب مدعا ھے یہ

دامن کشاں وہ لاش پر آکر، مجھے کہے
«ھے، ھے! کسی کے پیچھے برستا، موا ھے یہ»

یوں تو نکلی نہ مرے دل کی اما ھےگا ھے(۱)
اے فلك، پھر خدا! رخصت آھے گا ھے

ایك نے سورسے پوچھا کہ «صنم سے اپنے
اب بھی ملتے ھو بدستور، کہ گاھے گاھے؟»

دیکھکر مونہہ (۲)، گھڑی ایك میں بھر کر دم سرد

---

(۱) دردیوان مطبوعہ نیز ھمیں طور واقع شدہ اما در آب حیات نوشتہ: «نہیں نکلے ھے مرے دل کی اپا ھے گا ھے» - «اماھو» در ھندی بمعنیء امنگ' و «اپا ھے» بمعنیء تدبیر و مکر وغیرہ می آید -
(۲) اصل: «منہ» ودر دیوان مخطوط: «دیکھہ مونہہ اوس کا .... یوں اشارت سے بتایا»

یوں اشاروں سے جتایا: «سر را ھے گا ھے»

رات سرم شراب تھی ، اور یار
جام لیتا تھا ھاتھ سے سب کے
(٢٠ب) کہیں منھ سے نکل گیا ایسے:
« جام لے ھاتھ سے مرے اب کے »
ووھیں تیوری چڑھا ، لگا کہنے:
« کچھ نظر آے تم عجب ڈھب کے !
میں جو پیالہ تمھارا ھاتھ سے لوں
ایسے تم میرے آشنا کب کے ؟»
تتھ کے موتی پکارتے ھیں پڑے:
«میرے عاشق کا ناک میں دم ھے»

یہ چال (١) ناقیامت، یہ حسن نا سرارا!
چلتا ھے کس ٹھسک(٢) سے،ٹک دیکھیو، خدا را!
جوڑا لپیٹے جب تک، روز حساب آخر
بلبے! یری بناوٹ، اے خود نما، خود آرا!
کسکا یہ نرگستاں؟ تیرے سھید، پیارے
ریر رمیں سے اوٹھ کر، کرے ھیں پھر نظارا
پوچھے(ھے)مجھ سے، سیو:«عاشق ھے کیا تو میرا؟»
کچھ جانتا نہیں ھے ، بھولا بہت بچارا !
اتنی جراحتوں پر جیتا ھے سور انتک
سینہ ھے یا کہ ترکش، دل ھے کہ سنگ خارا ؟

---

(١) اصل «حال» و تصحیح از دیوان مخطوط - (٢) اصل: «جھمك»

تو حو پوچھے ھے که «تمرا دل، بتا، کسے لیا»؟
بس حیا آتی ھے، مجکو مت دکھا، کسے لیا

سرنسك شمع، آخر، شمع محفل ایکدن ھوگا
یه آنسو رفته رفته جمع ھو، دل انکدن ھوگا

تجھے اے دل، بغل میں محنتوں سے میں نے پالا تھا
بجانا تھا که تو ھی میرا قاتل ایکدن ھوگا

کہوں کس سے حکایت آشنا کی؟
سنو، صاحب، یه باتیں ھیں خدا کی

کہا میں نے که «کچھ خاطر میں ھوگا
تمھارے ساتھه جو میں نے وفا کی»

تو کہتا کیا ھے: «بس بس، چو پچ کرند
وفا لانا ھے، دت! تیری وفا کی»

(۲۰۱ الف) عدم سے زندگی لائی تھی پھسلا
که دنیا جاے ھے اچھی فضا کی

جسارہ دیکھه (کر) بس ھوگا دل
که ھے! ظالم، دعا کی رہے، دعا کی

او میاں، او جانے والے! کہیو اوس میخوار سے
کوئی دیوانه کھڑا پٹکے ھے سر دیوار سے

ادھر، دیکھو تو، کس ناز و ادا سے یار آتا ھے!
مسیحا کی موئی امت کو، ٹھوکر سے جلاتا ھے

اشعار ادائیهٔ میرسور بسیار اند - چون پیش فقیر بودند، ناچار نوشته شدند -

تسنیم از طبقهٔ اولی، برادر کوچك خواجه میر درد، که محمد میر نام دارد و اثر تخلص میگزارد (۱)، صاحب کمال آگاه فن و عالم شعر و سخن است که در عذوبت و صفائی کم از برادر خود نیست، بلکه در شوخی و مزه زیاده تر ازو۔ علی الخصوص مثنوی، که در تعریف و بیان صحبت کدام معشوقه، از قلم نادر رقم او بر صفحهٔ هستی نقش وجود گرفته، بکمال پاکیزگی و گرمی۔ محاوره واقع شده - بیان فضل و کمال او مستغنی از شرح است - چون مرید خاص برادر خود بود، بعد رحلت او بر مسندش نشسته، بهدایت مریدان و معتقدان مدتی مشغول مانده، آخر شربت اجل چشید - دیوانش مشهور ست و کلام او بنهایت مقبول- چند شعر ازوست :

رقیبوں نے، حماقت سے تو یہاں تك پاسبانی کی
که اوس نامہربان نےضد سے آخر مہربانی کی

---

(۱) حسن : ۸ الف ، طبقات ۳۴، گلز ۸ ب ، الف ۳۰، تذکره: ۵ب، نغز : ۱، ۳۳، شیفته: ۱٦ ب ، طبقات ۲۲۰ ، شمیم ۲۰۷ ، سخن ۱۰۰، آبحیات ۱۸۵ ، طور : ۹، خمخانه : ۱، ۱۲٦، گل: ۲۰۸، جواهر ۲، ٤٦٧ - بیاض: ۲۲ -

شوق رامپوری، در تکملة الشعرا (۳۰ب) می فرماید: «میر محمدی، اثر تخلص، برادر حقایق و معارف آگاه خواجه میردرد، جوانیست موصوف باوصاف حمیده و اخلاق پسندیده - از مشرب صوفیه حظی وافر دارد - طرز سخنش بطرز برادر است - دیوان مختصر فارسی و هندی هردو دارد - کلامش خالی از درد و اثر نیست» -

و مبتلا، در گلشن سخن (۹ب) می گوید: «اثر، نامش خواجه محمدمیر، برادر خورد میردرد از بخای دهلی است - میر در حلقهٔ اهل دلان بهاد اوقات بکسب ریاضت بسر می برد، و بیشتر در یاد الهی مشغول می باشد - صاحب علم و عمل، و شورش و برشتگی از سخنهایش هویدا» -

اثر تا سال اختتام تذکرهٔ هندی گویان مصحفی (که ۱۲۰۹ھ مطابق ۱۷۹۴ع می باشد) بقید حیات بوده ، و قبل از سال اتمام مجموعهٔ نغز (که ۱۲۲۱ھ مطابق ۱۸۰٦ع است) وفات یافته بود - بنابرین قول گل و جواهر، که اثر قبل سنه ۱۲۵۰ھ (۱۸۳۴ع) رحلت کرده، زمانی را نشان میدهد که از سنهٔ وفاتش بعید تر است نسبت به سنه ۱۲۲۱ھ-

تیرے کوچے میں دوبارا جوب ہم ہو کر چلے
ڈھونڈنے آئے تھے دلکو، جان بھی کھو کر چلے

کب تک آوے ہے اثر، کیوں تجھے ننگ آتا ہے؟
آنکلتا ہے کبھی، جی سے جو تنگ آتا ہے

ہوا کیا وہ ترا، اے سر مگیں، چپ ہوکے رہ جانا
کبھی جو بات، کھاندنا، ہوئی جوبات، سمجھانا

کوئی کھاتا تھا دغا، جھوٹھی مدارات سے میں
آپھنسا دام میں، کیا چاہیے، کس بات سے میں!

سخت ناچار ہے تقدیر کے ہاتھوں بندہ
ورنہ یوں بار رہوں تیری ملاقات سے میں!

جی میں ہے، ار سر نو جور ترے یاد کریں
تو سنے یا نہ سنے، نالہ و فریاد کریں

ان بتوں کی ہے بڑی دوڑ، یہی دل شکنی
یہ کہاں، جو نہ کسی دل کے تئیں شاد کریں؟

ہم اسیروں کی اسے چاہیے خاطر داری
اور الٹی نہ کہ ہم خاطر صیاد کریں

جو سزا دیجے، ہے بجا مجھکو
تجھ سے کرنی نہ تھی وفا مجھکو

آہ! لیجاؤں اب کہاں دل کو؟
چین اوس بن ہو اب جہاں دل کو (۱)
آہ! لیجائیے کہاں دل کو؟

(۱) این مطلع در دیوان مطبوعه (انجمن ترقیء اردو) یافته نمی شود - و در مطلع دیگر تقدم و تاخر است -

نه لگا ، لے گئے جہاں دل کو

تو بھی جی میں اوسے جگہ دیجو

مسرلت تھی اتر کے ھاں دل کو

یکساھوں سے دل کو صاف کرو

نہیں تقصیر ، پر معاف کرو

اتر ، کیجیے کیا ، کدھر جائیے ؟

مگر آپ ھی سے گزر جائیے

کبھو دوستی ھے ، کبھو دشمنی

تری کونسی بات پر جائیے ؟

کیدھر کی خوشی ، کہاں کی شادی ؟

جب دل سے ھوس ھی سب اوڑادی

تا ھاتھ لگے نه کھوج دل کا

عیار نے راہ ھی اوٹھا دی

(۲۰۲ الف) یا رب ! سوا لقاء وجہك

لا مقصودی و لا مرادی

احوال تباہ کو دکھاؤں میں کیسے

افسانهٔ درد و غم سناؤں میں کیسے

تو دیکھ نه دیکھ ، بس اس ، جان نجاں

رکھتا ھوں تجھی کو ، اور لاؤں میں کیسے

هفتم از طبقهٔ اولی تاباں (۱) که میر عبدالحی نام داشت .

---

(۱) گلشن گفتار: ۴۱، نکات: ۷۱ب ، گرد یزی. ٦ب، وص: ۴۱۸ الف، مخزن: ٥، چمنستان: ٥۳۳، حسن : ۷۲ الف، طبقا: ۷۲ ، گلز: ۷۲ الف، لطف: ۷٦، تذکره: ١٦ب، بحر: ۱۳۱،۱، شیفته: ۳٦ الف ، طبقات ١٦٦، نسیم: ۲۴، سخن: ۸۰، آبحیات (باقی)

ار دورۂ سابقین بوده - قامت دلفریب او بلباس حسن آراسته، وخمیر طبیعتش بآب عشق و محبت پیراسته افصح شاعران عصر خود بوده - نسبت شاگردیش، باعتقاد بعض بشاه حاتم میرسد، و بتحقیق بعضی بمحمد علی حسمت منتهی می‌شود - کلام او بسیار بامزه و پرصفا است - از هرجا که بوده، غنیمت بوده است - در عین شباب وفات یافت، و دیوانش در همه شهر هندوستان مشهور - این چند شعر ازوست:

رهتا ہے خاک و خون میں سدا لوٹتا ہوا
میرے غریب دل کو، الہی! یہ کیا ہوا؟

تو مجکو دیکھ نزع میں، مت کڑھ کہ میرے یار
مجھ سے بہت ہیں، ایک نہ ہوگا تو کیا ہوا

تاباں کے دیکھنے سے برا مانتے تھے تم
کھودی بہار حق نے تمہاری، بھلا ہوا

جفا سے اپنی پسیماں نہو، ہوا سو ہوا
تری بلا سے، مرے دل پہ جو ہوا، سو ہوا

(بقیہ) ۱۳۷، طور ۲، صحابہ ۲، ۱۴، گل ۱۲۴، قاموس ۱، ۱۵۴، عسکری ۱۰۹، جواهر ۱، ۳۰، بیاض ۱۳، اشپرنگر ۲۹۳، بلوم هارٹ ۳۱ -

مبتلا، در گلشن سخن (۲۱ الف) می گوید « میر عبدالحی تاباں دهلوی درشرافت و نجابت طاق، و در حسن و شاعری شهرهٔ آفاق بوده. میر مسطور را فقیر هم در عهد محمدشاه معمور دیده بود - کلامش تازگی و اداها دارد - صاحب دیوانست» -

حسب تصریح اهل تذکره، تاباں در عهد محمدشاه بادشاه دهلی، (که در ۱۱۶۱ھ مطابق ۱۷۴۷ع رحلت کرده) وفات یافته است - اما بلوم هارٹ، بنابر غلط فهمیٔ عبارت لطف، گمان برده که تاباں تا سال ۱۲۰۱ھ (۱۷۸۶ع) در لکھنؤ میزیست - و همین غلطی از دتاسی سرزده - کریم الدین قول دتاسی را تعلیط کرده است، و سبب تعلیط برده اینست که لطف در تذکرهٔ خود گفته که او در ۱۲۰۲ھ سلیمان را، که محبوب تاباں بود بحالت پیری در لکھنؤ دید، نه که خود تاباں را - واین هردو علمای یوروپ گمان برده اند که لطف تاباں را دیده بود -

گلی میں اپنی روتا دیکھه مجکو، وہ لگا کہنے
که «کچهه حاصل نہیں هو ییگا، ساری عمر رو بیٹھا»

میں حواب میں دیکھا هے لگاتےاو سے منہدی(۱)
کیا حاہیے، کس کسکا لہو آج بہے گا ؟

آئی بہار، شورش طفلاں کو کیا هوا ؟
اهل حنوں کدھر گئے؟ ماراں کو کیا هوا؟

(۲۰۲ب) اوس حامه زیب عنچه دهں کو چمں میں دیکھه
حیراں هوں که گل کے گریباں کو کیا هوا؟

آنے سے تیرے خط کے، یه کیوں هے گرفته دل؟
تتلا که تیری زلف پریساں کو کیا هوا ؟

روتے هی تیرے غم میں گزرتی هے اوسکی عمر
پوچھا کبھی نه تونے که «تاباں کو کیا هوا ؟»

هشتم از طبقهٔ اولی، صاحب حال و قال، مجمع فضل و کمال، شاه گھسٹیا المتحلص تعشق است(۲) که بکسوت درویشی در عظیم‌آباد با نہایت اعزاز و احترام سر برده ـ آوازهٔ سیریںیء کلامش بازار قند و نبات شکسته، و طنطنهٔ ملاحت تقریرش شور ملیحان را چوں ماهی بر تابهٔ حسد برشته ـ سوختگیء عشق و برشتگیء تصوف هردو باهم دارد۔ دیوان صفا بنیانش، از اول تا آخر، برنك حالت واقع شده است ایں چند شعر ازوست :

---

(۱) اصل «مہدی»

(۲) حسن ۸۳ب، طبقا ۳۴، گلز ۱۴۸ الف، لطف ۱۲٦، تذکره ۵۳ الف، بهر. ۱،۳۸۴؛ شیفته: ۱۱۲ الف؛ طبقات ۱۸۴، شمیم: ۱۷۲، سخن: ۳۳۰، طور: ۱۷، قاموس: ۸۵،۲، جواهر ۱،۳۱۱، اشپرنگر: ۲۴۱۔ (باقی)

ترے عشق میں ہم نے کیا کیا ندیکھا!
ندیکھا، سو دیکھا، جو دیکھا، ندیکھا

وہ آیا نظر بارہا، پر کسی نے
یہ حیرت ہے، اوسکا سراپا ندیکھا

ترا چین ابرو، مرا غنچۂ دل
وہ عقدے ہیں یہ، جنکو کھلتا ندیکھا

خدا کی خدائی ہے قایم، پہ تجھہ سا
ندیکھا، ندیکھا، ندیکھا، ندیکھا

سبھی دعوئ عشق رکھتے ہیں، یارو!
پہ کوئی عشق سا ہم نے رسوا ندیکھا

کبھے کو ادھر اودھر گئے ہم
بھے تیری طرف، جدھر گئے ہم

تا. جان! نہو عدول حکمی
تو نے کہا: «مر»، تو مرگئے ہم

(۲۰۳ الف) ہم نے تو خاک بھی دیکھا نہ اثر رونے میں!
عمر کیوں کھوتے ہو، اے دیدۂ ترا رونے میں

رات کب آئے تم اور کب گئے معلوم نہیں

(بقیه) مثلاً، در گلشن سخن (۶۷ب) می گوید «شاه رکن الدین متخلص به عشق، مشهور شاه گھسیٹا، نواده شاه فرهاد نقشبندیست. از دهلی عرشدآباد رسیده، در لباس دنیا چندی با خواجه محمد یحان روزگار عزت و حرمت گذرانید - و بعدازان بطریق آبای خود لباس درویشی در بر نموده، رحل اقامت در عظیم آباد انداخت. تا این زمان، که سال یکهزار و یکصد و نود و چار هجریست، در بلدهء مذکور شغل وجد و حال اکثر می باشد - دیوان ریخته اش هزار و پانصدبیت دیده» -

در نعر، از شاه کن الدین عشق بالفاظی ذکر رفته است که برای اموات مستعمل می باشد. و اشپرنگر تصریح کرده که وفاتش در ۱۲۰۳ه (۱۷۸۸ع) واقع شد -

حان ، اننی نرهی هم کو حسر رونے میں

حب تلك اشك تهمے بیٹهه ، اگر آیا هے

تیری صورت نہیں آتی هے نطر رونے میں

تجکو ، ای دیدهٔ تر، سنعل هے رونا، لیکن

ڈوبا حاتا هے یہاں دل کا نگر رونے میں

عالم عسق میں محنوں بهی بڑا گاڑها تها

یار، محنوں سے بهی هم گاڑهے هیں پر رونے میں

لے آسماں اپسا اور یہ زمیں دونوں

عاسق تو چهوڑ بیٹهے دنیا و دیں دونوں

کوئی بت کہتے هیں اور کوئی حدا کہتے هیں

هم سے حو پوچهو، تو دونوں سے حدا کہتے هیں

نهم ار طبقهٔ اولی، موس دل ردگاں، عمحوار عاشقان، اشرف علی حان فغان (۱) بوده ، که مشهور «نکو که حان» است، یعنی: کو کهٔ

---

(۱) نکات: ۱۱ الف، گردیزی. ۲۰ ب، محزن. ۴۲، چمنستان: ۴۸۲، حسن: ۸۷، الف، گلزار: ۱۵۱ ب، امف: ۱۳۰، عقد ۶۲ الف ىعر: ۲، ۲۷، شیفته: ۱۲۶ الف، طبقات: ۹۱، سرایا ۹۸، تسیم. ۲۳، سحن. ۳۶۹، صح ۳۱۸، آب حیات: ۱۲۳، طور: ۷۷؛ محبوب الزمن: ۲، ۹۰۸، گل: ۱۱۷، قاموس ۲، ۱۲۸، حواهر: ۱، ۲۶۳، یاص ۱۰، اشپرنگر ۲۲۶-

میر علاء الدوله، در تذکرة الشعرا (۱۳۸ب حاشیه) می فرماید: «اشرف علی‌حان، فغان تخلص، حوان حوش طبع و لطیفه گو است، و در ریحته گوئی دستگاهی دارد، و صاحب دیوان ست. در عهد احمدشاه بخطاب "کوکه حان" و منصب پنج هزاری ممتاز گشته، و بامولف تذکره، فقیر اشرف علی حان، رشتهٔ قرابت دور دراری دارد».

و شاه محمد حمزه، در فص الکلمات (۴۲۳ الف) نوشته که «از عمده منصداران عهد محمدشاه است. وضع ظریفانه داشت».

و حیرت، در مقالات الشعرا (۵۴ الف) می‌گوید « میرزا اشرف‌علی‌حان از کوکه‌های میرزا احمد است. و بگرم حوشی و حوش احتلاطی و حاضر حوابی موصوف. اکثر ریحته و گاهی شعر فارسی می‌گوید. بعد محبوس شدن بادشاه مسطور، پیش نواب شجاع الدوله پسر ابو المنصور حان رفت ».

(باقی)

احمدشاه بادشاه از دورهٔ سابقین شمرده می شود - کلامش ، باوصف

(بقیه) و شوق رامپوری، در تکملة الشعرا (٢٣٦ الف) باین الفاظ مختصر معرفی کرده:
" میرزا اشرف‌علی‌خان ، فغان تخلص، کوکهٔ احمدشاه بادشاه بود ـ شاعر فارسی و هندیست ـ سخن او خالی از دردنیست،،

و مثلاً، در گلشن سخن (٩٧ب) می فرماید: «اشرف علی‌خان متخلص به فغان، برادر رضاعیء احمدشاه ابن محمدشاه سلطان دهلی بوده، لهذا بخطاب کوکه‌خانی سرافرازی داشت ـ دراواخر عهد سلطنت احمدشاه از دهلی برآمده بصوبهٔ اوده رسید ، و چندی درآن دیار توقف ورزیده ، در اوایل عشرهء سابعه بعد مائة والف بعظیم‌آباد وارد شد- روسای آن شهر اورا گرامی داشتند، و خان مذکور جاگیر تاالتمغا حاصل نموده، بفراغت می گذرانید، و در مزاج راجه شتاب رای ناظم عظیم‌آباد دخل تمام داشت ، و بوساطت راجهٔ مسطور خطاب ظریف الملك بنام خود گرفت ، و درسنهٔ هزار و یکصد و هشتاد وشش رحلت نمود، و درعظیم‌آباد مدفون گردید ـ کلیات ریختهٔ‌اش دو هزار بیت دیده شد ـ اکثر سخنهایش تازه مضمون ست و سراپا لطافت، و نسبت شاگردیء میرزا ندیم درست داشت»-

و عاشقی، در نشتر عشق (٥٢١ ب) می گوید: «فغان، اشرف‌علی خان شاهجهان‌آبادی مشهور بکوکه ـ چون مادر آن مرحوم، احمد شاه بن فردوس‌آرامگاه حضرت محمدشاه را شیر داده بود، لهذا باین لقب شهرت داشت ـ در اوایل عهد احمدشاه بادشاه مرحوم، از دهلی متوجه دیار مشرق شد، و اول بصوبهٔ اوده رسیده، بنواب شجاع الدوله بهادر پیوست، و چندی دران خاکستر ساخت ، و من بعد درسنهٔ یکهزار و یکصد و هفتاد بشهر عظیم آباد رفته، براجه شتاب رای ناظم صوبهٔ بهار توسل جست ـ وراجهٔ قدردان بخوبترین وجه باوی پیش آمده، برفاقت خودکشید، و متکفل معاش او گردید ـ و بوساطت وی خطاب ظریف الملك از حضور شاه عالم بادشاه معمور ، که دران هنگام در بلدهٔ اله‌آباد رونق پزیر بودند، یافت، و دوسه دیه بطریق آلتمغا حصول ساخته، بفارغ البال و خوشحال اوقات بسر می‌نمود- سوای آن دیگرامراواعرای آن شهر، سلوك و مراعات باوی میکردند، وعزت و خاطرش می نمودند - چنانچه اولاد آن مرحوم تاتحریر مجموعهٔ هذا در شهر عظیم‌آباد موجود اند، و از همان معاش مذکوره زندگانی می نمایند ـ

گویند: خان مذکور بکمال شگفته مزاج بود ـ و از بس ظرافت و مزاح برخاطر داشت ـ بوقتی مکان پخته برای سکونت خود بنا نهاد، و بعد تیاریء آن احباب را ضیافت کرد ـ و دران مجلس عبدالادکار بر زبان آورد که می خواهم کدام نشانی برمکان درست سازم، تاازان دریافت شود که مکان فلانی است - خدمتگارخان مذکور ایستاده بود - دست بسته عرض کرد که نشان مکان بخاطر فدوی خوب رسیده است ـ چون خان استفسار کرد، گفت که بالای دروازه دو پستان سازند، تامردمان دریافت کنند که این مکان اشرف‌علی‌خان کوکه است ـ خان و حاضرین بخنده در آمدند، و وی را انعام نمودند ـ اکثر تلاش نظم (باقی)

سبقت زمانه، صفای تمام دارد، و دست شاگردیش میر را علی قلی ندیم، که شاعر ایهام گو گذشته، میرسد ـ بسیار خوش تقریر و بذله‌سنج و لطیفه‌گو بود ـ باوجود مصاحبت پیشگی، عزت تمام بسر برده ـ گویند که روزگار نواب شجاع‌الدوله مغفور را بهمین قدر حرکت، که در عالم اختلاط دستش عاس سوخته بودند، به بیمرگی گذرانیده رفت، و در عظیم‌آباد پیش راجه شتاب رای یکی از مقربان او شده، همانجا باجل طبعی در گذشت ـ این چند شعر ازوست :

(۳ ۲ب) رفته رفته، ب خوش قد مرا آوت هوگا
جو قدم آگے رکھیگا، سو قیامت هوگا

ایسی نگاه کی که مرا جی نکل گیا
قصہ مٹا، عذاب سے چھوٹے حال گیا

آئی بہار پھر، تو بس ایجیو، فغاں
زنجیر کو توڑاکے دوانہ نکل گیا

آنا همارے گھر میں تجھے عار هو گیا
ایسا فغاں کے نام سے بیزار هو گیا!

آنکھوں نے، لے سفینۂ الفت، ڈبو دیا
کچھ بس نہ چل سکا، تو، مری جان، رو دیا

کیا پوچھتے هو حال فغاں؟ کیا سنا نہیں؟
خانہ خراب عشق نے دنیا سے کھو دیا

(بقیه) زبان ریخته می‌کرد ـ و گاه گاهی فکر فارسی هم می نمود» ـ
در گلشن، و گلزار، و سمیم، و سحر، و جواهر، رحلت فغان در ۱۱۸۶ھ (۱۷۷۲ء)
ثبت افتاده است اما صاحب محبوب الزمن گوید که تا سنه ۱۱۹۵ھ (۱۷۸۱ء) بقید حیات
بود ـ و شیفته و طبقات، وفاتش را در ۱۱۹۶ھ (۱۷۸۲ء) معرفی کرده ـ اما اصح همان
۱۱۸۶ھ است ـ

اوس کی وصال و ھجر میں یونہی گزر گئی
دیکھا تو ھنس دیا، جو ندیکھا تو رو دیا

تجھکو روری ھو، مری جان، دعائیں لیا!
مجکو ھر سب تری زلفوں کی بلائیں لیا!

ترے فراق میں کیونکر یہ درد ناک جیے؟
مرے تو مر نہیں سکتا، جیے تو خاک جیے!

مرجائیے، کسی کو نہ دنیا میں چاھیے
کیا کیا ستم سہے! مری چھاتی سرا ھیے(۱)

کہتے ھیں: «وصل گل تو سحر سے گزر گئی»
اے عندلیب، تو نہ قفس بیچ مر گئی

شکوہ تو کیوں کرے ھے مرے اشك سرح کا؟
تیری کب آستیں مرے لوھو سے بھر گئی؟

تنہا اگر میں یار کو پاؤں، تو یوں کہوں
«انصاف تو نہ چھوڑ، محبت اگر گئی

آخر وفاں وھی ھے، اوسے کیوں بھلادیا؟
وہ کیا ھوا تپاك؟ وہ الفت کدھر گئی؟

مجھہ سے جو پوچھتے ھو، بہر حال شکر ھے
یوں بھی گزر گئی مری، ووں بھی گزر گئی»

(۴ ۲ الف) ڈرتا ھوں، محبت میں مرا نام نہووے
دنیا میں، الٰہی، کوئی بدنام نہووے!

تمسر کوئی تیر سی لایا، مرے قاتل
ایسی نہ لگانا کہ مرا کام نہووے

(۱) اصل: ''سرھانے''

دهم از طبقهٔ اولی، شاعر رنگین، که کلامش همه شیرین و متین است ، انعام‌الله‌خان یقین (۱) بوده - «از دورهٔ ایهام(۲) گویان اول کسیکه ریخته را بر وضع فارسی‌گویان نشسته و رفته گفته، این بزرگ بود» - شاگرد میرزا جان جان (۳) مظهر است- و بعضی گویند که دیوان

(۱) ذیل تاریخ محمدی، تحت وفیات سنه ۱۱۵۹ھ، گلشن گفتار: ۴۴؛ نکات: ۱۱ب؛ گردیزی: ۲۶ب؛ فص: ۲۴۷الف، مخزن: ۴۹، چمنستان: ۱۶۱؛ حسن: ۱۵۴ب؛ طبقا: ۲۶، گلزار: ۳۰۸ب؛ لطف: ۱۸۴، تذکره: ۹۰ الف؛ نغز: ۲، ۳۵۵، شیفته: ۲۰۷ب، طبقات: ۱۹۳، سراپا: ۱۸۷، تسنیم: ۲۵۹، سخن: ۵۶۸، طور: ۱۲۸، گل: ۱۸۷، جواهر: ۱، ۲۸۴، دیباچهٔ دیوان یقین، میرزا فرحت الله بیگ صاحب، طبع انجمن ترقیء اردو اشپرنگر، ۳۰۵،

مثلاً، در گلشن سخن (۱۱۵ الف) نوشته: «یقین دهلوی، نامش انعام‌الله‌خان، خلف اظهرالدین‌خان، منظور نظر و محبوب دل میرزا مظهر بود. راقم وی را در دهلی بارها دیده- استعداد سخن سنجی چندان نداشت - میرزا مظهر از فرط الفت اشعار خود را بنام او کرده، اشتهار داد- گویند: "او اخر عهد احمدشاه، پدر یقین وی را جهت امرناشایسته که درین زمان او ... گشت» - و بعضی گویند: "او مانع پدر می‌شد که افعال شنیعه بعمل نیارد - ابتدا از دست پدر بقتل رسید» - العهدة علی الراوی - بهر تقدیر، من اساء فعلیها (؟) - دیوانش که از پانصدبیت قدری زیاده باشد، همه مرغوب طبع است» -

و مهجور، در مدایح الشعرا (۷۴ب) گفته: «نام آن شاعر بلند مقام، انعام الله‌خان خلف الصدق اظهرالدین‌خان، نخانوادهٔ شیخ مجدد الف ثانی مشهور - منظور نظر میرزا مظهرجان جانان شاعر مذکور سوادی نداشت میرزا مظهر اشعار خود بنامرد او می فرمود» -

مصنف گلشن گفتار گفته است که یقین برادرزادهٔ میرزا مظهر بود - لاکن بندهٔ عرشی رادرین تامل است، چه حسب تصریح گردیزی وغیره، یقین از خانوادهٔ مجدد الف ثانی فاروقی است، و میرزا مظهر علوی النسب بوده -

درخصوص و فاتش گفته‌اند که عمر بست و پنج سال، و علی الاصح سی سال تقریباً، در سنه ۱۱۶۹ھ (۱۷۵۵ع) بردست پدر شهادت یافت -

یك نسخهٔ خطیهٔ دیوانش، در کتاب خانهٔ عالیهٔ رامپور محفوظست -

(۲) اصل: ابهام - و تصحیح از تذکرهٔ هندی گویان مصحفی، که عبارت هذا ازو اقتباس شده -

(۳) در اصل «جان جان» بود - اما کسی حرف «نا» افزوده، جان جانان ساخته است -

او، من اوله الی آخره، همه گفتهٔ مرزاست - بهر کیف، دریں وضع همه‌ها متبع او هستند - در اول شباب مفقودالخبر گشت - حالش معلوم شد که چه شد - مصحفی درتذکرهٔ خود آورده که پدرش او را کشته، دردیگ مدفون ساخت، و این سر راکسی نمیداند - خدایش بیامرزد ! شاعری لطیف بوده - ایں چند شعرار دیوان فصاحت بیان اوست :

نہیں معلوم، ایکے سال میخانے پہ کیا گزرا؟
ہمارے توبہ کے کرنے سے، پیمانے پہ کیا گزرا؟
برہمن سر کو اپنے پیٹتا تھا دیر کے آگے
خدا جانے، تری صورت سے بت خانے پہ کیا گزرا؟
یقیں، کب یار میرے سوز دل کی داد کو پہنچے؟
کہاں ہے شمع کو پروا کہ پروانے پہ کیا گزرا؟

سر پر سلطنت سے آستان یار بہتر تھا
مجھے ظل ہما سے سایۂ دیوار بہتر تھا
مجھے زنجیر کرنا کیا مناسب تھا بہاراں میں؟
کہ گل ہاتھوں میں اور پاؤں میں میرے خار بہتر تھا

کیا بدن مہکا کہ جسکے کھولتے جامے کا بند
برگ گل کی طرح ہر ناخن معطر ہوگیا
(۲۰۴ب) آنکھ سے نکلے پہ آنسو کا خدا حافظ، یقیں
گھر سے جو باہر گیا لڑکا، سو ابتر ہوگیا

اگرچہ عشق میں آفت ہے اور بلا بھی ہے
نرا برا نہیں یہ شغل، کچھ بھلا بھی ہے
یقین کا شور جنوں سنکے، یار نے پوچھا

«کوئی قبیلے میں مجنوں کے اب رہا بھی ہے؟»

یاردهم ازطبقهٔ اولی، شیخ ظهورالدین بود که بشاه حاتم (۱) شهرت دارد. مصحفی در تذکرهٔ خود، زمانیء شاه موصوف، می نگارد که «در سال دوم فردوس آرامگاه، دیوان ولی درشاهجهان آباد آمده، و

---

(۱) گلشن گفتار: ۲۵، نکات: ۱۰ ب، گردیزی: ۱۰ ب، وص: ۴۱۸ ب، مخزن ۲۴؛ چمنستان: ۱۳۵، حسن: ۳۶ الف، طبقا: ۱۹؛ گار ۴۱۰ ب، لطف ۸۱؛ عقد ۳۵ ب؛ تذکره: ۳۸ الف، شعر ۱، ۱۹۶، شیفته: ۵۰ ب، گلدسته: ۳۰۶، طبقات ۱۳۱؛ سراپا ۲۶۶، سخن ۱۲۰، روز روشن: ۱۶۱، آبحیات. ۱۱۲، خمخانه: ۲، ۳۴۲، گل ۱۱۵۰، قاموس ۱، ۱۹۲، عسکری: ۱۰۲، جواهر ۱، ۲۳۳، اشپرنگر ۲۳۵.

مثلا، درگلشن سخن (۳۴ ب) می گوید: «شیخ محمدحاتم، موطنش دهلی، و معاصر نجم‌الدین آبرو بوده. زمانش تا زمان ولی دکهنی مناسبت دارد. میرعبدالحی تابان از تلامذهء اوست. شاعر فصیح بیان و سرآمد ریخته گویان (بود). دیوانش دوهزار بیت، بلکه زیاده».

آزاد و کریم الدین و صاحب خمخانه و صاحب قاموس و عسکری گمان برده اند که وفاتش در ۱۲۰۷هـ (۹۱-۱۷۹۲ع) واقع شده بود. بزد بندهء عرشی، منشاو مبنای این قول را در تذکرهء هندی گویان مصحفی توان یافت، جائیکه می گوید که عمرش قریب بصد سال رسیده، و دوسه سال شده که ازین دارفنا انتقال کرد. چون ماتر خاتمهء اختتام تذکرهء هندی گویان در ۱۲۰۹هـ (۱۷۹۴ع) بوده، این بزرگان دو سال را از سنه اختتام تذکره تفریق کرده، قایل مرگ حاتم در ۱۲۰۷هـ شدند. اما این رای درست نیست، زیرا که مصحفی تذکرهء مذکوره را در ۱۲۰۰هـ (۱۷۸۶ع) آغاز نموده، ابتدا باید که «دو سه سال» را ازین سنین خارج کنیم، تا ۱۱۹۷هـ باقی ماند که مختار اوست درعقد، چنانچه درو می گوید: «در یکهزار و یکصد و نودوهفت رحلت کرد. فقیر تاریخ رحلتش چنین یافته... آه، صدحیف شاه حاتم مرد».

و در خمخانه و عسکری از خود مصحفی نقل شده که حاتم بعمر ۸۳ سال در ۱۱۹۶هـ (۸۲-۱۷۸۱ع) ازین جهان درگذشت. بنده هر چند تفحص کردم، امادر تذکرهای مصحفی این تاریخ رانتوانستم که بیابم. اما مستعدنیست که این بزرگان هم در فهم عبارت عقد غلطی کرده باشند و در «آه» یك الف اختیار کرده، یك عدد کم کرده باشند.

یك نسخهٔ خطیه از دیوان زاده‌اش، که بحسب ظاهر نسخهٔ منقول از نسخهٔ مولف بنظر می آید، در کتابخانهٔ عالیهٔ رامپور محفوظ است. این دیوان مختصر باوجود صغر حجم، درخصوص تدوین تاریخیء کلام شعرای عصر مولف خیلی باقیمت و مهمست، چه تقریبا درعنوان هر غزل تاریخ و طرح و اسم صاحب طرح را داراست.

اشعارش برزبان حورد و بزرگ جاری گشته ، مادوسه کس ، که مراد ار ناحی و مصمون و آبرو،ناشد، بنای شعر هندی بر ایهام گوئی نهاده ، داد معنی یابی و تلاش مضامین تازه میدادیم، و باحودها محطوط بودیم » . عرضکه اوستاد قدیم است . بیستر اوستادان تساگرد او بودند . سلطان السعرا بیر ساگرد اوست . مسار الیه زندگانیء سیار نمود، و آخر آخر ، وصع مرزا پسند نموده، دیوان حودرا که قدیم بود ار طاق نظر افگنده، برطرز حال دیوانی دیگر گفته، دیوان زاده اش نام نهاده بود. این چند شعر ار وست :

تم تو بیٹھے ہوے یہ آفت ہو
اوٹھہ کھڑے ہو ، تو کیا قیامت ہو !

دل تو چاہ دقن میں ڈوب موا
آتسا تھا ، عریق رحمت ہو !

مفلسی اور دماغ ، اے حاتم
تو قیامت کرے ، حو دولت ہو

(۲۰۵ الف) مجھے تو دیکھہ کر، کیا تك رہا ہے ؟
ترے ہاتھوں کلیجہ پك رہا ہے

حدا کے واسطے ! اوس سے نبولو
نسے کی لہر میں کچھہ بك رہا ہے

تو ادیت پیشہ دشمن ہے بعل میں، دل نہیں
دور ہو پہلو سے، صحبت کے مری قابل نہیں

تو صبحدم نہ نہانے حباب دریا میں
پڑے گا شور کہ ہے آفتاب دریا میں

طبقهٔ ثانی

اول سر حلقه فصحای طبقهٔ ثانی، چمن آرای گلزار سخندانی، مالک فصاحت و بلاغت، جعفر علی حسرت، (۱) که از شعرای نامدار لکهنؤ بوده. شاعر پخته‌گو و متین، کلامش نهایت مربوط و رنگین. همه اقسام سخن بخوبی گفته. سایر طنطنهٔ شاعری و معلومات فن که داشت، باسلطان‌الشعرا هم مقابله می خواست. اما چون رتبه اش بحسب و نسب هر دو در نظر مرزا اعتبار نمیگرفت، مطلق باو ملتفت نشد، وهیچ در حساب نیاورد. و حالانکه حسرت برعم خود هجو مرزا هم گفته بود، آنهم شهرت نگرفت. و طرفه‌تر اینست که مرزا باوجود بی اعتنائی و اغماض دوچار شعر برعایت پیشهٔ او که عطاری، یعنی دوافروشی بود، بگفتهٔ دیگر مردمان در قدحش گفته، آن اشعار تاحال برزبان خلق جاری هستند. بالجمله پایهٔ کلام مشارالیه ارفع و رتبهٔ شاعریش منیع.

---

(۱) حسن: ۴۰ الف، طبقات ۱۷۳، گلزار: ۴۴ ب، لطف ۸۴، تذکره ۲۶ الف، نغز ۱، ۱۷۰، شیفته: ۵۲ ب، سراپا: ۲۱۲، ۳۸۰، تسنیم: ۳۶، سخن ۱۲۰، آبحیات ۲۳۱، طور: ۲۸، روز روشن ۱۷۱، خمخانه ۲، ۴۰۸، گل ۲۱۵، قاموس ۱، ۲۰۱، عسکری ۲۴۱، جواهر ۱، ۳۶۱، اشپرنگر ۲۳۴.

مثلاً، در گلشن سخن (۴۰ ب) گفته «مرزا جعفر علی حسرت، ولد مرزا ابوالخیر از مشاهیر ریخته گویان لکهنؤ است. اکثر تازه گویان آن شهر شاگرد اویند. صاحب قصاید و غزلیات. و تا حال، که سنه ۱۱۹۴ هجری بو یست، در قید حیات».

وفات حسرت، بقول خمخانه و عسکری و جواهر در ۱۲۱۷ھ (۱۸۰۲ع) و بقول الف و گل در ۱۲۱۰ھ (۱۷۹۵ع) و بقول تسنیم و سخن و طور در ۱۲۰۰ھ (۱۷۸۶ع) واقع شده. و فاضل محترم جناب قاضی عبدالودود صاحب (پٹنه) برحاشیهٔ تذکرهٔ سخن شعرا نوشته اند که از مادهٔ تاریخ گفتهٔ جرات، که «سوی جنت رفت» می باشد، ۱۲۰۹ھ (۱۷۹۴ع) مستخرج می شود. بنده عرشی در دیوان جرات (۳۹۵ الف، شماره ۴۰ فی دواوین اردو) این قطعهٔ تاریخیه یافته‌ام

خلاق مضامین جو رحلت فرمائے ہر اہل سخن کو کیوں نہ حسرت رہ جائے ؟ (باقی)

نزد اکثر اوستادان پایهٔ اوستادیء او مسلم - در آخر عمر ترك (روزگار) گفته ، لباس درویشی اختیار کرد، و بعد چندی در لکهنئو رحلت یافت - این اشعار اروست :

(۲۰۵ب) کسکی نگه کا تیر لگا ، آه ، کیا هوا ؟
تڑپے هے دل مرا ، اسے الله کیا هوا ؟
کوئی دم کی بات هے که نه تها بیقرار دل
کیا آفت اس په آگئی ناگاه ، کیا هوا ؟

بیان کیا کیجے اوس سرو رواں کے قد و قامت کا
بلا هے، آفت جان هے، نمونه هے قیامت کا
ترے لب کے هلانے میں جو، پیارے، جی نه اوٹهتا میں
نهوتا معتقد هرگز مسیحا کی کرامت کا

خدا حافظ هے، کیوں محفل میں اوسکا نام آیا تها؟
تڑپنے سے ابهی دل کو مرے آرام آیا تها
فلك، اك دم بهی تونے وصل کی شب کو نه ٹهہرایا
یه ساری عمر میں تجهه تك همارا کام آیا تها

آشیاں چهوڑ چلے، اے چمن آرا، هم تو
توهی لیجائیو سر پر یه گلستاں اوٹها

(بقیه)
جرات نے کهی یه رو کے تاریخ وفات «یوں جاوے جہاں سے حسرت، ارماں هے، هائے!»
ازین ماده ۱۲۰۶ه (۱۷۹۱ء) مستفاد می‌شود، اگر در لفظ «جاوے» حرف «و» را جزو ماده‌ء تاریخ شمار نکنیم - و اگر بر طبق الفاظ دیگر: «فرمائے، رهجائے» که در بیت اول واقع شده ، و در تمام نسخ خطیهٔ کتابخانهٔ عالیهٔ رامپور ، بدون «و» نوشته شده، «جائے» بخوانیم (و بر ندهٔ همین ارجح است) ۱۲۰۰ه، که مختار تسمیم وغیره است، بر می آید -
در کتابخانهٔ عالیهٔ رامپور یك نسخهٔ خطیه از کلیاتش محفوظ است

کل روتے ہوئے جو اتفاقا
حسرت کے مزار پر گئے ہم
پڑھتا تھا یہ شعر وہ، نہ حاک
بس سنتے ہی جس کے مرگئے ہم
«واماندو(ں) پہ دیکھیے کہ کیا ہو؟
اپنا تو نباہ کر گئے ہم»

کس کا ہے جگر؟ جس پہ یہ بیداد کروگے
لو، دل تمھیں ہم دیتے ہیں، کیا یاد کروگے!

کوڑیوں کے مول بیچا مصر میں تونے، فلك
ہاے اوس یوسف کو، جو تھا سارے کنعاں کی ساط

دوم از طبقهٔ ثانی، شاه محمدی بیدار است که میر محمدعلی نام و بیدار تخلص او بود (۱). شاعری گرشته کهنه مشق، کلامش شسته و رفته، و خود در زی درویشی میزیست. از مریدان مولوی فخر الدین شمرده میشد. فارسی هم کم کم میگفت، بلکه چند (۲۶ الف) غزل و رباعی و قصیدهٔ فارسی، که گفته، آنهم پشت سر ورق دیوان خود نوشته میداشت. این چند شعر انتخاب از دیوان ریختهٔ اوست:

---

(۱) نکات: ۲۱ب، گردیزی: ۲۵ (مطبوعه)، مخزن: ۶۳، چمنستان: ۵۰، حسن: ۲۲ب، گلزار: ۲۲ب، لطف: ۵۹؛ عقد: ۷ب؛ تذکره: ۱۲ الف؛ بحر: ۱، ۱۱۷؛ شیفته: ۳۴ الف، طبقات ۱۵۶، سراپا: ۲۶۷، ۲۶۹، نسیم: ۱۰۲، سخن: ۷۴، روز روشن: ۱۱۴، طور ۱۸، خمخانه: ۱، ۶۶۳، گل: ۲۰۰، عسکری: ۲۵۱، جواهر: ۲، ۶۸۶، یاس: ۲۵، اشپرنگر ۲۱۲.

مثلا، در گلشن سخن (۷ب) می گوید: «بیدار از روسای دهلی است. سخنور کامل مشهور. همعصر خواجه میر درد. دیوانش یکهزار (و) پانصد بیت سطر آمده. کلامش دلچسپ و اسمش میر محمدی».

مصحفی در تذکره گفته که «حالا در اکبرآباد است». و بناء علیه در طبقات (باقی)

اب تک مرے احوال سے وهاں بیخبری هے
اے نالۂ جانسوز، یه کیا بے اثری هے ؟

مولاد دلاں ، چھیڑیو زنہار نه مجھکو
چھاتی مری ،جوں سنگ، شراروں سے بھری هے

اوٹھکے ، لوگوں سے کنارے آئیے
کچھ همیں کہنا هے ، پیارے ، آئیے

جو کچھ چاهیے آپ فرمائیے
په غیروں کی باتیں نه سنوائیے

نصیحت سے ، بیدار، کیا فائده ؟
جو هو آپ میں، اوسکو سمجھائیے

دانت تو کیا هیں، اگر کاٹو چھری سے، پیارے
هاتھ سے میرے تو ممکن نہیں دامان چھٹے

صورت اوسکی سما گئی جی میں
آه، کیا آن بھا گئی جی میں

تو جو، بیدار، یوں هوا تارك
ایسی کیا بات آ گئی جی میں ؟

یه وهی فتنه و آشوب جہاں هے ، بیدار
دیکھکر پیر و جوان جسکو، حذر کرتے هیں

بس نہیں خوب که ایسے کو دل اپنا دیجے

(بقیه) می نویسد که در ۱۷۹۳ء در اکبرآباد بوده ۔ و در گل و جمانه نوشته شده که در ۱۲۰۹ھ (۱۷۹۴ء) رحلت کرد ۔ و اشپرنگر و فاتش را در ۱۲۱۲ھ (۱۷۹۷ء) معرفی کرده ۔

دیوان غزلیاتش، که در ۱۲۳٦ھ (۱۸۲۰ء) نوشته شده ، در کتابخانۂ عالیۂ رامپور یافت می شود ۔

آگے تو خان، میان، هم تو حبر کرتے هیں

سیوم از طبقهٔ ثانی، فدوی (۱) لاهوری است، که بقوت شاعری و معلومات وی که بزعم خود زیاده برداشت، بمرزا مقابل شده مهاجات نمود، و بسبب صفای بندش و ایراد قطعه ها در بیشتر غزلها، شهرت بسیار گرفت، و یکی از نامداران عصر (۲۰۶ب) خود گردید. اگرچه از اصل بقال پسری بود، اما مزاجش عاشق پیشه افتاده. شعر بسیار نامره میگفت. این چند شعر اروست:

ابرو کی تیغ تیر سے، سورج ڈرے(۲) هوے
پهرتا هے اپنے منه په سپر کو دهرے هوے
آنسو نهیں نه دیدهٔ ترمیں بهرے هوے
موتی هیں آبدار صدف میں دهرے هوے
نه سرو نهیں باغ میں، هے آه کسی کی
نرگس نهیں، تکتا هے چمن راه کسی کی
سر پر تو دهر کے نعش هماری کو تا مزار
هر یك قدم په روتے هوے خوشان چلے

---

(۱) حسن: ۹ب، طبقا: ۳٦، گلزار: ۱٦۱الف، تذکره: ۵۸ب، بهار: ۲، ۳۹، شیفته: ۱۹۸، طبقات ۹۰، سراپا: ۹۷، نسیم: ۱۷۹، سخن: ۳۵۹، آب حیات ۱۵۵ حاشیه، اشپرنگر: ۲۲٦—

مثلا، در گلشن سخن(۸۴ب) می گوید: «فدوی لاهوری مرد خود پسند و خود غلط بود.» و میر ولی الله، در تاریخ فرخ آباد (۱٦۱ الف) می نویسد «فدوی شاعر مشهور، درعهد نواب احمد خان به فرخ آباد آمده، با میرزا رفیع السودا در مهاجات مطارحات نموده.»

در نسیم نوشته که اسم فدوی مکند لال بوده، و به صابر علی صابر تلمذداشته. آخرکار مذهب هود ترك کرده مشرف باسلام شد و در دهلی سکونت ورزید. و درطبقات گفته که بعد قبول اسلام بمحمد حسن موسوم شد و بعمر پنجاه سال وفات یافت.

(۲) اصل: «بهرے هوے» و تصحیح از بهار: ۲، ۴۰—

لائے تھے سر پہ دھر کے، کس احلاص سے ہمیں
بس آنکھ اوجھل ہوتے ہی، اے دوستاں، چلے؟
یاروں نے اپنی راہ لی، فدوی، ہمیں رہے
وہ چیز اب کہاں ہے، جو پوچھے: «کہاں چلے»؟

چہارم از طبقۂ ثانی، میرحسن علی تجلی (۱) است که عرفش «میاں حاجی» بود۔ بقول مصحفی (۲) «دروں ریحته بی نطیر، و همشیره زادۂ میر محمد تقی میر۔ دیوان صحیم ترتیب داده»۔ و برعم راقم رویۂ میر، رحمه الله تعالے، سواے مسار الیه در کلام هیچکس یافته نمی شود۔ حق اینست که هرچه گفته، حوب گفته، و از تسمیه و استعاره و کنایه و محاز هرچه می بایست، دران مطلق کمی نه نموده۔ مثنوی «لیلی محنون» را بناے حوبی نهاده۔ غزلهاے بحر کامل، هیچ شاعری بهتر و حوشتر ازو نگفته۔ اشعارش بسیار مشهور۔ اگرچه کلام دلپذیرش همه (ے ۲ الف) انتحاب و مستثنی، اما چند شعر دریں رساله هم یادگار او بوسته شده اند:

نه تها نازك اتنا، حبر نہیں دل یا شکسته کو کیا ہوا
که گھر نمط، سر راہ میں چلا سر سے آبله یا ہوا
تو کہیں رہے، یہ ترا الم مرے دل پہ رکھے ہے نت کرم

---

(۱) تذکره ۱۷ ب، نعر ۱، ۱۳۴، شیفته ۳۸ الف، طبقات: ۱۳۹، سراپا ۲۱۵، تسمیم ۳۶، سحن ۸۲، طور ۲۱، حمحانه ۲، ۳۶ —
اسم تحلی، در نعر و طبقات، میر محمد محسن و در شیفته، میر محمد حسن و در حمحانه، میر حسین و در سراپا و تسمیم، میر حسن و در طور، میر محمد حسن ثبت افتاده۔ و اسم پدرش در نعر و طبقات و سراپا و تسمیم و طور، میر محمد حسین کلیم و در شیفته، میر محمد حسن کلیم و در حمحانه، میر حسن کلیم نوشته شده است —
مثنوی «لیلی محنون»، که در متن ازو ذکر رفته، باهتمام مولوی کریم الدین در مطبع دہلی در ۱۸۴۴ع بچاپ رسیده بود —
(۲) اصل: «که دروں»۔

میں اسے بھی جانوں ہوں مغتنم، کہ رہے ہے گھر تو سا ہوا
نہ کسو نے حب سہی یہاں جفا، مجھے یاد کر کہا ہو جفا
کہ «کبھی تجلی دی وفا، نہ مری جفا سے جفا ہوا»

اب ایسی منہدی(۱)لگی تیرے پاے نازک میں
کہ خواب میں بھی کبھی تو نہ، اے نگار، آنا

گر یونہی جنوں دست و گریبان رہے گا
دامن ہی رہے گا، نہ گریبان رہے گا
تا کوچۂ دلدار پہنچ لینے دے، طاقت
آخر تو تو جاتی ہے، نہ ارمان رہے گا

دل تو بھلا گیا ہی تھا، طاقت کو کیا ہوا؟
یاروں کی، اس زمانے کے، الفت کو کیا ہوا؟

میں تو نہ سمجھا، یارو، کہ سمجھانا خوب اوپھیں
پر یہ کہو کہ «یارے، بہانت کو کیا ہوا؟»

کلام این وحید زمانہ بسیار است۔ تا کجا نوشتہ شود۔

پنجم از طبقۂ ثانی، میر حیدرعلی حیران (۲) کہ مولدش شاھجہان آباد و خود بلکھنئو و فیض آباد نشو و نما یافت۔ بسبب روزگار سپہ گری و رسالہ داری، کہ پیشۂ او بود، فرصت نداشت۔ تاھم بجہت معلومات فن و موزونیء طبیعت، کہ خلقی اورا حاصل بوده، ھرچہ میگفت خوب میگفت۔ و معہذا شاگردان ھم بہم رسانیده۔ میر شیر علی افسوس ھم از شاگردان اوست۔ وجود در ابتدای حال مشورہ بہ سرپ سکھہ دیوانہ نموده۔ (۷ ۲ ب) آخر ازو برگشت

(۱) اصل «منہدی» (۲) حسن ۳۹ الف، گلزار ۴۵ الف، ابراهیم ۸۵، تذکرہ ۲۵ الف، بحر ۱، ۲۲۳، شیفتہ ۵۸ ب، طبقات ۲۳۷، تسنیم ۳۴ (باقی)

و بشاگردیء کسی مقر نبود. فکرش صاف، کلامش با مزه، بایراد معنیء بیگانه هم آشنا. چندی بخاطر، بلکه بحکم مهاراجه تکیت رای بهادر، شادان نیز تخلص نموده بود. این چند شعر ازوست:

کل جو حیران کو میں روتے دیکھا
بن گئی دوکھیے کی گھات مری
اون کی خدمت میں ادب سے، میں نے
عرض کی: «دیکھی کرامات مری؟
میں نه کہتا تھا که دل آپ بدیں
بندگی، قبلهٔ حاجات! مری»

کیا اک خلق کو ابرو نے اوس کے قتل، اے حیران،
کہاں جاتا ہے؟ وهاں تلوار پر تلوار پڑتی ہے
صف مژگاں سے اوس کی، جب نه تب دل جا اٹکتا ہے
سمجھتا ہی نہیں، هر چند حیران سر پٹکتا ہے
جلا جاتا ہے حیران آتش عشق نہانی سے
بھنا جاتا ہے دل، اور جی سپند آسا چٹکتا ہے

جی نکلتا ہے اب کوئی دم میں
بیٹھے جا، کچھ نہیں رها هم میں

(بقیه) سخن ۱۴۳، طور: ۳۰، روز روشن ۱۸۹، قاموس ۱۶۱، ۲۱۶، یاص ۳۶، اشپرنگر ۲۳۷، مثلا، در گلشن سخن (۳۸ ب) نوشته که «میر حیدر علی حیران، شاگرد لاله سری سکھه دیوانه، در زمرهء نکته سنجان پسندیده محسوبست. اصلش از دهلی، و اکنون در لکھنئو بسر میبرد.»

در خصوص وفات وی معلوم میشود که در عهد نواب آصف الدوله (۱۱۸۸ — ۱۲۱۲ ه مطابق ۱۷۷۵ — ۱۷۹۷ ع) در صوبهٔ بهار بقتل رسید. و لطف نوشته که تا ۱۲۱۵ ه (۱۸۰۰ ع) بقید حیات بوده.

ششم از طبقهٔ ثانی، تهمتن میدان سخنوری، اسفند یار معرکهٔ شاعری، بقاء الله خان بقا (۱) است، که بقوت صفائی و فصاحت الفاظ، حضیض ریخته را باوج فارسی رسانده، و بتوانائیء بلاغت و متانت کلام، ادهم هندی را باشهب عربی دوا نده - شاعر قصیده گو گذشته، لهذا بمقابلهٔ مرزا محمد رفیع، در قصاید حواشی داد معنی یابی و تساعیه غریبه داده - از متاخرین کسی همتراز وی او نبود - آخر آخر، دماغش مختل گردیده، دیوان خود را، مع(۲) همه مسودهای کلام خود، پاره نموده (۲۰۸ الف)، آب تر کرده، در سبوچهٔ کلان میداشت - هرکسی که طالب شعرش می آمد، همان سبوچه نشان داده، میگفت که «درین همه کلیات من است - هرچه مطلوب باشد، بنویسید - اما هجوهای بعض کسان که کرده ام، برای خدا ننویسید که من توبه کرده ام» - و چون آخر، شوق زیارت حضرت ابا عبدالله الحسین علیه السلام دامنگیر شد، و از فرط غیرت، که مخمر طینتش بوده، نمیخواست که دست سوال پیش کسی دراز کند تا اعانت زادراه خود بد، اراده نموده که دو سه خرقه خود بیاورد، تادر ان بقعهٔ مبارکه روزیء حلال بکسب دست حاصل نموده خورده باشد - چنانچه کندن

---

(۱) حسن ۱۲۳ الف، طبقا ۳۷ ، گلز: ۲۲ب، لطف ۵۸ ، تذکره ۱۵ب، نغز ۱، ۱۰۷، شیفته: ۳۱ب، طبقات: ۲۰۰، سراپا: ۱۶۸ و ۲۲۷، تسنیم ۳۱، سخن ۶۸، روز روشن ۱۰۰، آبحیات ۱۶۶ و ۲۲۲، طور ۱۸، خمخانه ۱۰، ۶۳، عسکری: ۲۵۳، یاس ۱۳ اشپرنگر، ۲۱۲ -

مثلا، در گلشن سخن (۱۴الف) گفته «بقا، اسمعش بقاء الله، خلف حافظ لطف الله ... در لکهنؤ مقیم و شاگرد مرزا محمد فاخر مکین، فارسی گو است» -

باتفاق اهل تذکره، بقا در ۱۲۰۶ھ (۹۱-۱۷۹۲ع) تقریبا ازین جهان رحلت کرده است - اما در روز روشن نوشته که «تا سال ستم، از مایهٔ سیزدهم در قید حیات بود» -

(۲) اصل: «معه»

عقیق و نوشتن خط نستعلیق و نسخ و علم طب در همان حالت حاصل نموده، از راه بنگاله عازم (۱) منزل مقصود گردید. گویند که در همان ضلع بکدام مکان احلش در رسید، و از سودای دنیا او را خلاصی داد. با راقم بسیار آشنا بود، و کمال انس داشت. حالا قریب دو هزار شعر از وخسته بین مردمان مشهور است. و این چند شعر از وست:

ترے جو خال سیه لب په آشکارا هے
کسی کے بخت سیه کا مگر ستارا هے
چمن میں لاله نهیں، تجهکو دیکهکر، قاتل
زمیں سے خون شهیداں نے جوش مارا هے
بتا کی آه نے اوس میں کبهی اثر تاثیر
بتاں، یه دل هے تمهارا که سنگ خارا هے؟
نوے اس طرح کا، اے چرخ، گرانا همکو
که موے پر بهی کسی نے نه اوٹها پایا همکو
(۸۰۲) زهروان کہتے هیں جسکو «جرس محمل هے»
محبت راه سے نالاں، وه همارا دل هے
موج سے بیدس نهیں، هستیء وهمی کی نمود
صفحهٔ دهر په، گویا، یه خط باطل هے
کچهه تعین نهیں، اس راه میں، جوں رنگ رواں
جس جگه بیٹهه گئے، اپنی وهی منزل هے
آستیں حشر کے دن خون سے تر هو جسکی
یه نقیں جانیو اوسکو که مرا قاتل هے

(۱) اصل «عالم».

کھول دو عقدۂ کوبین نقا کے پل میں
یا علی، تمکو یہ آسان، اوسے مشکل ھے

دست ناصح جو مرے حبیب کو اس بار لگا
پھاڑوں ایسا کہ پھر اوس میں نہ رھے تار لگا

یار کو پہنچی خبر نالۂ تنہائی کی
مدعی کون کھڑا تھا پس دیوار لگا؟

وہ جو دیکھہ آئنہ کہتا ھے کہ «اللہ رے میں!»
اوس کا میں دیکھنے والا ھوں، بھا، واہ رے میں!

رخ اوسکا، صفائی ترے تلوے کی بیاوے
خورشید ھزار اپنے تئیں چرخ چڑھاوے

غیرت گل ھے تو، اور چاک گریباں ھم ھیں
رشک سنبل ھے تری زلف، پریشاں ھم ھیں

ناتوان چشم تری، ھم ھیں عصا کے محتاج
بت کی بیمار وہ، اور طالب درماں ھم ھیں

ترکی اوس چشم کی ھے ابروے خمدار کے زور
چھین لیتی ھے دل خلق وہ(۱) تلوار کے زور

ھفتم از طبقۂ ثانی، شاعر متین و مربوط، کہ کلامش نہایت مقبول و مضبوط، خواجہ احسن الدین خان بیان(۲) است. ھر شعرش گویا آئینہ آست

---

(۱) اصل: «وو».

(۲) گردیزی: ۴ب، محزن: ۷۴، چمنستان: ۵۲، حسن: ۱۹ الف، طبقا: ۳۳، گلزر ۲۰ الف، لطف ۵۵، تذکرہ: ۱۳ ب، ہندی ۱، ۱۲۳، شیفتہ: ۳۵ ب، طبقات: ۱۵۴، شمیم: ۲۴؛ سخن: ۷۰، خریطہ ۱۵۲، صبح ۷۰، طور: ۱۹، خمخانہ: ۱، ۶۱۷، محبوب: ۱، ۳۰۸، گل: ۱۹۱، قاموس ۱، ۱۴۵؛ عسکری: ۲۵۵، جواہر ۱۰، ۲۹۳، بیاض ۱۸۰، اشپرنگر ۲۱۲ — (باقی)

با آب و تاب، و دیوانش از اول تا آخر همه انتخاب۔اگر بتامل نگاه کرده آید، بندش و تالیف اوکم از هیچ اوستادی نیست۔میگویند که تاحال زنده است۔بطرف دکهن در سرکار نظام علیخان عزواعتباری دارد (۱)۔(۲۰۹ الف)

این چند شعر از وست:

(بقیه) شاه محمد حمزه، در فص الکلمات (۱۸ا۴الف) گفته که « خواجه احسن الله بیان درسنۀ یکهزار و یکصد و هشتاد و چار هجری، همراه نواب وزیر غازی الدین خان بتقریب خانه (در مارهره) رسیده بود۔ بحسن صورت و سیرت محلی، و بفهم و فراست محلی۔ زاد گاهش اکبر آباد است، و طبعش معنی ایجاد۔ مشق سخن از میرزا مظهر می کرد۔ چند شعر بدست خود برحاشیۀ کتاب نوشته»۔

و حیرت، در مقالات الشعرا (۴اب) نوشته « خواجه احسن الدین خان بیان، مجمع خوبیهای بیشمار است، و معدن مکارم هزاران هزار۔ اگرچه مولدش اکبر آباد است، اما از مدتی در شاهجهان آباد توطن گزیده، بزایصاحب خداوند خیلی اتحاد وار تباط دارد هنگامی که این زله ربای مایدهٔ از باب سخن، بمقتضای قسمت آب و دانه وارد شاهجهان آباد بود، بمقدآن بزرگ بیشتر زیاده از آنچه که متصور شود، بحال خود مشاهده می نمود۔ حسن خلق و وفور مروت با علوی ادراک و رسائیء طبیعت درطینت اوجمع است » ۔

و شوق رامپوری، در تکملة الشعرا (۶۳ب) فرموده « احسن الدین خان بیان تخلص، صاحب ذهن سلیم و طبع مستقیم۔ تا عهد عالمگیر ثانی در شاهجهان آباد اقامت داشت ۔ باز معلوم نه شد که کجا رفت »۔

و مبتلا، در گلشن سخن (۱۳االف) ذکر کرده « بیان، اسمش احسن الله، شاگرد میرزا مظهر، مولدش اکبرآباد، سکنش دهلی است۔ مرد عاشق پیشه، و کلامش پرشور »۔

و عاشقی، در نشتر عشق (۱۰۶االف) آورده « بیان، نام وی احسن الله بود۔ این ابیات ازوست۔

بخون آلوده مژگانم چه نسبت شاخ مرجان را؟
که دل خون کرد اشک سرخ من لعل بدخشان را
زضعف ناتوانی رفت دامانش زدست من
پیء دفع خجالت چاک می سازم گریبان را

بیان، حسب تصریح جمخانه و گل رعنا و جواهر و بیاض، در ۱۲۱۳ھ (۹۸-۱۷ع) رحلت کرد۔ چنانچه از مادهٔ تاریخ « استاد از جهان رفت » که گفتۀ یکی از تلامذه اش می باشد، همین سال بر می آید۔ وصاحب تذکرهٔ محبوب الزمن و قاموس ۱۲۶۰ھ (۱۸۴۴ع) نوشته که بحسب ظاهر مستبعد و نادرست معلوم می شود۔

میں ترے ڈر سے رو نہیں سکتا
گرد غم دل سے دھو نہیں سکتا

سب مرا شور گویہ سن کے، کہا:
«اسکے ہاتھوں میں سو نہیں سکتا»

مصلحت ترک عشق ہے، ناصح
لیک وہ ہمسے ہو نہیں سکتا

جو مسلسل بیاں کہتا ہے
کوئی موتی پرو نہیں سکتا

وامق تو کیا ہے؟ قیس بھی جاتا ہے مجھکو بھول
جب دیکھتا ہوں حسرت فرہاد کی طرف

ہووےگا ذوق حسرت دیدار میں خلل
شیریں، گزر نکیجیو فرہاد کی طرف

بھلا میں تو، اے دین و ایمان عاشق
ہوا ہے تو کیوں دشمن جان عاشق؟

مقابل ہی رہتا ہے ہر وقت تیرے
ہے آئینہ، یا چشم حیران عاشق

میں جانتا تھا وصل کی سب کچھ قرار ہے
آنکھیں جو کھل گئیں، تو ذر صبح بار ہے

جاو میں پھرے ہیں برباد اڑکے
دو انہیں، برسے اس تحمل کے صدقے

رسوا نکر، خدا سے ڈر، اے چشم تر، مجھے
آنا ہے اوسکے کوچے میں بار دگر مجھے

هشتم از طبقهٔ ثانی، منتخب فصحای زمن، بلبل شیرین سخن، سید حسن المتخلص بحسن (۱). عفر الله ذنوبه. صاحب مثنوی «سحرالبیان» است، که شهرهٔ خوش گوئیء او عالم را فرا گرفته، و نور صفای بیان آن جهان را منور ساخته. شاعر خوش بیان و شیرین زبان بود. دیوان ضخیم ترتیب داده. در مثنوی و غزل نظیر خود نداشت. طرزش صاف و بسیار با مزه و مقبول خاص و عام هر دو. (۲۰۹-ب) مدتی شده که جهان فانی را وداع گفته. تاریخ وفاتش مصحفی چنان نظم نموده. تاریخ:

---

(۱) حسن. ۴۲ الف، طبقا ۳۹، گلز ۵۲۰ الف؛ لطف: ۹۲؛ تذکره: ۲۴ الف؛ نعز ۱/۱، ۲۰۲؛ شیفته ۵۳؛ طبقات ۲۱۳؛ سراپا: ۷ و ۹۸ و ۱۴۲ و ۱۹۸ و ۲۱۱ و ۲۴۹ و ۳۷۹؛ جدولیه: ۱۴۳؛ نسیم: ۳۷؛ سخن: ۱۳؛ آب حیات: ۲۵۳؛ طور: ۲۹؛ خمخانه: ۲، ۴۲۹؛ گل ۲۳۴؛ انتخاب ۱۴؛ قاموس: ۱، ۲۰۲؛ عسکری: ۱۴۳؛ جواهر: ۲، ۳۹۷؛ بیاض ۴۰؛ اشپرنگر: ۲۳۳؛ بلوم هارت: ۳۶-

مثلا، در گلشن سخن (۴۲ الف) می گوید «میر غلام حسن، حسن تخلص دهلوی، ابن میر غلام حسین ضاحك. در شهر کهنهٔ دهلی مسکن داشت، و شاگرد میر ضیا بود. از دهلی سفر گزیده وارد لکهنئو گشته، با نواب سالار جنگ و خلف ایشان نوازش علی خان میگزراند. مضامین سخنهایش تازگی دارد» -

و مبتلی، در مدایح الشعرا (۲۱ الف) می نویسد «اسم شریف آن سید والا تبار، و آن شاعر هنر گفتار، و آن سحر پرداز نادره اشعار، میر غلام حسن، خلف الرشید سید غلام حسین ضاحك تخلص از اولاد امجاد میر امامی هروی رضوی است. اللهم اغفرهما» -

لطف و اشپرنگر و انتخاب، رحلت حسن را در ۱۲۰۵ھ (۱۷۹۰ع) و قاموس در ۱۲۰۴ھ معرفی کرده اما اتفاق دیگر اهل تذکره سال رحلتش همان ۱۲۰۱ھ (۱۷۸۶ع) است که در متن مذکور شده -

در خصوص اسم میر حسن باید تصریح کرده شود که او موسوم به غلام حسن است و بنابرین بعید نیست که لفظ غلام از متن ساقط شده باشد -

کتابخانهٔ عالیهٔ رامپور دو نسخهٔ خطیهٔ کلیات حسن را داراست، که یکی ازانها در رامپور بدست محمد رحیم، خطاط نستعلیق، بموجب حکم نواب سید احمد علی خان بهادر، در ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۷ع) باتمام رسیده و پنج نسخهای خطیهٔ سحرالبیان هم محفوظ است -

چون حسن، آن بلبل خوش داستان
رو ازین گلزار رنگ و بو بتافت
سکهٔ شیرین بود نطقش، مصحفی
«شاعر شیرین زبان» تاریخ یافت
(۱۲۰۱ھ)

این چند شعر از دیوان اوست:

جاتا تھا اوس کے کوچے میں، میں بے خبر چلا
یارے، اوسی نے ٹوک کے پوچھا: «کدھر چلا؟»

دل اب تو بات بات پہ پستا ہے، اے حسن
کیا جانے اس میں کس کی نزاکت سما گئی؟

ہے دھیان جو اپنا کہیں، اے ماہ جبیں، اور
جانا تھا کہیں اور، تو جاتا ہوں کہیں اور

آخر تو، کہاں کوچہ ترا اور کہاں ہم؟
کر لیویں یہاں بیٹھ کے اک آہ حزیں اور

میں خستہ کو کیا روؤں؟ کہ اٹھ جاتے ہی تیرے
برپا ہوئی اک مجھ پہ قیامت تو یہیں اور

تھا روئے زمیں تنگ، زمیں ہم نے نکالی
رہنے کے لئے شعر کے عالم میں، زمیں اور

نکلے، تو اسی کوچے (۱) سے یہ گم شدہ نکلے
ڈھونڈے ہے حسن دل کو، تو پھر ڈھونڈھ یہیں اور

تم تو لڑ بھڑ کے، حسن، یار سے بس ایک ہوئے
مفت میں میں نے یہ باتیں جو سہیں، مجھکو کیا؟

(۱) اصل «کوچہ» —

کل صبا کس کی باس لائی تھی؟
جان میں میری، جان آئی تھی
دل کو روؤں و یا جگر کو، حسن
مجھکو دونوں سے آشنائی تھی
اے گرد باد، طرف چمن ٹک گذار کر
بلبل کے پر پڑے ہیں، گلوں کے نثار کر

نہم از طبقۂ ثانی، شاعر شیریں گفتار، محمد امان خان نثار۔ (۱) و شیخ گفته می شد۔ (۲۰ الف) بزرگانش صنعت معماری داشتند۔ کسیکه طرح جامع دهلی ریخته، جد او بود۔ مشار الیه هم در پیش امرا، یعنی مجدالدوله و ضابطه خان و راجه نکیت رائے و مهدی علی خان وغیره، با هتمام همین صیغه نوکری با متیاز نموده است۔ کلامش از تلاش معانی و جمعیت الفاظ گونا گون (۲) خالی نبوده۔ کمال پرگو بود۔ هفت دیوان ترتیب داده، اما سوائے غزل و چند رباعیء شمرده هیچ نگفته آوردن الفاظ، که مخصوص بمردمان شاهجهان آباد اند، خاصۂ او بود۔ این چند شعر ازوست:

آج کیا ہے، جو ادھر رنجه قدم فرمایا
یه تو فرمائیے: «کسطرح کرم فرمایا؟»
مجنوں کا میرے، ہے دل دلگیر بے صدا

(۱) حسن ۱۳۹، طبقا ۱۴۱، تذکره ۸۴ ب، شعر ۲، ۲۶۶، شیفته ۱۹۳ الف، طبقات ۳۵۱، سراپا: ۲۷۴، تسنیم: ۲۳۵، سخن: ۵۰۳، طور: ۱۱۵، آبحیات: ۲۱۸ حاشیه، جواهر ۱، ۳۴۸، بیاض ۳۱، اشپرنگر: ۲۷۴ — در حسن و طبقا، اسمش امان الله، و در تسنیم و بیاض محمد امان ولد سعادت الله معمار دست افتاده۔ و طبقا و تسنیم معرفی کرده که نسبت تلمذ بشاه حاتم داشت —

(۲) اصل « گوناں گون » —

گویا کہ رنگ ساقۂ تصویر بے صدا
اس آہ بے صدا کا جگر سے نہ ربط ہے
کاغذ سے جیسے خامے کی تقریر بے صدا
گردش کا اوس نگاہ کی، اب طور اور ہے
اے ساکنان میکدہ، یہ دور اور ہے
نثار، اوس کی حقیقت سے کب تو ماہر ہے؟
برب کعبہ! بتوں میں وہ سخت کافر ہے
مرجائیں، کریں منہ سے نہ اظہار محبت
شرمندۂ عیسی نہیں، بیمار محبت
دل ضبط آہ سے مرے سینے میں جل گیا
جھگڑا چکا، عذاب سے چھوٹا، خلل گیا
کلبۂ احزان میں روشن کردیا غم کا دیا
آتش داغ کہن کو کس نے پھر چمکا دیا؟
دل کو اول قتل کر، پھر مہربانی کی تو کیا؟
اسکی کیا شادی، ہمیں خلعت جو ماتم کا دیا؟
جب وصل تھا نصیب تو، اے یار، کچھ نہ تھا
چنگے بھلے تھے، جان کو آزار کچھ نہ تھا
(۲۱۰ب) اے جان، تم جو آگئے، بس جان آگئی
جینے کا، ورنہ، ایسے تو آثار کچھ نہ تھا
ہم جاسکیں نہ وہاں، نہ وہ گھر سے نکل سکے
اٹکا ہے دل کہاں کہ جہاں کچھ نہ چل سکے
عزم سفر کا ایسے مذکور مت کیا کر

دل کو مرے، دیا سا، تو مت بجھا دیا کر

گالی ہو خواہ جھڑکی، خون جگر ہو یا غم

اے دل، جو کچھ کہ وہ دے، خوش ہو کے کھا لیا کر

مکتب میں بیٹھ کر یہی سیکھا ہے گالیاں

ملا نے کیا کہا ہے: «نکا کر تو لام کاف»؟

ابرو کو اوس کے ہے مجھے سجدہ روا، شار

کافر نہیں، کروں جو میں قبلے سے انحراف

مست، اوس لب میگوں کے میخانے سے کیا واقف؟

مخمور، اون آنکھوں کے پیمانے سے کیا واقف؟

مغرور ہے، سرکش ہے، بے فکر ہے، بے غم ہے

شعلہ ہے وہ بے پروا، پروانے سے کیا واقف؟

خورشید سے گرم اپنی صحبت ہے بیاباں میں

ہم، سایے سے کیا محرم، جن جانے سے کیا واقف؟

دهم از طبقهٔ ثانی، عالم عالی منزلت، شاعر والا مرتبت، میر قمرالدین مست (۱)، که در علم و فضل یگانهٔ روزگار بود.

---

(۱) حسن: ۱۹ الف، گلزار: ۱۹۶ ب، لطف: ۱۷۱، عقد: ۸۰ ب، تذکره ۷۷ الف، شیفته: ۱۶۲ ب؛ نتایج: ۴۱۴؛ طبقات: ۱۷۸، تسنیم: ۳۸، خریطه: ۲۰، سخن: ۴۵۷، شمع: ۴۱۵، روز روشن ۶۵۲، آب حیات: ۲۱۷؛ طور: ۹۶، محبوب: ۲، ۱۰۰۵، گل: ۲۷۸ حاشیه، قاموس ۲، ۲۳۳؛ عسکری: ۲۴۶، بیاض: ۳۴، اشپرنگر ۲۵۸ —

شوق رامپوری، در تکملة الشعرا (۲۹۹ الف) می فرماید: «میر قمرالدین مست تخلص، متوطن شاهجهان آباد، از نجباء و شرفای آن بلده بود، و از اولاد امام جعفر صادق، و از خاندان مولوی فخرالدین، صاحب ارشاد خداطلبان بوده. مصنف تصانیف متعدده مثنوی، و سه دیوان وغیره است. شخصی اهل دل، و سخنور کامل، و فاضل و فاضل، و موزون خوش مقال نازک خیال، متلاشی مضامین نو و رنگین، و متجسس الفاظ خوب و شیرین بوده. از چندی در بلدهٔ لکهنئو اقامت داشت. آوازهٔ سخنوری او در (باقی)

در فارسی گویان، کسی قوت مقابلهٔ او نداشت، علی‌الخصوص در قصیده

(بقیه) افواه عوام و خواص است، محتاج تعریف نیست. مصنف دیوان فارسی و هندی »

و مثلاً، در گلشن سخن (۱۹۴الف) می‌گوید « مست دهلوی، نامش میر قمرالدین سلسلهٔ نسب او از جانب اجداد مادری سید جلال بخاری »—

میر علاء الدوله اشرف علی خان، در تذکرة الشعرا (۳۶۲الف) می نویسد: « مست تخلص از جوانان موزون طبع است. با نواب وزیر عمادالملک نظام تخلص در فرخ آباد می باشد. راقم تذکره، فقیر علاء الدوله، را بارها اتفاق مشاعره باست مذکور دست داده ».

مولوی عبدالقادر چیف رامپوری، در روزنامچهٔ خود (۱۶۲ الف و ب) گفته است

«بتاریخ ۲۷ جمادی الآخره سنه ۱۲۳۹ھ مطابق ۲۸ فروری سنه ۱۸۲۴ع، از ملاقات به میر نظام الدین ممنون مستفید شدم. این بزرگوار، فرزند میر قمرالدین مست است، وی از اقربای جناب شاه عبدالعزیز صاحب بود، و دست ارادت بجناب یگانهٔ آفاق، در کمال استقامت و تهذیب اخلاق، مولوی فخر الدین اورنگ آبادی مولد و دهلوی مرقد طاب ثراه، داده عالمی را مرشد گشت. و بعد چندی در لکهنؤ تقرب نواب حسن رضا خان و حیدر بیگ خان بهم رسانیده، خودرا اثنا عشری وا نمود، و ازان راه برگشت و در رفاقت حیدر بیگ خان به کلکته آمد و درگذشت. شعر فارسی هم می گفت. مطلع او

چو دید از دور آن زرین قبا را
گلستان گفت « مست مرحبا را »

زبان زد که و مه است.

و این بزرگوار نیز از بند مذهب و مشرب آزاد است. آسایش زندگانی نمود جاودانی می پندارد. مرد سنجده، جهان دیده، فهمیده و گرم و سرد روزگار چشیده است. تحریر و تقریر وی مربوط و بکار تحصیل و تشخیص و وکالت و مصاحبت سزاوار. بزبان اردو از شعرای کهنه مشق لکهنؤ است. غزل وی

لیتی ہے فیض گل سے صبا اور صبا سے ہم
لے عطر اوس کے تن سے قبا اور قبا سے ہم

زبانزد هاست. و باثر ابی که گفته، نیکو گفته. بسفارش جنرل سر ڈیوڈ اختر لونی صاحب، مدتی کار تحصیل کوٹ قاسم صرف خاص حضور والا می‌کرد. آخر بسعایت کسان ازان کار کناره کش گشته، با کاری پرگنهٔ مگره، که اهتمام آن به کیفیت حال صاحب متعلق است، یافت.»

و عاشقی، در نشتر عشق (۶۵۹الف) گفته « مست، نام پاکش میر قمرالدین سید مشهدی نژاد و از اولاد امام ناصرالدین بود که مزارش در قصبهٔ سونی پت مزار خلایق خاص و عام است نسب شریفش بچهارده واسطه سید جلال بن سید عصدیر دی، (باقی

و مثنوی. مداحیء راجه ٹکیت رای بهادر، که دیوان آصف‌الدوله مرحوم

(بقیه) که احوالش مفصل در تذکرهء کاشی مرقوم است، میر سد. مولدش قصبهٔ سونی پت بوده، و در خطهٔ پاك دهلی نشو و نما یافته. بتقریب قرابت و پیوندها، تربیت در خاندان شاه ولی الله محدث گرفته، و تحصیل علوم و سند حدیث از خدمت مولوی شاه عبدالعزیز ولد ارشد شاه ولی الله مرحوم، که امروز بکمال مستعدی و تحقیقات کوس یکتائی می زند، ساخته و رسالهٔ اجازت حدیث از مولانا حاصل کرده، و دست ارادت در خدمت مولانا فخرالدین اورنگ آبادی ثم الشاهجهان آبادی بطریق قادریه داده، و مجاز طرایق دیگرهم، مثل چشتیه وغیره گشته. مشق سخن بخدمت میر شمس‌الدین فقیر نموده. تا که در شاهجهان آباد بود، بر طریقهٔ اهل تسنن بی سر برد. هر گاه در سنهٔ یکهزار و یکصد و نود و یك در لکهنؤ رفت حلی و عادات مذهب تشیع ظاهر می نمود، و در انجا قصاید مدح نطر نواب جنت آرامگاه، آصف‌الدوله مرحوم، و دیگر امرء، مثل حیدر بیگ خان و راجه ٹکیت رای، گذرانیده، صلات بر گرفت. و از انجا بطرف بنگاله رفت، و مدایح اعظم آنجا نموده بجایزه معزز گردید و قصاید غرا در مدح نواب گورنر مسٹر هشٹن صاحب بهادر گذرانیده، بخطاب ملك‌الشعرا ی سرفراز شد. و از آنجا به حیدرآباد رفته، قصیدهء در تعریف نواب آصف جاه نظام الملك انشا نموده، ده هزار روپیه صلهٔ نقد و جنس ماهی گشت. گویند بایمای والیء حیدرآباد، شعرای آنجا بمکابره و مجادله با میر پیش آمدند. و چون وی را در هرفن مستعد و بدیهه گو یافتند، نجی والیء مرور معروض داشتند، و آن جوهر شناس نگین زمرد بخطاب ملك‌الشعرائی مرحمت کرد. میر بار از حیدرآباد عنان عزیمت به لکهنؤ نمود. و این بار راجه ٹکیت رای اورا بمشاهرهء دو صد روپیه برفاقت خود کشید. میر بعد چند سال در عمر چهل و نه سالگی بتقریبات بعضی امور وارد کلکته بود که درسنه یکهزار و دوصد و هشت پیك اجل در رسید و در کربلای آنجا مدفون گشت. مولوی عبدالواسع که از فضلای لکهنؤ است، این قطعه نظم کشیده که بکمیء یك عدد سال تاریخش بر می آید. « میر قمرالدین مت های های » شخص دیگر بتعمیه گفته:

« خود گفت بن زروی دانش « من سعدی آخرالزمانم »

دیگری تاریخش نظم کشیده که ماده اش این است « قمردین بخسوف آمد آه »

از انجا که از ابتدای سن تمیز مشغولیء خاطر بشعر و شاعری داشت، دستگاه کمال پیدا ساخته بود. »

باتفاق اکثر اهل تذکره، مت در ۱۲۰۸ھ (۹۳-۱۷ع) در کلکته وفات یافته است. چنانچه علاوه بر ماده های مذکورهء صدر، رازی که یکی از شاگردان مت است، در تاریخ و فاتش می گوید (کلیات ۲۲۳ الف و ب) « مرد شمع بزم عرفان، آه، حیف. »

مولوی احسان الله ممتاز می فرماید (نامی)

بود، بسیار نموده- گاه گاه زبان فصاحت بیان را بهندی هم آشنا می ساخت، بالتخصیص در وقت اصلاح، چراکه در هندی شاگردان بسیار بهم رسانیده بود- علی‌الخصوص خلف‌الصدق او، میر نظام الدین، ممنون تخلص میماند- و آن هم صاحب (۲۱۱ الف) دیوان است، و مثل پدر بزرگوار، تلامذهٔ بسیار دارد- گویند که میر سعادت علی تسکین و سید مهرالله خان غیور نیز از تلامذهٔ ممنون اند- و بعضی گویند: «از شاگردان مست-» بهرحال سلسله واحد است- این چند شعر ازوست:

هم سے وہ خوشش، وہ الفت دور کی
آپ کو سوجھی نہایت دور کی

شب کہ مجلس میں وہ بت محو خود آرائی تھا
آئنہ بپشت بدیوار، تماشائی تھا

مدعی اوس سے سخن ساز سالوسی ہے
پھر تما کو یہاں مردهٔ مایوسی ہے

میری ہی طرح، جگر خون ہے ترا مدت سے
اے حنا، کس کی تجھے خواہش پابوسی ہے

تہمت عشق عبث کرتے ہیں مجھکو، مست
ہاں یہ سچ، ملنے سے خوباں کے تو اک خوشی ہے

بس جفا زور آزمائی ہوچکی

(بقیه) مست، آن بادشاه ملک سخن که شدش منتظم خوب اسلوب
قمرالدین نام بود، ازان بودش سال انتقال «غروب»
اما مصحفی در تاریخ وفاتش «مست کجا و زمزمهٔ شاعری او» گفته که ازو ۱۲۰۷ه (۱۷۹۲ع) مستخرج می شود- و لطف و ناصر دریں خصوص ۱۲۰۶ه (۱۷۹۱ع) را معرفی کرده-

دلبروں سے ھاتھا پائی ہوچکی
تیغ سے وھاں اتلك ٹپکے ھے خوں
قتل یاں ساری خدائی ہوچکی
رات تھوڑی، حسرتیں دل میں بہت
صلح کیجے، بس لڑائی ہو چکی

یازدهم از طبقهٔ ثانی، شمع بزم سخندانی، آئینه دار محبوبهٔ معانی، شاعر پر زور و قوت، ادا بند دقت، شیخ غلام همدانی، متخلص به مصحفی (۱) است که در پختگی و متانت محی طرز مرزا، و در

(۱) حسن : ۱۲۵ ب ، طبقا ۴۱ ، گلزر : ۱۹۰ الف ، لطف : ۱۶۵ ، عقد : ۸۵ ب ، ریاض : ۴۹ الف ، تذکره : ۸۲ ب ، شیفته . ۱۴۸ ب ، نتایج : ۴۲۰ ، گلدسته ۲۵۷ ، طبقات ۳۵۰ ، سراپا ۵۴ ، جدولیه : ۱۴۱ ، تمیم : ۳۳ ، سخن ۴۴۰ ، شمع ۴۱۶ ؛ بوستان اوده ۱۰۹ ، آبحیات: ۳۰۹ ، طور: ۹۱، گل ۲۱۸، انتخاب ۲۸ ، قاموس ۲ ، ۲۱۶ ، عسکری ۲۲۹ ، جواهر ۲ ، ۵۷۵ ، بیاض ۴۵ ، اشپرنگر ۱۸۲ ، بلوم هارٹ ۷ .

مثلا ، در گلشن سخن (۹۱ ب) می گوید . « مصحفی از شرفای امروهه است در دهلی »

مولوی عبدالقادر خیف رامپوری ، در روزنامچه (۴۰ الف) می نویسد « روزی در محفل مشاعره ، که دران ایام بخانهٔ مرزا جعفر می بود ، رفتم . مرزا محمد حسن متخلص بقتیل و مصحفی و میر نصیر دهلوی دران زمره سرکرده شمار می آمدند . و شیخ امام بخش ناسخ را دران ایام زوراوری و ناموری درین کار بود . و بعد ازان یك روز ملاقات تفصیلی عیان مصحفی شد ، که بخانهٔ آن بزرگوار رفتم . به بشتر مردم درس « گل کشتی » میر نجات دادی ، و اصلاح اشعار اکثری هم میکرد . با این همه بیارمند بیان شیعه بود . می گفت که مولدش ملگڈه است که متصل شاهجهان آباد است . »

و مهجور در مدایح الشعرا (۳۶ الف) گفته " اسم شریف آن سر حلقهٔ شاعران سحر سنج . شیخ غلام همدانی ، مصحفی تخلص میفرمایند . این هیچمدان راچه یارا که زبان در توصیف آن شاعر نادر بیان کشاید . "

در وفات مصحفی اختلافی رو داده است کریم الدین در گلدسته نوشته که "وفات ارسکی کو یه اکتیسواں سال هے." چون سال تالیفش ۱۲۶۱ھ است، لهذا (باقی)

ادا سدی و ارسال المثل ثانیء سور شیرین اداست. برهمه اقسام سخن بکمال حوبی قادر، و بطرز شاعری و سخنوری، کماحقه، رباهی (۱) حود ماهر. شاگردان بسار بهمرسانیده. گویند که شش دیوان در سلك نطم کشیده، (۲۱۱ب) اما رطب و یابس بسیار دارد. و سمهٔ از ووب وحودت طبیعت او این است که در ایامیکه وارد لکهنئو گردیده، آنوقت دور دور میان جراب بود، و مردم سهر همه مسحر طرز دلپسند او. مسارالیه چون دید که کسی ملتفت بحالش نمی سود، با جرات طرح خلاف انداخته، تنها با او ولسکر تلامدش مقابل شد، و در اندك عرصه، حود هم شاگردان بسیار بهمرسانده، در مشاعره های لکهنئو شعر میخواند، و تا بست سال بهمین نزاع و مخاصمت بسر برده، آخر نام نامیء حود مثل او، بلکه زیاده تر ازو، برجریدهٔ سهرت و نام آوری ثبت نمود. غرضکه کمال برگواست. اکنون از طبقهٔ شعرای (۲) هندی بقوت و معلومات وکهن سالی و اصلاح تلامذ بمقامات او هیچکس نمیرسد. خدا اورا بسیار زنده دارد! چه د

(بقیه) بردش رحلت مصحفی در ۱۲۳۰ھ (۱۸۱۴ع) واقع شده باشد اما در طبقات می گوید "درمیان ۱۲۲۰ھ (۱۸۰۵ع) کے اوس حا فوت هوا."

و در نتایج گفته که "در اواخر عشرهء رابعه بعد ماتین و الف قدم براه عد نهاد." وهمین سال را شمع و گل و قاموس و عسکری و جواهر و باض و بلوم هارث وغیر معرفی کرده اند. و آنچه اشپرنگر گفته که بنابر شیفته رحلتش در ۱۲۴۳ھ روداده درست نیست. شیفته هم با نتایج موافقت دارد. بزد بنده عرشی در گلدستهٔ کریم الد بجای "اکیسوان" که مرادف بست و یکم است، اکیسران که مرادت سی و یک است، و بدل اعداد ۱۲۴۰ اعداد ۱۲۲۰ھ از سهو کاتب مدرج شده.

کتابخانهٔ عالیه رامپور به نسخهای خطیهٔ دیوانش را داراست. و از انجمله چهار مجلد، که صدر الدین محمد در ۱۲۱۱ھ (۱۷۹۶ع) نوشته، مهرشاه اوده و تحریر حائره و فقرهء "پیش کردهء میان مصحفی" بر صفحهٔ اول دارد.

(۱) کذا. و اغلب این که "رباعیء حود" بود

(۲) اصل "شعارای."

سر حلقۂ ریحته گویان لکھنئو ھمین حوش فکراست و س۔ این چند شعر ازوست :

سمجھے وہ صید حستہ مرے اصطراب کو
سینے میں حسکے، ٹوٹ کے پیکان رھگیا

شوحی تو دیکھہ، تیر کو سینے سے کھینچ کر
کہتا ھے: «میرے تیر کا پیکان رھگیا»

ترا حدنگ نگہ حس کے دل سے پار ھوا
سنان تیر تعافل، وہ دلفگار ھوا

قصد کرتا ھوں حو اس در سے کہیں حاینگا
دل یہ کہتا ھے: «توحا، میں تو نہیں حاینگا»

کبھی اوس یار قاتل بن، حو رحت اپنا بدلتے ھیں
ملے ھیں عطر تو، لیکن کف افسوس ملتے ھیں

باتوں میں آپ ھنس ھنس نت زھر گھولتے ھیں
ھم سے ھی بیحیا ھیں، حو تم سے بولتے ھیں

(۲۱۲ الف)دامن اوٹھا کے چلتے ھو، میرے مزار سے عبث
حاک میں میں تو ملگیا، کس سے اب احتراز ھے؟

ھمکو ترساتے ھو کیا، تم یہ ادا دکھلا کر؟
منہ چھپایا نہ کرو، بہر حدا! دکھلا کر

پھر قیامت ھے، حو وہ شوح چھپالے منہ کو
اپنا دیدار ھمیں رور حزا دکھلا کر

حو دیکھے ھے نقشے کو ترے، وہ یہ کہے ھے:
«سارا بدن انسان کا، چہرہ ھے پری کا»

منہدی ہے کہ قہر ہے خدا کا
ہوتا ہے یہ رنگ کب حنا کا؟

تلوار کو کھینچ، ہنس پڑے، واہ!
ہے مصحفی کشتہ اس ادا کا

بھیگے سے ترے، رنگ حنا اور بھی چمکا
پانی میں، نگاریں کف پا اور بھی چمکا

جوں جوں کہ ترے منہ پہ پڑیں مینہ کی بوندیں
جوں لالۂ تر، حسن ترا اور بھی چمکا

دھویا نگیا جوں مرا تیغ سے تیری
کم بخت پہ پانی جو پڑا، اور بھی چمکا

کاغذ کا ورق یہ پائے صورت؟
نقاش ایسی بنائے صورت

چہرہ پہ نظر نہیں ٹھہرتی
اللہ رے، تری صفائے صورت!

دوازدہم از طبقۂ ثانی شہسوار عرصۂ سخندانی، سعادت یار خان، کہ پسر طہماسپ بیگ خان تورانی است. و رنگین (۱) تخلص

---

(۱) طبقا ۴۴، تذکرہ: ۳۵ ب، ہندی ۱، ۲۷۸، شیفتہ: ۴۷ الف طبقات: ۳۳۳، سراپا: ۸۵، خدولیہ: ۱۴۵، گلستان ۲٦، تسمیم ۳۳۰، سحر ۱۹۴؛ روز روشن: ۲۵۹، آبحیات: ۱۱۰، ۱۱٦، ۲۱۷، ۲۹٦، نور: ۲۷ خمخانہ: ۳، ۵۲۹، گل: ۲٦۴، قاموس: ۱، ۲٦۷، تذکرۂ ریختی: ۲۰ عسکری ۲۳۷، جواہر ۱، ۳۴۰، اشپرنگر: ۲۸، بلوم ہارٹ: ۴۰.

مولوی عبدالقادر جیف رامپوری، در روز نامچۂ خود (٦۹ الف) می فرماید
«و سعادت یار خان رنگین است. عمرش از هشتاد در گذشته، لیکن کلامش هم شوخیٔ بوجواست. در اقسام شعر معنیٔ بلند دارد، و در ریختی از میر سوز میر انشاء اللہ خان و در هزل از صاحب قران بالا دست است. این دو بیت او زبان که و مہ است

اوست۔ شعر را بکمال صفائی و شیرینی گفته۔ صاحب دیوان است۔ «ریختی»، که بنای معروف حالا شهرت دارد، از اختراع مزاج نزاکت امتزاج اوست۔ و آن عبارت است از شعری که دران فقط زبان و محاورهٔ (۳۱۲ب) نساء بسته شود. و هر معامله که زنان را با زنان یا با مردان روی دهد، صرف بیان و تقریر او باشد و بس؛ و هرگز هرگز لفظی و کلمهٔ که تعلق و خصوصیت بتقریر مردان و جوانان داشته باشد، در نیاید۔ غرضکه طراح این طرز عجیب همین خوش سلیقه است، و سوای او هرکه گفته و یا نگوید، متتبع اوست۔ و «رسالهٔ نثر» در محاورهٔ زنان نساء نیز خوب نوشته است۔ این چند شعر ازوست:

(بقیه) آه کہیے، تو آن جاتی ہے اور نہ کہیے، تو جان جاتی ہے
وہ نہ آوے، تو توہی چل رنگیں اس میں کیا تیری شان جاتی ہے؟

و بزبان اردو «فرسنامه» دارد، که بهترین فرسنامهاست۔ اول مقامها را، که اسپ درانجا خوب باشد، نوشته و بار خال و خطش را که بدان قیمتش در سوداگران کم و بیش گردد، بار رنگهای پسندیده و ناپسندیده، بار طرز پرورش آن و قواعد حفظ صحت و افزایش قوت، بار طریق استدلال بر مرض و تشخیص و تعین قسمی از اقسام آن مرض، بار معالجه۔ و سواری هم بنیکوی داند؛ و خوی بد را شایستگی آوردن تواند۔ با این همه قدرت تحریر ندارد.» در بیاض (ص ۳۹) هم ازو ذکر رفته است۔

بندهء عرشی مگوید که خان آرزو در «غرایب اللغات» بعد هر ردیف فصلی مشتمل بر محاورات بگمات نوشته است۔ چون این فصول در اکثر نسخ غرایب اللغات یافت نمی شود، ازین جهت عامهٔ ادبای هند باین حقیقت پی نبرده رسالهٔ رنگین را کتابی وحید درین موضوع شمرده اند۔ بنده خوشبختانه در کتابخانهٔ سرکار رامپور بر نسخهٔ خطیهٔ از غرایب اللغات آرزو، که دارای این فصول مهمه می باشد، مطلع شدم۔ و رسالهٔ رنگین را، که در عقیدهء بنده هم رسالهٔ وحیده درین موضوع بود، بزو عرض کردم۔ بعد تفحص و تعمقش باین حقیقت پی بردم که رسالهٔ مذکوره ترجمهٔ امطهٔ فصول آرزو است، حتی که، باستثنای مواضع چند، ترتیب امات هم بزبهان ترتیب آرزو ست رنگین زحمت و کلفت باکشیده، قصد باموری و شهرت کرده است عفرالله۔

رنگین بنابر اتفاق ارباب تذکره در ۱۲۵۱ه‍ (۱۸۳۵ع) بعمر هشتاد سال فوت شد در کتابخانهٔ عالیهٔ رامپور دو نسخهٔ خطیه از دیوان ریختی اش محفوظ است۔

یك بیك چونك کے، کہنے لگے وہ رات: «نہیں
روك مت، جانے دے گھر ہمکو، یہ کچھ بات نہیں»
ہاتھ میں ہاتھ ہے، پر بوسہ نہیں لے سکتے
دست رس اتنی بھی ہرگز ہمیں، ہیہات! نہیں
قسمیں کروڑ جس نے ملنے کی کھائیاں ہوں
یہ سوچ ہے، اب اوس سے کیونکر صفائیاں ہوں؟
اوس ستمگر سے ہمارے جو کسی نے پوچھا:
«کوئی رنگیں بھی ترے کوچے میں یہاں رہتا ہے؟»
تو کچھ اك تاؤ سا کھا، چیں بجبیں ہوکے وہیں
گالی دیکر، یہ کہا اوس نے کہ «ہاں رہتا ہے»
جی بیچ کے یہ عشق کا جنجال خریدا
اوس جنس کو کہو، ہمیں ہے یہ مال خریدا
میں نے چاہا جو اوس کو، اے رنگیں
مجھ سے ہر ایك بدگمان ہوا
طوطئے جوڑتی (ہے) (۱) کیا کیا، خلق؟
جی اکتا بلاے جان ہوا!
جب میں نے کہا کہ «مجھ کو تم سے
ملنے کا ہے اشتیاق بیحد»
یکبار وہ کھل کھلا کے، رنگیں
بولے کہ «چہ خوش، چرا اما شد؟»

طبقۂ ثالث

(۲۱۳ الف) اول سر دفتر سخنوران طبقۂ ثالث، شاعر فصاحت کردار،

(۱) اصل این کلمہ را ندارد.

بلبل شیرین گفتار، ناظم خوش تقریر، مقبول هر برنا و پیر، میان قلندر بخش، که جرأت (۱) تخلص داشت. شیرینیء تقریر و صفائیء بندش، بمرتبهٔ که داشت، مثل آفتاب برهمه روشن است. عرض که صاحب طرز است. نهایت خلیق و عالم آشنا گذشته. مردم چشمش، بعارضهٔ نزول، مدت است که از حلیهٔ بصر عاری بودند. آنچه گفته بود همه یاد داشت، حالانکه کم از صد هزار شعر فصیح نگفته باشد. در هر مجلس و مجمع که رونق افزا می شد، بسبب خوش تقریریء او کسی بار سخن نمی یافت، و هرگز بر خاطرها بار نمی شد. مادام که زنده بود، مقبول دلها و عزیز امرا بوده. صاحب عالم میرزا سلیمان شکوه بهادر، دام ظله، اورا بسیار عزیز میداشتند. شاگردان بیشمار بهمرسانیده، در هر مشاعره که می آمد، نصف مشاعره بلکه زیاده از تلامذهٔ او می شد. و در نجوم و ستار نوازی و علم مجلس

(۱) حسن ۳۱ الف، طبقا ۰ ۲۷، گلزار: ۳۰ ب، لطف: ۳۷، تذکره ۲۲ الف، نعز ۱، ۵۵، شیفته: ۴۳ ب، گلدسته. ۱۴۷، طبقات ۲۰۵، سراپا ۱۷، مختصر ۸۵، جدولیه ۱۴۱، شمیم: ۳۲، سخن ۱۰۲، نور روشن: ۱۴۳، آبحیات ۲۳۶، طور ۲۴، خمخانه ۲، ۲۱۸، گل ۲۴۷، اصحاب ۲۷، قاموس ۱، ۱۶۷، عسکری. ۲۲۵، جواهر ۲، ۴۸۲، یاص: ۳۷؛ اشپرنگر: ۲۴۴، بلوم هارت: ۳۵.

مثلا، در گلشن سخن (۲۹ الف) می گوید: «جرات دهلوی، اسمش یحیی امان ابن حافظ امان، صاحب دیوان در تلامذهء میرزا جعفر علی حسرت است. در علم موسیقی و ستار نوازی طرفه دستی دارد. و در نظم شعر ریخته طعش ملایم. در لکهنئو و فیض آباد میگذراند.»

باتفاق اکثر اهل تذکره، جرات در ۱۲۲۵ھ (۱۸۱۰ع) وفات یافته است. اما در طبقات ۱۲۲۴ھ را معرفی کرده. و همین سال از مادهای مستخرجهٔ کمال، شاگرد قایم و جسونت سنگهه پروانه برمی آید چنانچه کمال می گوید (دیوان قلمی: ۲۹۵ ب و ۲۹۶ الف، حاشیه):

حست تاریخش چو از هاتف کمال گفت «شاعر و هنی شیرین زبان»

و پروانه می گوید «کهو، حیف نصیب جرات هے.» (خمخانه ۲، ۷).

کتابخانهٔ عالیهٔ رامپور پنج نسخهای دیوانش را دارا ست.

یگانۂ عصر خود بود۔ با راقم حروف بسیار دوستی داشت۔ این چند شعر ازوست:

میرے اور اوس کے، جو پوچھو، ربط کیا کیا کچھ نتھا؟
پر دل اوس کا پھرگیا ایسا کہ گویا کچھ نتھا

عزیزو، وصل میں بھی ہم جو رو روکے سوتے تھے
سو اندیشہ تھا روز ہجر کا، اس دن کو روتے تھے

سارے، کچھ جذبۂ دل نے تو اثر اوس کو کیا
اب جو آتا ھے، سو مژدہ یہ سناتا ھے مجھے

منہ ترے گھر کی طرف کرکے، یہ کہتا تھا وہ شوخ:
«اسطرف کو کوئی کھینچے لیے جاتا ھے مجھے»

(۲۱۳ب) خواهش دیدار جسکو ہو، تو ایک تصویر یار
وہ بہرصورت کھچامنگوائے اور دیکھا کرے

لیک میں حیرت زدہ یہ پوچھتا ہوں، دوستو،
«جو فقط باتوں ھی کا مشتاق ہو۔ سو کیا کرے»؟

عجب انداز سے کل بزم خوباں میں وہ آتا تھا
کہ دل ھی دل میں اوس پر ھر کوئی قربان جاتا تھا

یہاں پھونک دیا دل کو، وھاں یار کو بھڑکایا
نالہ بھی قیامت ھے، کچھ آگ لگانے کو

کیا کہوں، کیا خوبرو، نظریں ملاکر، لے گئے؟
دل سے مونس کو مرے مجھ سے جدا کر لے گئے

کیا بگڑ بیٹھے (۱) جو تم مجھ سے، تو بدنامی گئی؟
جا بجا لوگ اوس کے افسانے بنا کر لے گئے

(۱) اصل «بگو بٹھے»

سر پٹکتے رہ گئے ساحل سے هم، مانند موج
اور اعیار اوس کو کشتی میں بٹھا کر لے گئے

کل تلك حسکی حبر سب لوگ آکر لے گئے
آج اوس بیمار کو، پیارے، اوٹھا کر لے گئے

کیا عجب ھے؟ اوس نے حس حس کے تئیں لکھے تھے حط
نامه‌بر وہ مجھه سے سرنامے پڑھا کر لے گئے

بوسه په جو منه پھیرو، تو پھیرو ایسا
ٹك پاؤ تو دالے همیں دو ایسا

گر نام سے عاشقی کے ھے تنگ تو، جان
بوکر، چاکر، علام، سمجھو ایسا

چاه کی چتون مری، آنکھه اوس کی شرمائی هوئی
تاڑلی مجلس میں سب نے، سخت رسوائی هوئی

مخفی نماند که این شعر متنازع فیه است. جرأت میگفت که «ار من است» و افسوس میگفت که «ار من.» چون طرر هردو قریب، و وقوع شعر ار هردو ممکن، ناچار نا تناع شهرت در اشعار جرأت نوسته شده. و الله اعلم بالحق.

دوم (۲۱۴ الف) ار طبقهٔ ثالث، که خاك طینتش نآب فصاحت سرشته (۱)، و عنصر لطیفش بمایهٔ بلاعت تالیف یافته، فصیح رمان، بلیغ دوران، میر شیرعلی افسوس (۲) بود، که در معلومات فن و سدش

---

(۱) اصل: «سر رشته».

(۲) حسن ۱٦ الف، گلر: ۱۸ الف، لطف: ۴۷، تذکره: ۸ ب، بعر. ۱، ٦۵، شیفته ۲۳۰ الف، طبقات: ۲۳۴، سراپا: ۲۱۰، حدولیه: ۱۴۰؛ ضمیم ۳۵؛ سحن ۳۹، دور روشن: ۵۸، طور ۱۲، جمحانه ۱، ۳۵۳، میر ۱، ۹۷، قاموس ۱، ۸۷، ارباب ۸۲، جواهر ۲، ٦٦۳، یاص: ۳٦، اشپرنگر ۱۹۸۰، بلوم هارٹ ۳۸۰.

(باقی)

سخن از همسران بهیچ وجه پایهٔ کمی نداشت۔ صاحب دیوان بوده است۔ اکثر اقسام سخن را بخوبی گفته۔ اول شاگرد میر سوز، و آخر رجوع بمیر حیدر علی حیران آورده، مشق کلام به پختگی رسانیده۔ با فقیر سیار دوستی و یکجهتی داشت، چراکه در علم طب، بخدمت فیضدرجت، حضرت قبله و کعبهٔ دوجهان، زبدهٔ علمای هندوستان، مجتهد زمانه، محدث یگانه، مسیحای وقت، مخدومی و اوستادی، جناب حکیم آغا محمد باقر صاحب قبله، عمرالله دوبه، نسبت تلمذی داشت، و بنده و او مدتی همدرس بوده ایم۔ و آخر باعانت و سفارش خان رفیع الشان، مرزا فخرالدین احمد خان بهادر، مغفور و مرحوم (۱)، در سرکار فیض مدار کمپنیء انگریز بهادر، بصیغهٔ شاعری و اردودانی نوکر شده، مدتی در کلکته مانده، آخر همانجا باجل طبیعی در گذشت۔ و تاریخش اینست۔ تاریخ:

از جهان رفت میر شیر علی
کرد هر پیر و هر جوان افسوس
بود افسوس چون تخلص او

(بقیه) صاحب گلشن سخن (۱۲ ب) می گوید « افسوس، اسمش میر شیر علی خلف مظفر علی خان، که داروغهٔ توپخانهٔ نواب عالیجاه بود۔ اصلش از نارنول است۔ بالفعل از هم صحبتیء میر حیدر علی حیران و میرحسن، مشق سخن بمرتبهٔ رسانیده که پسندیدهٔ نکته سنجانست۔ »

باتفاق اکثر اهل تذکره، افسوس در ۱۲۲۴ھ (۱۸۰۹ع) بمقام کلکته وفات یافته است۔ اما بیل در کتاب خودش، که تذکرهٔ مشاهیر اهل شرق است بزبان انگلیسی، و در تتبع او در ماموس، که ترجمهٔ کتاب اوست، رحلتش را در ۱۸۰۶ع (۱۲۲۱ھ) نشان داده۔ و در روز روشن گفته که « در اوایل مأیهٔ ثالث عشر رحلتش ازین دار ناپایدار است۔ » و این قول مشعر برعدم اطلاع مولف است۔ و در بیاض هر دو تاریخ بدون ترجیح مذکور است۔

(۱) در اصل مسوده « دام اقباله » بوده۔ غالبا وقت تبییض کتاب این فقره قلمرد شده، اما کاتب نسخهٔ رامپور این جملهٔ خط کشیده را هم نقل کرده است۔

همه کردند شاعران افسوس

گفتم از روی درد تاریخی

«رفت افسوس زین جهان، افسوس!»

(۱۲۲۴ه) این چند شعر از کلام اوست:

کیا تو نے لکھا تھا؟ جو ترے خط کے تئیں دیکھ

آنسو لگے افسوس کی آنکھوں سے ٹپکنے

اوس کی صورت کے تئیں یاد دلا دیتا ہے

ہنستے ہنستے مجھے یہ گل تو رلا دیتا ہے

(۲۱۴ب) آنکھوں کے اشاروں سے غیروں کو بلاتا ہے

میاں، جھوٹھی لکھا قسمیں(۱) تو کسکو ڈراتا ہے؟

کچھ بات ہمسے کر نہیں سکتے، ہزار حیف!

مدت میں تم ملے بھی، تو غیروں کے گھر ملے

منہ تو دیکھلا دے ذرا، گو نہ ملاقات کرے

ہمکو سو وصل ہیں، جو ہنس کے وہ اک بات کرے

دیکھتے ہی اوسے، حاضر ہوے مر جانے کو

وے ہی اشخاص، جو یہاں آتے ہیں سمجھانے کو

کس درجہ بیکلی ہوئی، جاتے ہی یار کے

کیا کیا گھمنڈ تھے ہمیں صبر و قرار کے؟

سیوم از طبقهٔ ثالث، ناظم ماهر فن، کامل شیرین سخن، فاضل عالی تقریر، شاعر رنگین تحریر، غواص بحر فصاحت، صاحب «دریای لطافت»، ظریف بی همتا، حکیم انشاء الله خان انشا (۲) بوده

(۱) اصل: «قسمتی».
(۲) حسن ۱۴ الف، گلز ۱۰ الف، لطف: ۳۵، تذکره: ۹ ب، ثمر: ۱، ۸۰، (باقی)

است، که در نکته فهمی و بذله سنجی یگانهٔ روزگار، و نظرافت

(بقیه) شیفته : ۲۸ ب ؛ گلدسته : ۱۷۰ : طبقات ۲۰۱ ، سراپا : ۱۳۳ ، حدولیه . ۱۴۱ ، نسیم ۲۷۰ ، سحر ۵۲ ، شمع . ۶۹ ، آب حیات : ۲۴۵ ، ۲۵۹ ، ۲۷۱ ، ۳۱۷ ، طور : ۹۶ ، گل ۲۸۳ ؛ خمخانه ۱ ، ۴۶۷ ؛ انتخاب : ۳۱ ؛ سیرالمصنفین ۱ ، ۸۷ ، قاموس ۱۰ ، ۱۱۱ ، عسکری : ۲۰۹ ، جواهر : ۲ ، ۵۴۵ ؛ تذکرهٔ ریختی : ۲ ، باص : ۳۸ ؛ اشپرنگر : ۲۴۰ ، بلوم هارٹ : ۴۵ ،

میر علاءالدوله ، در تذکرة الشعرا (۳۶۲ الف حاشیه) می فرماید « میرماشاء الله، درطبابت دستگاه وافی (دارند) و طالب علم منقح و خوش طبیعت اند ، و نوکر معتبر نواب شجاع الدوله وزیرالممالك بهادر هستند. پسر ایشان ، که جوان وجیه بدل نزدیك تراست ، با مولف تذکره فقیر اشرف علی خان آشنا ست . »

شوق رامپوری، در تکملة الشعرا (۴۱ الف) گفته « میرانشاء الله خان ، انشا تخلص ، پسر حکیم ماشاءالله‌خان ، متوطن شاهجهان‌آباد ، اکنون در بلدهٔ لکهنئو اقامت دارد ، و کوس سخنوری می نوازد . جوانی ست قابل، صاحب استعداد کامل . در فنون عربی و فارسی و هندی مهارتی تمام دارد . خوش تقریر بمرتبه ایست که در تحریر نمی‌آید . آزاد مشرب ، آزرد مذهب ، وارسته ، بطور آزادان با صفای چهار ابرو می ماند . در ریخته گوئی ، بطوری که دارد ، عدیل و نظیر خود ندارد . دیوانش از بسکه متداول ست ، احتیاج تحریر نیست . گاهی اشعار فارسی هم می گوید . »

مبتلا ، در گلشن سخن (۱۰ ب) نوشته: « انشا ، نامش میر انشاء الله ولد حکیم میر ماشاءالله مصدر تخلص است راقم حروف وی را در صغرسن هنگام دولت نواب میر محمد جعفر خان بهادر دیده بود و با ولد ایشان آشنا بود . درین ولا مسموع شده که مرد مستعد و بحلیهٔ خوبیها مزین است . گاهی شعری می گفت » .

و شیخ احمد علی ، در مخزن الغرایب (۶۰ ب) می گوید سید انشاء الله خان ، انشا تخلص ، مهین خلف مخبر الدوله، سرآمد اطبای زمان ، میر ماشاء الله ، جعفری النسب نجفی الموطن ست . جدش شاه نور الله نجفی در هندوستان متولد گشته ، و میر ماشاء الله بخلاف پدر بزرگوار صعیبا در تلاش دنیا نموده . در بنگاله علاجهای نمایان ازو بظهور رسیده ، و اکثر در میدان کارزار بیش از دیگران داد شجاعت داده . تمام بدنش جراحتگاه بود . در عالم تنزل ، که عهد نواب قاسم علی خان بود ، پیش نواب وزیرالممالك ، نواب شجاع الدوله مرحوم آمد آن روزها با وصف بربادیٔ اسباب ، نورده فیل همراه داشت . سخاوتش بدرجهٔ بود که در حسب او نام حاتم ذکر کردن باعث خجالت ست و بذات خود مرغ پلاؤ و نان جو را مساوی می داست ، و همیشه بر زمین می خوابید ، و شب زنده دار بود . آخرها چون زمانه را بکام ناکسان دید ، کمر را وا کرده، در فرخ‌آباد منزوی شد . نواب مظفر جنگ چیزی بقدر ضرورت تواضع می‌کرد . چند سال است که در همان شهر بجوار رحمت ایزدی پیوست ، و مزارش نیز همان جاست . (باقی)

و لطیفه گوئی رنگین‌تر از باغ و بهار. دیوان ضخیمش که مرتب

(بقیه) آمدم بر احوال سید انشا الله خان. موصوف در صغرسن کتب صرف و نحو و منطق وحکمت تا «صدرا» خوانده. چون بشانزده سال رسید، بحضور نواب وزیرالممالک شجاع الدوله داخل جلسا شد. دران وقت دیوان هندی بطور خود و بطرز نوی بی استاد ردیف وار تمام نموده بود، و پاره‌ای از اشعار فارسی و عربی هم برا وراق ثبت داشت. چون صورت مطبوع و تقریر دلچسپ یافته بود، و در تمام دربار احدی بحسن تکلم او نمی رسید، مورد عنایات بندگان عالی و محسود اهل دربار شد. بعد چندی که نواب وزیر موصوف قضا کرد، و دربار آصف‌الدوله مجلس اراذل شد، خان مزبور چندی بلشکر نواب ذوالفقار الدوله میرزا نجف خان مرحوم، و مدتی در بوندیل کهند، و بعد چند روز باز همپای پدر بدهلی رفته، با محمد بیگ خان همدانی معرز می بود و چند بار خود را برروی توپ و تفنگ و تیر و تبر زد، لیکن چون حیات مستعار باقی بود، سلامت برگشت. و در «حی نگر» بر سر حرفی با میرزا اسمعیل بیگ خان برادر زاده‌ی محمد بیگ همدانی در افتاد، و کتار کشیده بطرفش دوید. هرچه بزبان آمد گفت و دعا مصالحه نکرد. خان و حرمت اورا حدش نگهبان شد، والا در کشته شدن او جای تامل نبود. الجمله ازان طرفها باز بلکهنئو آمده، مدتها از مخصوصان حضور اقدس مرشد زاده‌ی آفاق، صاحب عالم و عالمیان، میرزا سلیمان شکوه بهادر بود. از انکه پر ازك مزاج ست، ازانجا هم دمع شده برخاست، و رفاقت الماس علیخان بهادر گزید. بعد چند روز نواب وزیرالممالک هندوستان یمین الدوله، میرزا سعادت علیخان بهادر مبارز جنگ، دام اقباله، اورا در سلك مقربان خودش سرفراز فرمود. هر دو وقت شریك طعام با آنجناب می باشد.

بنده یاری در خدمتش دارم. او نیز شفقت بحال من از وقت ملاقات تا امروز مبذول دارد. در عالم آشنا پرستی بی نظیر زمانه و در شعر هندی موجد طرز تازه و یگانه است. آدمی که در صحبت او می رود، غمهای زمانه فراموش میکند. نقلهای عجیب و قصه های غریب یاد دارد، و از پیش طبعت خود نیز می تراشد. لطایف او اگر شمار کرده آید، کتابی جداگانه مرتب می توان کرد. با اینهمه شجاعت و جلادت که در عرصه‌ی رزم ازو مذکور گشته، در بزم خود را کمتر از یك طفل نامرد حساب میکند. برای هرکس بوالبی برمی آرد. اگر گاهی بخاطرش میگذرد، با آدم ناچیز راهرو بیگانه صورت ظرافت سری دهد. در یصورت اگر طرف ثانی سکوت کرد، خیر و اگر شروع بدشنام نمود، می خندد، و اورا برسر غصب می آرد. با آدم کم مرتبه این معامله دارد، و هفت هزاری را نمی گزارد که خلاف طبعش حرف زند. نواب میرزا قاسم علی خان، پسر نواب سالارجنگ را، برسر شعری روبروی جناب عالی ذلیل کرد. و اشعار در چهار زبان می گوید: فارسی و ترکی و عربی و هندی. عبارات بی نقط در عربی مشتمل بر مطالب مقرری چار چار ورق می نویسد، و تفسیر چند سوره بهمین زبان غیر منقوط نوشته بود. از شعرای معاصرین با احدی سرفرو نمی آرد. و کسی که او زبانه از (باقی)

ساخته بود، بهمه اقسام سخن مملو است. ریختی هم بسیار گفته. گوید

(بقیه) خود می داند، و در تحقیق لفظ و ترکیب عبارات و حسن و قبح کلام خود از و مضایقه می کند، و میانهٔ آشنایان خود نیز اورا سرآمد آشنایان می شمارد، فخر الشعرا میر محمد حسن قتیل است. چند سال پیش ازین مصحفیء ریخته گو را آنقدر رسوای کوچه و بازار کرد، که اگر غیرت میداشت، خودرا میکشت. همین بر خر سوار کردن باقی مانده بود. دگر هیچ ذلتی نبود که نصیب آن بیچاره نشد. شرحش طول دارد. الحاصل عجب کسی است. خدایش سلامت دارد!»

عاشقی، در نشتر عشق (۵۵۰ الف) بذیل قتیل نوشته: «روزی سعادت یار خان رنگین .. هنگام معاودت از لکهنئو برای دیدن راقم تشریف آورد. و عبدالا دکار میرزای موصوف (قتیل) قسمیه بیان می فرمود که نوبتی انشاء الله خان مرحوم، که از یاران میرزای موصوف بود، و با خودها مزاح و خوش طبعی هم می شد، در دوسه روز بعوض و تامل بسیار دوسه فقرهء بی نقط تلاش نموده، رقعهٔ میرزا قتیل نوشت. صبح آن چون با خودها ملاقات گردید، آن مرحوم از راه اختلاط با میرزا گفت که «دیدی چه قسم رقعهٔ نوشتم، و چه فقره های معنی یاب بی نقط بهم رسانیدم؟ حالا مقدور تو نیست که در جواب آن دم زنی و ناسخ آن بر نگاری». ایشان فی الفور قلم برداشتند و تفسیر بی نقط سوره های قرآنی، که آن معمور ازبر بود و می خواندند، در عرصهٔ یک نیم پاس بنهایت روانی و سلاست بهتر از عبارت سواطع الالهام بضبط تحریر در آوردند».

مولوی عبدالقادر خیف رامپوری، در روزنامچهٔ خود (۳۹ب) سلسلهٔ سفر لکهنئو، که در آخر عهد نواب سعادت علی خان بهادر (۱۲۲۹ھ) رو داده، می گوید: «(حکیم میرزا علی صاحب) پاره‌ء از آنچه بدل وی گزشت، درباره‌ء بنده به میر انشاء الله خان صاحب گفتند. حکیم و خان صاحب و میر عبدالعلی، هرسه بزرگوار بدیدن بنده آمدند و نوازش فرمودند. روز دیگر بخدمت خان صاحب مستفید شدم. اگرچه وی بشعر وشاعری مشهور است، لیکن بدانست من فن هم نشیبی شدن بجائی رسانیده بود که یکتای زمانه اش درین کار اورا توان گفت. بزبان اردو و فارسی و عربی و بنگله و پوربی و مرهٹی و کشمیری و ترکی و افغانی بلهجهٔ آن قوم سخن گفتی و نثر فارسی روان و بی تکلف خوب نوشتی. تیراندازی و شمشیر بازی و سواریء اسب نیکو می دانست. بوکالت آنچه باید همه داشت. میان رندان پیر مغان، و در حلقهٔ مشایخان شیخ صنعان بود.»

مهجور، در مدایح الشعرا (۸ ب) تحریر کرده «اسم شریفش انشاء الله خان بهادر، ولد حکیم میر ماشاء الله خان مصدر تخلص، از زیور ظواهر و بواطن آراسته، و بجواهر زواهر علم و هنر پیراسته. نواب سعادت علی خان بهادر .. ..». (باقی)

که از فارسی و عربی و ترکی و هندی بجمیع زبانها قادر و در همهٔ آنها شعر خوب خوب دارد. راقم شرف صحبت او نرسیده، الا کلام هندیش بسیار شنیده و حظ ازان برداشته. بی اختیار دل محو کلام فصاحت انجام اوست، و جان مهجور غایبانه مالوف نام نیکو فرجام او. عمرش تخمینا ازشصت سال متجاوز بود. بحاشیه بوسیء مسند قرب و مصاحبت نواب مستطاب، گردون رکاب، معلی القاب نواب وزیرالممالک، یمین الدوله، ناظم الملک، سعادت علی خان بهادر، (۱۲۱۵ هـ) مغفور مرحوم، سرف امتیاز د اشت. و جناب ممدوح هم از معزی الیه بسیار محظوظ ماند. فضایل و محامد آن عدیم‌المثال از فضیلت و حکمت و ظرافت وغیره بسیار اند، که زبان قلم از بیانش قاصراست. آخر، آخر، مجنون شده، چند سال گزشته بودند که بهمان مرض در گزشت جداش بیامرزد! این شعر ازوست:

گالی سهی، ادا سهی، چین جبین سهی
سب کچهه سهی، پر ایك نهین کی نهین سهی

(بقیه) میرزا علی‌الله در تاریخ فرح آباد (۱۴۲ ب) می گوید « میرانشاء الله خان، ولد ارشد حکیم ماشاء الله خان، دو سه بار وارد بلدهء فرح آباد شد. بچند زبان شعر می گفت: عربی، فارسی، ترکی، هندی، پنجابی، بنگالی، پشتو و جز آن. وقت جلوس نواب سعادت علی خان بر مسند وزارت سی و چهار زبان قصیده گفته.»

با تفاق اکثر اهل تذکره، انشا در سال ۱۲۳۳ه (۱۸۱۸ع) وفات یافته است. اما ملوم هارث، بنابر مادهء بیت سگهه نشاط که «عربی وقت بود انشا» می باشد، رحلتش را در ۱۲۳۰ه (۱۸۱۵ع) نشان میدهد و همین سال در طبقات و انتخاب اختیار کرده شده است. اما این قول مبنی بر غلط فهمی است و فی الحقیقة نشاط این تاریخ را تعمیه گفته بود؛ چنانچه مصرع اول این بیت « سال تاریخ او ز جان اجل » بر این دال است که اعداد « ج » را ، که جان اجل است، اخراد باید کرد.

کتاب خانهٔ عالیهٔ رامپور دو نسخهای خطیهٔ کلیاتش را دارا ست یکی ازینها بتاریخ ۱۱ ذیقعده سنه ۱۲۴۱ه بر دست امرسنگهه اتمام یافته است.

تمیم کاکل پیچاں سے میں جو اونگھ گیا
تو ہنس کے کہنے لگے: «اسکو سانپ سونگھ گیا»

یاس و امید و شادی و غم نے دھوم اوٹھائی سینے میں
آج مچی ہے خوب دھمادھم مار کٹائی سینے میں
حسرت دل تو کب کے سدھارے، خوب جو ڈھونڈھا اشانے
ایک دھواں سا آہ کا اوٹھا، خاک نہ پائی سینے میں

چهارم از طبقهٔ ثالث، بلبل خوش صدا، طوطیء رنگین ادا، خوش فکر خان نوا، (۱) شاگرد بقاء الله خان بقاست۔ مولدش بداؤن، و خود در

---

(۱) طبقات: ۴۰، گلزر ۲۲ ب، لطف ۵۸، عمر ۲، ۹ ۲ ۲، شیفته: ۱۹۸ ب، جدولیه: ۱۴۴، تسنیم ۳۰، سخن: ۵۳۳، صبح ۵۳۹، آبحیات ۲۴۳، قاموس ۲، ۲۶۶، اشپرنگر ۲۷۰

شوق رامپوری، در تکملة الشعرا (۳۲۷ الف) می گوید «شیخ ظهور الله والد فضیلت و کمالات دستگاه، مولوی دلیل الله بدایونی که جامع علوم عقلی و نقلی بود، جوانیست قابل، خوش اخلاق، و در فنون سخنوری نهایت رسا و حاذق، متلاشیء مضامین نو و رنگین، متخلص به نوا، از شاگردان بقاء الله خان بقا از طرف شاهزادهء صاحبعالم جوان بخت، بخطاب خوش‌فکر خان عزت امتیاز دارد۔ شعر هندی و فارسی هر دو خوب می گوید۔ در ریخته گوئی قدم پهلو به پهلوی استاد خود میزند، خصوصا در قصیده گوئی یکتای زمان و یگانهٔ دوراست۔ دیوان هندی با تمام رسانیده۔ از چندی مشق اشعار فارسی می کند۔»

میر ولی الله فرخ‌آبادی، در تاریخ فرخ‌آباد (۱۶۷ ب) می نویسد: «ظهور الله متخلص به نوا، مولدش بلدهء بدایون است۔ احد عالم در ایام امامت بلدهء لکهنئو از علمای آنجا فرموده، و با شعرای آنجا مطارحات سنگین نموده، عالک ایران رسیده، در حضور فتح علی شاه فخر بار یافته، مخاطب به «سعدیء هند» گشت۔ وقت رجوع ازان دیار، وارد فرخ‌آباد گردیده۔ در هر نوع شعر فارسی از غزل و مثنوی و بزم و رزم خوب می گوید۔»

حکیم وحید الله، در مختصر سیر هندوستان (ص۹۳) می فرماید: «نوا تخلص، ظهور الله خان نام، ابن مولوی دلیل الله الصدیقی المحمدی، از روسای بدایون و بزرگان همجدیء جامع اوراق هذا ست۔ تعریف علوم و ثقاهت و وضعداری، و توصیف علوی همت و مروت و شاعری آن صاحب فضل و کرم، اگر بهزار زبان کرده (باقی)

لکهنئو نشو و نما یافته. ایشهم، مثل اوستاد خود، شاعر قصیده گوست. تاوقتیکه در لکهنئو بود، با جرأت و تنها گردانش نزاع کلی داشته. اکثر در کلام خود کنایه باو می‌نمود. و یك مرتبه در مشاعرهٔ مولوی مجیب‌الله، و یکبار در مشاعرهٔ سید مهرالله خان غیور، که مقابلهٔ او ظاهرا با تحمل مرثیه گو و میرزا علی لطف و میرزا مغل سبقت و به باطن با جرأت شده بود، برهمه ها غالب آمده شکست فاش داده، و هجوهای رکیك بر روی هریك در مجمع کثیر (۲۱۵ ب) خوانده، حتی همه بزرگواران دشمن او شده، خواستند که اورا بجان بکشند. مشار الیه نیز ازین معنی خبر یافته، با وجود تنهائی مطلق پروا نمیکرد، و مستعد جنگ بزبان سنان و تیغ زبان هردو بود. بالآخر محمد عاشق تصور واسطه گردیده، با میرزا مغل سبقت و او سبب ملاقات شد، و بظاهر نزاع موقوف ماند عرصه‌که زبان گردیده دارد. باراقم نهایت دوست

(بقیه) آید، اند کی از بسیار و یکی از هزار است. در ابتدا از پیشگاه شاهزادهٔ میرزا جوان بخت، خطاب خانی یافته، ملقب به جرش ونکرخان گردیده اند و در عهد نواب آصف الدوله بهادر به بلدهٔ لکهنئو عزت و امتیاز اوقات شریف بسر فرمودند. بعد ازان جهت حج بیت‌الله و زیارت عتبات عالیات رفتند، و معاودت نموده در ولایت ایران بحضور بادشاه جمجاه فتح علی شاه، ثروت و حشم تمام و تعزز و اکرام یافته اند، و از آنجا معاودت کرده، بمقام حیدرآباد بخدمت صدر جنگ نواب ولادجنگ ابن نواب نظام علیخان بهادر، والیء حیدرآباد، بتوسل راجه چندولال قیام کردند، و در هر مقام قصاید عمده در تعریف و توصیف والیان آن ولایت تصنیف فرمودند. آخرش در دکن در سنه ۱۲۴۰ه (۱۸۲۴ع) لبیك اجابت داعیء حق گفتند. تاریخ وفاتش از نتایج افکار جامع الاوراق اینست. قطعه:

طهور الله خان، آن سعدیء هند بوده مثل او در دهر شاعر
چو در جنت رسیده، گفت رضوان "بوا وجز دکن بود رایر"

از همین سال وفات در آبحیات یاد کرده است و در قاموس گفته که در ۱۲۴۱ه وفات یافت. و در لطف ۶ ۱۲ه تقریبا (۹۱ے۱ع)، و در تتمیم: ۱۱۴۶ه (۲۳ے۱ع) یافته میشود. نزد بنده عرشی تاریخ لطف مشعر بر عدم اطلاع مؤلف است، و در تاریخ تتمیم تصحیف کاتب بنظر می آید.

بوده۔ از چند سال مفقود الخبر است۔ بعضی گویند که عزم زیارت عتبات عالیات نموده، از راه ایران رفته، با قهرمان آنجا ملازمت (۱) حاصل کرده، یکی از مقربان درگاه شد۔ و بعضی گویند که از انجا هم رخصت شده، بزیارت رفت۔ هرجا که باشد، خدا او را بعزت تمام نگاهدارد! این شعر از کلام فصاحت بیان اوست:

ڈھلی ھیں دونوں یہ تصویریں ایك سانچے میں
بتوں کی سنگدلی، میری سخت جانی کی

اب اشك تو کہاں؟ کہ جو چاھوں ٹپك پڑے
آنکھوں سے وقت گریہ، مگر، خون ٹپك پڑے
یہاں تك ھے جوش اشك کہ آنکھوں سے مجھہ بغیر
یك قطرہ آب چاھوں، تو جیحوں ٹپك پڑے

خط آیا یکطرف، اب چاھیے پیغامبر ثانی
کہ جا کر، دے مری جانب سے یہ پیغام قاصد کو
«ارے، توخط کو یہاں آیا تھا یا صورت پرستی کو؟
چل اپنے کام لگ، اس کام سے کیا کام قاصد کو»؟
ہوا، قاصد کو اپنے پروہ مفتوں آپ کرتے ھیں
جو آپھی خوب ھیں، کیا دیجیے الزام قاصد کو

(۲۱۶ الف) پنجم از طبقۂ ثالث، کنور جسونت سنگھہ پروانہ تخلص(۲)، پسر راجہ بینی بہادر است۔ شاعر خوش تقریر، فکرش بسیار

---

(۱) اصل «ملادمت»

(۲) گلزار: ۲۵ الف، عقد: ۲۰ الف، تذکرہ ۱۶ ب، بحر ۱، ۱۰۳، شیفتہ: ۳۱ الف، طبقات ۲۴۷، تسنیم ۱۰۴، سخن ۸۰، روز ۱۲۰، خمخانہ: ۲، ۶، قاموس ۱۰، ۱۵۱، اشپرنگر ۲۷۶۔ (باقی)

رسا، قصیده و غزل هردو بتلاش تمام گفته، صاحب دیوان است. پیشتر فارسی میگفت باز بریخته راغب گردیده، درین فن هم یکی از نامداران عصر شد. دریبعرصه «حملهٔ حیدریء» هندی نظم میکند. روزی دو داستان ازان پیش راقم هم خوانده. حق اینست که کمال خوب گفته، و نهایت داد شاعری داده، تلاش بسیار نموده، معنیء بیگانه بی شمار پیدا کرده. از شعرای حال کسی همترازوی وهم قوت او نیست. این چند شعر ازوست:

کروں جو وصف صنم، طاقت بیان نہیں
زباں کے چشم نہیں، چشم کے زبان نہیں

دیکھتے ہی اوس کو، چہرے پر بحالی آ گئی
زعفرانی رنگ جو تھا، اوس میں لالی آ گئی

کہا تیغ نگہ جب ترے گھایل کو غش آیا
گویا که (۱) دم نزع میں بسمل کو غش آیا

کیا کیجیے ہمدم، که اوسے دیکھ کے ہم تو
ہر چند سنبھالے رہے، پر دل کو غش آیا

کرتے تو کیا قتل، په خوں بہتے جو دیکھا
ٹھہرا نگیا سامنے، قاتل کو غش آیا

(بقیه) در گلشن سحن (۱۴ الف) گفته: «پروانه، اسمش راحه جسونت سنگهه ابن راحه بینی بهادر (شاگرد) لاله سرب سکهه راے دیوانه تخلص است در لکهنو می گرداند. کلامش شورش دارد»

بنابر تصریح شمیم و سحن، در ۱۲۲۸ه (۱۸۱۳ع) پروانه را مرگ در گرفت. وهمین سال از «پروانه مرد، شمع هم وای مرد» که گفتهٔ ناسخ است (کلیات، ۳۹۵ مطع مولائی، لکهنو) مستفاد می شود. اما در خمخانه نوشته شده که پروانه در ۱۸۵۱ع انتقال کرد. نزد بنده این قول از صحت دور است

(۱) اصل: «گو یاوه». و تصحیح از نعز

ششم از طبقهٔ ثالث، سید عالی نسب، جامع علم و ادب، شاعر متین، میر سعادت علی تسکین (۱) است، که تقریر فصاحت آئینش، از مدت (بعید) زیب گوش اهل سخن، و تحریر بلاغت آگینش، از عرصهٔ مدید، دهن نسبن هرںو وکهن. بظاهر در تلمیذی از مت ممون (۲۱۶ ب) و باطن از بدو فطرت مستعد و موزون. با وصف قدرت کمال، و صفای مقال، و تلاش معنیء بیگانه، که کم کسی را این مسرات دست میدهد، گاهی زبان صدق بیان را، مثل دیگران، بدعوی خود ستائی نکشوده، و در میدان هجا، تیغ لسان را بخون هیچ هم پیشهٔ هرگز نیالوده. از مدت مدید مشق ریخته دارد، بلکه از عرصهٔ بعید کلامش بپایهٔ پختگی و اوستادی رسیده. دواز مسودههایش زیاده بر از دو دیوان افتاده باشند. بسبب کم دماغی متوجه ترتیب نمیشود. هر چند همه دوستان و آشنایان تکلیف همیشه میدهند. شاید در ین عرصه دیوان ترتیب داده باشند. چه از یکسال مرا بآن دوست صادق ملاقات نشده است. این چند شعر از کلام اوست:

حال دل کهیے، تو همسے وه صنم رکتا هے
اور جو چپ رهیے، تو مشکل هےکه دم رکتا هے

کس کا کوچه هے یه، یارب، نهیں معلوم همیں
خود بخود یهاں کے پهنچتے هی قدم رکتا هے

کیا جاے هے صفائی بهلا هم میں یار میں!
خط بهی لکها جو اوسے، تو خط غبار میں

(۱) تذکره: ۱۹ ب، ریاض: ۱۴ ب، بعر ۱، ۱۳۹، شیفته ۴۹ ب، طبقات: ۳۶۱؛ سراپا: ۳۰۵، خمخانه ۲، ۵۷؛ اشپرنگر: ۲۹۸.
بر طبق طبقات و خمخانه، تسکین تا سنه ۱۸۴۸ع (۱۲۶۵ھ) بقید حیات بود.

عش نے همارے عشق کو اظهار کر دیا
بهوش کیا هوے، اوسے هوشیار کر دیا
صلح کرتے هوے، وه بر سر جنگ آهی گیا
عشق کا نام هی بد هے، اوسے ننگ آهی گیا
خاك کا ڈهیر هوا، باتوں هی باتوں جل کر
شمع کی گرم رسائی میں پتنگ آهی گیا
کوه الفت کا اوٹهانا نهیں سهل، اے تسکین
هاتهه فرهاد کا آخر ته سنگ آهی گیا

(۲۱۷ الف) هفتم از طبقهٔ ثالث، موزون رنگین تحریر، شاعر دلاور تقریر، شاه نصیر، متخلص به نصیر (۱) است، که حالا در

(۱) تذکره ۸۶ ب ؛ ریاض ۵۲ ب ؛ بحر ۲ ؛ ۲۷۲ ؛ شیفته ۱۹۵ ب ؛ طبقات ۲۱۸ آثار باب ۴ ؛ ۲۱۴ ؛ سراپا ۱۱۴ ؛ خدوایه : ۱۴۱ ؛ گلستان : ۴۵۹ ؛ تسمیم ۴۰ ؛ سخن ۵۲۲ ؛ صبح ۵۲۳ ؛ انتخاب ۲ ، ۴ ؛ طور ۱۱۶ ؛ حریه ۲۰۴ ؛ محبوب ۲ ، ۶۶-۱۰۶ ؛ گل ۲۷۲ ؛ قاموس : ۲ ، ۲۵۹ ؛ جواهر ۲ ، ۶۶۷ ؛ خاص ۸۲ ؛ اشپرنگر . ۲۶۹ .

از طبقات بوضوح می پیوندد که شاه نصیر ، چهار یا پنج سال قبل از تصنیف این تذکره ، که در ۱۸۴۷ع باختتام رسیده ، ازین جهان نا پایدار انتقال کرده بود . و بنابر این قول ، اشپرنگر رحلتش را در ۱۸۴۳ع (۱۲۵۹ھ) ذکر کرده است . اما تذکره های دیگر فوتش را در ۱۲۵۴ھ (۱۸۳۸ع) معرفی می کنند . در کتابخانهٔ عالیهٔ رامپور یك نسخهٔ خطیه از کلیات نصیر محفوظست ، که بنابر « گل رعنا » بردست میر عبدالرحمن بن میر حسن تسکین ترتیب یافته بود . و در آخر این نسخه یك قطعهٔ تاریخیه بزبان فارسی مندرج است ، که درو مادهء تاریخ « چراغ گل » می باشد ، و ازو ۱۲۵۴ بر می آید .

در خصوص سفر شاه نصیر بطرف لکهنئو ، مولوی عبدالقادر چیف رامپوری در روزنامچهٔ خود (۶۹ الف) می نویسد : « و همدران شهر (دهلی) شعرا بسیار اند . بلکه آغاز شعر ریخته بزبان اردو ازینجا است . اکنون نامور درین کار نصیرالدین نصیر است . و این مطلع وی (باقی)

شاهجهان آباد بر مسند سخن جا دارد. گویند که درین فن سبب قوت طبیعت و مقبول شدن کلام در حضرت سلطانی، دام شرفه، کسی را بخاطر نمی آرد و دعویء ملك الشعرائی دارد. صاحب دیواست و بدیهه گو. شهرت اوستادیش تمام شهر را فرا گرفته. راقم او را ندیده، و نه کلامش سنیده، الاهمین یك شعر که نوشته می شود. و احوال آن آنچه مسموع شده بقلم آمده است. دروغ بگردن راویان. و طرفه (۱) تر است که آگاهیء فن و علم هیچ ندارد، و دماغ بر آسمان. گویند که در سال گذشته بنابر تلاش پسر خودش، که گریخته بود، بلکهنئو آمده، در مشاعره های میرزا قمر الدین احمد خان بهادر حاضر می شد، و شعر خوانی میکرد. اشعار قدیم، که خوانده، خوب بودند، و غزلهای طرحی، که میگفت، هرگز آن پایه نداشتند، و کسی پسند نکرد. و الله عالم. و شعری که راقم را یاداست، این بیت:

چرائی چادر مهتاب شب میکش نے جیحون پر
کٹورا صبح دوڑانے لگا خورشید گردوں پر

هستم از طبقهٔ ثالث، شاعر شیرین کلام، میان نور الاسلام بوده

(بقیه) پشت اب پر هے ترے یه خط ریحان کسا؟
منه تو دیکھو، لکھے یاقوت رقم خان ایسا؟

عالمگیر است»

بار سلسلهٔ شعر خود بطرف لکھنو، که در ۱۲۲۹ھ (۱۸۱۳ع) رو داده، می گوید «روزی در محفل مشاعره، که دران ایام بخانهٔ میرزا جعفر می بود، رفتم میرزا محمد حسن قتیل و مصحفی و میر نصیر دهلوی دران زمره سرکرده شمار می آمدند. و شیخ امام بخش ناسخ را دران ایام روز افزونی درین کار بود.» (۴۰ الف)

(۱) اصل: «ترفه»

است منتظر (۱) تخلص داشت جوانی وارسته مزاج، شوریده سر، عاشق پیشه، سر حلقهٔ تلامذهٔ مصحفی بوده. آخر آخر، قوت شاعری بسیار بهمرسانیده، تقریرش نهایت دردناك و با مزه گردیده. سوای میر، علیه الرحمه، و اوستاد خود، کسی را در ین فن بخاطر نمی آورد. بلکه بسبب مخاصمت (۲۱۰ ب) اوستاد، هجو میان جرأت و انشاء الله خان علانیه کرده، روبروی هریك میخواند. در عین جوانی و خوش شاعری از دنیا با مراد رفت. این چند شعر از وست:

چاهت مرے دل کی آزما دیکھ

ظالم، کہیں تو بھی دل لگا دیکھ

خلق دیکھے ہے مہ عید تمام، آج کی رات

تو بھی، اے ماہ، جھلك دا لب بام، آج کی رات

کل شب وصل کو پھر دیکھیے یارب کیا ہو؟

ہو گئی باتوں ہی باتوں میں تمام، آج کی رات

اك ذرا بے ادبی ہوتی ہے، تقصیر معاف (۲)!

پائینتی گر رہے، کہیے تو، غلام آج کی رات

منتظر، ہے نہ شب هجر که ایك روز سیاه؟

---

(۱) تذکره ۸۷ الف، ریاض ۲ الف، نغز: ۲، ۲۱٦، شیفته ۱٦۱ ب، طبقات: ۲۰۹، سراپا ۸۸، ۱٦۵، ۱۸۳، شمیم ۲۴۲، سخن ۵۵۰، طور ۹٦، اشپرنگر ۲٦۳.

از طبقات معلوم می شود که منتظر در ۱۷۹۳ع (۱۲۰۸ھ) بیست و پنج ساله بود، لهذا سال تولد وی بحسب تخمین ۱۷٦۸ع (۱۱۸۲ھ) می باشد. و تا ۱۲۰۹ھ (۱۷۹۴ع) که سال اختتام تذکرهٔ مصحفی است، بقید حیات بوده، اما قبل از ۱۲۲۱ھ (۱۸۰٦ع) که درو ریاض با تمام رسیده، ازین جهان رحلت کرد. چنانچه در دیباچهٔ ریاض باصطلاح اموات از و ذکر رفته است.

(۲) نغز: « ایك یه عرض ہے، صاحب، مری تقصیر معاف. »

نه تو شیشه هے، نه ساقی هے، نه جام آج کی رات

آرزو میں سجدے کی سر دے دے مارا، منتظر
سر پہ کیا آفت یہ لی، وہ آستانہ (۱) چھوڑ کر؟

تم پیار کرو گریہ، صنم، اور کسی کو
سوگند لو، پھر چاهیں جو هم اور کسی کو
اغیار تو سب جھوٹھے هیں، کب تمکو کہا کچھہ؟
پوچھو تو، ذرا دیکھے قسم اور کسی کو
میں نے جو کہا: « گھر مرے چاہیے کوئی دم آپ »
تو هنس کے کہا: « دیجیے یہ دم اور کسی کو »

هرگز نہوا طے یہ بیابان محبت
درپیش رها مجھکو نیا مرحله، هر روز

یہ سر نوشت میں تھا، جاے راہ میں مارا
وهاں سے خط کا جو قاصد جواب لیکے چلے

یك سر مو نه یہ حال دل ابتر سمجھے
زلف سے تیری خدا، او بت کافر، سمجھے
مجھہ سے کہتا تھا وہ: « اك روز سمجھہ لوں گا میں »
حالت نزع میں هوں میں، ابھی آکر سمجھے

(۲۱۸ الف) دولت حسن هے جس پاس، یہ اوس سے هے سوال
« کچھہ نہ لے اور نہ دے، پر همیں نوکر سمجھے »

امید هے کہ مجھکو خدا آدمی کرے
پر آدمی کرے، تو بھلا آدمی کرے

---

(۱) اصل: « آستاں »

مارا ھے کوھکن نے سر اپنے پہ تیشہ، آہ!
دل کو لگی ھے چوٹ، تو کیا آدمی کرے؟

گررا میں اسی چاہ سے' تا چند' ھمسیں
بیٹھا کسی کے منہ کو تکا آدمی کرے

نہم از طبقۂ ثالث، رفعت (۱) کہ مرزا قاسم علی نام داشت۔ بزرگانش اهل خطۂ (کشمیر) (۲) بودند۔ خود در شاہجہان‌آباد تولد شدہ، بلکھنو و فیض‌آباد نشو و نما یافت۔ مشق سخن اول از میاں جرأت نمود آخر بحسرت، کہ اوستاد جرأت بود، رجوع آوردہ، ازو منحرف شد۔ مشق سخن بہ پختگی رسانیدہ، دیوان ترتیب داد۔ اما جز غزل دیگر کلامش بسیار کم است، بلکہ نیست۔ ایں چند شعر ازوست:

خط وہ بھیجے رقیب کا لکھا
یہ بھی اپنے نصیب کا لکھا!

جواں تم ھوئے، شام خدا، پہ رفعت تو
گھٹا کے دیکھے ھے اب تک بھی تیں چار برس

چھٹ جائے کسی سے نہ ملاقات کسی کی
اللہ بگاڑے نہ سی بات کسی کی!

دیوار گلرخاں کا سایہ مگر پڑا ھے
زاھد، بتا تو مجھکو، طوبے میں شاخ کیا ھے؟

دھم از طبقۂ ثالث، عصمت علی خان عصمت کہ نبیرۂ غلام حسین

(۱) طبقات ۳۰۰، تذکرہ: ۳۵ الف، نغز ۱: ۲۷۵، شیفتہ ۳۷ ب، طبقات ۳۳۱، سراپا: ۱۸۳، ۲۷۳، سخن ۱۸۹، خمخانہ: ۳: ۴۹۱، اشپرنگر: ۲۸۳۔

(۲) اصل ایں کلمہ را ندارد۔

حان کروره هست (۱)- اصل بزرگاش کهتری، از چند پشت بشرف اسلام مشرف شده- (۲۱۸ب) کلامش در برشتگی و لطافت و صفای بدش هم پهلوی منتطراست، و حود هم مثل سر حلقهٔ جمیع تلامذهٔ میان حرأت- ار تقریر آن طرر اوستاد سیار می تراود- عرصکه نهایت شیریں کلام و حوش فکر است- ایں چند (شعر) اروست:

کروں کیوں نه سارش یه درسان سے؟
که ڈرتا هوں شیطان طوفان سے

ملاقات سے میری مجھکو نه تم
که اساں ملتے هیں اسان سے

شب بھر میں، اپنے اشکوں کا حوش
کئی هاتھه اونچا تھا طوفان سے

یه بوسه تم اپسا ابھی پھیرلو
میں گزرا، اجی، ایسے احسان سے

نرم کیونکر نکرے دل کو تمهاری آوار؟
ایسے سارك سے گلے میں یه کراری آوار!

مرتے دم یار حو آیا، تو کهوں کیا اب، آه!
شدت ضعف سے، دیتی نهیں یاری آوار

اوس کے در سے نه اوڑا حاك میری ساد صا (۲)
کهیں کے: «بعد صا یار کا در چھوڑ دیا»

مجھے صیاد کهے هے: «تجھے گر چھوڑوں گا»

---

(۱) طبقا: ۳۸، تدکره: ۵۴ ب، بعر ۲، ۲۸، شیفته. ۱۲۰ ب، طبقات: ۲۵٦، سراپا: ۲٦، شمیم: ۱۷٦، سحن ۳۵۱، طور: ۷۵، حواهر ۲، ۷٦۲-

(۲) کدا- واسب «بادصا» است-

تو میں پر باندھه کے، یا توڑ کے پر چھوڑوں گا
در پہ وحشت مری دیکھه اوس نے کہا ہو کے ته تنگ:
«اس کے ھاتھوں سے میں اك روز یہ گھر چھوڑوں گا»

آج لے لو سب سے لادعوے، که روز حشر کو
ہو نه فریادی کوئی دامن تمہارا کھینچکر

یاردهم از طبقهٔ ثالث، سید مهراللهخان غیور (۱) که مثل آئینه محو صفای وصاف کوئی است اگرچه خود از تلامذهٔ مست و ممنون است، که (۲۱۹ الف) طرز ایشان تلاشی است با تراکیب فارسیه، اما چون طبع لطیفش از اصل ساده پسند و ساده دوست افتاده، در شعر هم آن قدر سادگی را دوست میدارد که گاهی خیال تلاش سهو هم نمیکند. آنچه بسته و نوشته، همه بی تکلف است. دیوانش قریب دوهزار بیت خواهد بود. با راقم حروف سر رشتهٔ محبت بسیار مضبوط و مستحکم دارد. بیان عمدگیء خاندان آن عالی نژاد، از شرح مستغنی است. میر فتحعلیخان مرحوم، عم او بوده اند، و خود هم همیشه معزز و مکرم بود این چند شعر از وست:

کیا پوچھے ہے، زاهد، تو اب آئین ہمارا؟
ایمان ہے اك کافر بیدیں ہمارا

گر گئے قامت کو دیکھه، سرو گلستان کھڑے
رهگئے چال اوس کی (۲) دیکھه، کبك خراماں کھڑے

پوچھا نه کبھی اوس نے «که کیا نام ہے تیرا»؟
«کیوں آتا ہے، کس واسطے، کیا کام ہے تیرا»؟

---

(۱) ریاض ۱۴۱-الف؛
(۲) اصل: «اوس کا»

حدش میں ہے وہ ابروی خمدار متصل
تلوار (۱) پر برستی ہے تلوار متصل

وهاں تیری چلی عیر پہ، اے یار، کٹاری
یہاں رشك سے سینے کے هوئی پار کٹاری

حسوقت که مجلس میں لیا عیر نے بوسه
تب کیا هوئی وه آپ کی خونخوار کٹاری

گو عیر کو گھر اپنے میں یہاں تمے بچایا
بس لیجو که ماری سر بازار کٹاری

آتا ہے یہی جی میں، عیور، اوس کی گلی میں
گر رهیے کہیں مار کے ناچار کٹاری

ہے جو وصع فلك میں سنہری
اوسی عالی حباب کی سی ہے

(۲۱۹ب) کیا جانے، کون کون هوے بیگمه هلاك؟
کوچے میں اوس کے رات دوهائی پڑی رهی

جاری هوا یه چسم کا سیلاب رات کو
ڈوبا تمام صبر کا اسباب رات کو

دوازدهم از طبقهٔ ثالث، قمر چرح فتوت، حورشید فلك مروت، جوان صبیح، جوش وکر فصیح، جناب معلی القاب، نواب افتخار الدوله، معین الملك، مرزا قمر الدین احمد خان بہادر، صولت جنگ، دام‌طله و اقباله، است و قمر تخلص می نماید۔ و آن جواهر زادهٔ نواب سرفراز الدوله مرحوم، که نایب وزیر، یعنی نواب آصف الدوله

(۱) اصل «تروار»

مغفور بود، و اکبر اولاد مرزا فخر الدین احمد خان بهادر، المشهور بمرزا جعفر صاحب، دام اقباله، است۔ جوانی است بالباس وجاهت و خوش تقریری آراسته، و بزیور خلق و حلم پیراسته، نهایت ذکی و کمال ذهین۔ هفت هشت سال شده که شوق شعر دامن دلش بخود کشیده، اورا در فکر ریخته مشغول ساخت۔ چون طبع آن عالی نژاد از اصل عالی بوده، در عرصهٔ قلیل سخن را بپایهٔ پختگی رسانده، صفای تمام پیدا نموده۔ اکثر غزلهای نامی و مشهور سلطان الشعرا مرزا محمد رفیع، و امیر الشعرا میر محمد تقی، و محمد قایم صاحب، و بقا، و حسرت، و نثار را جواب گفته، بخوبی از عهدهٔ آنها برآمده، بلکه بعض مقام برین بزرگواران رجحان جسته۔ کلامش بسیار باصفا و متانت است۔ تراکیب فارسیه دارد، و از ارشد شاگردان مرزا محمد حسن خان (١٢٢ الف) قتیل است۔ بر راقم کمال مهربانی و نوازش میفرماید، و از قدیم مالوف بوده، بلکه عاصی از مدت نمک پرورده و دست گرفتهٔ خاندان اوست۔ عمر شریفش تخمینا بچهل و پنج سال رسیده باشد (١)۔ این چند شعر کلام صفا نظام آن محسن بنده است:

نه کیوں هو پاس دل زار کی مگر سے آج؟
دهواں سا اوٹهنے لگا بیطرح جگر سے آج

جراحت دل مضطر یه هے نمك افشاں

---

(١) شیفته: ١٣٣ الف، طبقات ٣٤٦، سراپا: ٢٦٦، ٢٨٩، ٣٦٧، سخن ٣٨٨، آبحیات ٣٤٥، روز روشن ٥٦١، طور ٨١، گل ٣٤٢، حاشیه، اشپرنگر ٢٧٧۔

در شیفته و طبقات، اسم پدر قمر را مرزا تقی هوس نوشته اند، که غلط محض است۔ و در خصوص وفاتش در روز روشن گفته که «در اواسط مایهٔ ثالث عشر قمر عمرش بخسوف مرگ منخسف گردید۔» اما صاحب گل رعنا صراحت می کند که در ١٢٧٥ھ (١٨٥٨ع) وفات یافت۔

خیال جدۂ دندان نما، سحر سے آج
کچھ ان دنوں بہت اوس سے خفا ہے وہ بیمہر
ہوا ہے مجھکو یہ ثابت، رخ قمر سے آج

دشت میں صرف ہوئی ہمت نخچیر عبث
کب لگاتا ہے کسی صید پہ وہ تیر عبث؟

اغیار کی نظر میں مجھے خوار مت کرو
گھر تک تو میرے چلنے کی تکرار مت کرو
رسوائی ہوگی، دوستو، بازار حسن میں
ظاہر تو اوس کا مجھکو خریدار مت کرو
جب تک وہ خود شناس نہیں، تب ہی تک ہے خیر
غفلت کے خواب سے اوسے بیدار مت کرو
مصرف میں ایسے لاؤ اسے بھی خدا کے ساتھ
ضائع زمیں نہ خون مرا ہر بار مت کرو
اے آہ شعلہ پرور و اے اشک خونچکاں!
ایسا کسی پہ راز دل زار مت کرو

میں تیرے ہی آگے جان دونگا
تو قیس نکر قیاس مجھکو
اب دم تیغ یار، آ جلد
کرتی ہے تمام پیاس مجھکو
کر ڈالتا خون میں اپنا کب کا؟
ہوتا نہ ترا جو پاس مجھکو

آمد شد نفس، دم خنجر ہے تجھ بغیر
جینا جہان میں مرگ سے بدتر ہے تجھ بغیر

(۲۲ب) جلد آ پہنچ اثر کو لیے، نالۂ رسا
برباد میرے اشک کا لشکر ہے تجھ بغیر
دل اور جگر میں آگ ہے ہجراں کی مشتعل
عاشق کی شکل، غیرت مجمر ہے تجھ بغیر
رساں پہ شکوہ نہیں تیغ بار جانی کا
میں کشتہ (ہوں) تری، اے شمع، جانفشانی کا
اوٹھا سکے کبھی بار نگاہ مور نہ کوہ
جو اوس پہ سایہ پڑے میری ناتوانی کا
لگادی آگ سی دل میں تمام مجلس کے
برا ہو اس دل سوزاں کی قصہ خوانی کا
دلوں کو دلتی ہے، جوں آسیا، وہ گردش چشم
مجھے گلہ نہیں کچھ دور آسمانی کا
نہ دیا دل کہیں باتوں میں اوس کی آکے، قمر
بھروسا کچھ نہیں ایسے کی مہربانی کا
اوس فتنۂ محشر سے، قمر، دل نہ لگانا
اس چین سے پھر تو کسی عنواں نہ رہیگا
اے عندلیب، چہچہے تیرے بجا ہیں پر
میری طرح، ترا نہ خنجر گلو میں
حکم اوس گلی میں آنے کا مدت سے ہے مجھے
جز ناتوانی اب کوئی ایسا عدو نہیں

بدانکہ اسامی ء چند کس از شعرا، کہ دریں رسالہ ضبط شدہ، بعضی ازیں بمنزلۂ اصل اند، چہ بنای صحت محاورۂ اردوی معلی بر مقولۂ ایشاں متحقق گشتہ، یعنی، مثل مرزا محمد رفیع، و میر محمد

تقی، و مرزا جان‌جانان مظهر تخلص، و میر درد، و قایم، و سوز، و باقی بزرگان، که مسطور اند، بنابر فصاحت کلام خودها و شهره و اعتبار، که ایشان را درین فن حاصل شده است، و دوست و دشمن (۲۲۱ الف) مقر بکمال گردیده، آنها فرع. و الا در هر قصبه و بلده و قریه موزونان بسیار پیدا شده اند و می شوند، و موافق معلومات خویش و طبیعت مدام در زبان خودها همه شعرها می گویند و گفته اند. لیکن چون مدار ریخته بزبان خاص شاهجهان‌آباد است، بهمین جهت اشعار و کلام همان اشخاص، که در دهلی یا در لکهنئو نشو و نما یافته، و محاوره و زبان در صحبت شعرای مذکور تحقیق نموده، بپایهٔ اعتبار رسیده اند، مقبول و معتبر است و بس. هر چند شعرای قصبات فاضل و عالم فن باشند، اما کلام ایشان مطلق مقبول نیست، و برای دیگر هرگز سند نتواند شد، چه زبان دان و صاحب محاوره نیستند.

و شعر مرزا جان‌جانان، که درین مقام نوشته شده اند، سببش اینست که آن آفتاب چرخ فصاحت، و نیر اعظم فلك بلاغت، بیشتر فارسی می‌گفت، و ریخته همینقدر که برای اصلاح بعضی از شاگردان او بکار آید، با بکدام خیالے دیگر، بقلت میفرمود اما کلام نثر او، که سراسر سند بود، همه شعرا باوستادیء او مقر بودند، و درستیء کلام خود بنابر اصلاح و تصحیح او مسلم و موقوف میدانستند بلکه اعتقاد جمعے از محققین همین است، که بانیء بنای ریخته بطرز فارسی اول جناب ایشان است، چنانچه درین مقدمه هم باین معنی اشاره شده و دیگران همه متتبع و مقلد او هستند. بهر کیف در اوستادی و زباندانیء او (۲۲۱ ب) هرگز شك نیست.

مولف این کتاب که یکتا تخلص میگزارد، و خود را کمتر از همه می شمارد، میخواست که چند شعر از کلام خود هم بتقاضای پاے تختیه که سر تخلص اوست، آخر همه درینجا نگارد۔ اما چون پایند نام و شهرت درین فن نیست و نبود، لهذا هیچ نه نوشته، صرف شعرهای امثله، که درین رساله درج هستند، اکتفا نمود۔

مخفی مباد، که عرصهٔ بعید و مدت مدید سپری گردیده، که چهرهٔ تسطیر این مقاله، و گردهٔ تصور این رساله، برصفحهٔ وجود نقش گرفته، بسبب تردد خاطر و تشتت بال، که بوجوه شتی لاحق حال من عزت مآل مانده، در محل تعطل افتاده بود۔ و درین تعطیل، که سالهاسال بسر آمده، هرگز طبیعت متوجه نشد که بنظر ثانی پردازد، یا آن را بنحوی که منظور بود، درست سازد، که دوستی از دوستان فقیر، مسمی شیخ رمضان علی صاحب، سلمه ربه، از باشندگان لکهنئو، کمر همت بسته، بنقاش پرداختند، و سعی تمام در ماه ذیحجهٔ این سال آن را تمام ساختند۔ الحمد لله علی اتمامه، و الشکر علی التوفیق باختتامه۔

قطعهٔ تاریخ

صد شکر که اتمام پزیرفت رساله
واضح شد ازان جمله قوانین بلاغت
تاریخ تمامیش طلب کرد چو یکتا
فی الفور خرد گفت که «دستور فصاحت»
۱۲۴۹ھ

اشاریہ

۱- اشخاص

ن

و

۲ — مقامات

ش

ص

ع

ف

ق

ک

ل

۳ — کتب و اسماء

ل

م

ن

نغمہ — مجموعۂ شعر۔

نکات الشعرا: ١٤، ٢٢، ٢٣، ٣٦،

٤٣، ٤٤، ٦٠، ٦٤، ٦٨، ٧٠، ٧٤۔

و

واردات ٣٧۔

ہ

ہدیٰ ٢، ٣، ٥، ٦، ٨، ٩، ١٠،

١١، ١٢، ١٣، ١٥، ١٨، ٢٣، ٢٤،

٣٦۔

تصحیح و استدراک

(اس صحت نامے میں نقطوں وغیرہ کی وہ معمولی غلطیاں جو بادنیٰ تامل سمجھ میں آجاتی ہیں، ترک کر دی گئی ہیں اور ح سے حاشیہ مراد لیا ہے۔)

صفحہ	غلط	صحیح
ص ۱ سطر ۸	قرب او، تعالی	قرب او تعالیٰ،
,, ۵ ,, ٦	دفعة	دفعةً
,, ۷ ,, ۱۴	حمن	چمن (اصل میں حمن ہی ہے۔ لیکن ہونا چاہیے کوئی ایسا لفظ جو متحرك الاوسط ہو۔ چونکہ چمن کو غلط فہمی سے کاتب حمن لکھ سکتا ہے، اور ہے بھی وہ متحرك الاوسط، اس بنا پر میری رائے میں متن کے اندر چمن لکھنا چاہیے۔)
,, ۱۳ ,, ۲	نقط	ضبط (اصل میں نقط ہی ہے۔ مگر وہ ضبط کی تصحیف معلوم ہوتی ہے)
,, ۲۱ ,, ۲۱	آپ	آپ کو
,, ۲۳ ,, ۲۳ح	خوصاً	خصوصاً
,, ۱۲۳ ,, ۳ح	بحرکت دوم (؟) است	بحرکت دوم است.
,, ۳۷ ,, ۵ح	طعیت	طبیعت
,, ,, ,, ۲۳ح		(اضافہ کرو) و احمدعلی ہاشمی در مخزن الغرائب (۱٦۳ ب) گفته : « خواجه میر درد، رحمة الله علیه، وی پسر جناب خواجه محمد ناصر است سلسلۂ ایشان بحضرت بهاءالدین نقشبند، قدس سره، میرسد۔ پدرش مرید شیخ سعدالله گلشن است که آینده

صفحه			غلط	صحیح
				د کرش در حرف کاف حواهد آمد ۔ در دهلی ملکه در تمام هدوستان نطیر حود نداشت۔ ملکی بود نصورت انسان و شاهی بود بجامهٔ حلقان۔ کمال استعنا و مروتی داشته۔ حداش بیامرزد ا دیوان هندیءاو مشهور است۔ حاحت بیان نیست۔ و بر ان فارسی نیز دیوانی ترتیب داده ۔ لیکن نسب هرح و مرح دهلی که دران وقت روداده بود، چند شعر که ار گفتهٔ ایشان ندست آمده بود، تلف شدند فقیر ایشان را ریارت نموده نهایت شفقت بزرگانه بحال بارمند مندول می فرمودند۔»
,,	۴۵	,, ۳	شه	شبهه
,,	۵۷	,, ۱۵	هوگا	هو گیا
,,	۵۸	,, ۳ح		(اضافه کرو) بوستان اوده ۹۶، تاریخ مثنویات اردو ۸۵
,,	۶۳	,, ۸ح		(,,) وفاتی ابوالعلائی در کیفیه العارفین (ص ۱۷-۱۸۱۷، مطبع معمی، گیا، ۱۳۵۰ھ) دکر مفصلی ار شاه رکن الدین عشق آورده - و در حصوص وفاتش گفته که عشق رور یکشنبه بوقت طهر هفتم ماه جمادی الاولی سال یکهرار و دو صد و سه هجری در عظیم آباد فوت شد ۔»
,,	۶۵	,, آحری ح	بحده	بحنده
,,	۸۳	,, ۴	(۱)	۔
,,	۸۵	,, ۴ح		(اضافه کرو) تاریخ مثنویات اردو ۵۴۔
,,	۹۰	,, ۲۱ح	لمود	نمود
,,	۹۱	,, ۱۰ح	ردیگر	و دیگر

صفحہ	غلط	صحیح
,, ۹۳ ,, ۸	محی	محبی
,, ,, ,, ۵ح		(اضافہ کرو) تاریخ مثنویات اردو ۱۰۱
,, ۹۴ , ۸	تلامدش	تلامیدش (مگر اصل میں تلامدش ہی ہے)
,, ۹۸ ,, ۱۵	طوطئے	توطیے (مگر اصل میں طوطئے ہی ہے)
,, ۹۹ ,, ۵ح		(اضافہ کرو) تاریخ مثنویات اردو ۷۰
,, ۱۰۱ ,, ۵ح		(اضافہ کرو) عسکری ۲، ۸، تاریخ نثر اردو ۸۵، داستان تاریخ اردو ۱۰۳۔
، ۱۰۳ ,, ۳ح		(اضافہ کرو)بوستان اودھ ۱۱۱،
,, ۱۰۳ ,, ۴ح		(,,) تاریخ نثر اردو ۹۷۔
,, ۱۰۴ ,, ۵ح		(,,) تاریخ داستان اردو ۱۵۳
,, ۱۰۸ ,, ۱۸ح	مسحصر	مختصر
,, ۱۱۹ ,, ۷	صمای	صمائی

تصحیح دیباچہ

صفحہ	غلط	صحیح
,, ۲ ,, ۱۰	ادیوں	ادیبوں
,, ۱۳ ,, ۴	راع	راع
,, ۲۵ ,, ۷	تیبص	تبیص
,, ۵۲ ,, ۷	وجھہ	وجہ
,, ۵۷ ,, ۴ح	۲،۹۲	۹۲،۲
,, ۵۸ ,, ۵	سنۂ ھجری	سنہ ھجری
,, ۱۱٦ ,, ۱۳	Dictconary	Dictionary